

إِنَّهَا يُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ - (الطور ۱۶) جزا نہیں دیئے جاؤ گے سوائے اس جو کچھ کرتے تھے
(۱۶: ۵۶)

عقیدہ کا

ایصالِ ثواب قرآن کی نظریں میں

ایک مدلل اور ناقابلِ تردید

تحقیقی
مقالہ

تالیف

محقق، نقاد، شیخ القرآن و امام الحدیث

جناب علامہ حافظ اری

حبیب الرحمن صدیقی کاندھلوی مدظلہ

شائع کردہ

الرحمن پبلشنگ ڈسٹریبیوٹرز

۳-۷-۱ اے بلاک نمبر ۱- ناظم آباد کراچی ۷۴۶۰۰

فون 660449

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب عقیدہ ایصالِ ثواب قرآن کی نظر میں

مؤلف علامہ حبیب الرحمن صدیقی کاندھلوی

صفحات ۲۴۸

تعداد کتب گیارہ سو (۱۱۰۰)

قیمت پچاس روپے

ناشر

(۴۴۶۰۰)

الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کراچی

فون: ۶۶۰۱۴۴۹

فہرست مضامین

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۲۶	۱۴- صدقہ جاریہ	۴	۱- تعارف
۱۴۴	۱۵- نذر و منت	۷	۲- ایصالِ ثواب قرآن کی نظر میں
۱۵۸	۱۶- حدیث سعد بن عبادہؓ	۱۰	۳- قرآن و سنت کا تقابل
۱۶۷	۱۷- اُمت کی جانب سے قربانی	۱۹	۴- کیا کسی کا عمل دوسرے کے کھلتے
۱۸۲	۱۸- حضرت علیؓ کا عمل		میں نکھا جاسکتا ہے؟
۱۹۲	۱۹- چند بازاری روایات	۲۴	۵- کتاب اللہ کی وضاحت
۲۰۲	۲۰- قرآن خوانی اور ایصالِ ثواب	۴۴	۶- انسان سے صرف اسی کے عمل کا سوال ہوگا
	علمائے دیوبند کی نظریں میں	۶۸	۷- اللہ تعالیٰ کسی کے عمل سے غافل نہیں
۲۰۹	۲۱- مزید اضافہ	۷۷	۸- تقدیمِ عمل
۲۱۰	۲۲- علامہ مولوی محمد صاحب کی کتاب کے	۷۹	۹- عذابِ الہی کے اسباب
	چیدہ چیدہ مختصر حصے	۱۰۴	۱۰- دعا برائے میت
۲۱۵	۲۳- علمائے کرام کی رائے پر تبصرہ	۱۱۲	۱۱- مراسلت مولوی محمد سرفراز خان کے ساتھ
۲۲۵	۲۴- ضمیمہ ایصالِ ثواب	۱۱۷	۱۲- الجواب من جانب مؤلف
۲۴۳	۲۵- اشاریہ	۱۲۴	۱۳- جواب من جانب مولوی محمد سرفراز خان

تعارف

اس بات کا تو سبھی کو علم ہے کہ بیشتر عجی ملاک بالخصوص ہندو پاکستان بنگلہ دیش و ایران وغیرہ میں ایصالِ ثواب کی رسمیں بشکل قرآن خوانی، تیجہ، چہلم، برسی اور عرس وغیرہ عام ہیں اور جزو دین اور مرد والوں کے لئے جنت کا دیزا تصور کی جاتی ہیں، لیکن اس حقیقت سے بہت ہی کم لوگ واقف ہوں گے کہ ایصالِ ثواب کا عقیدہ اور اس سے متعلق تمام رسومات کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ اس عقیدے پر عمل کرنا فعلِ عبث ہے۔ اور اس عقیدے سے قرآن حکیم کا انکار لازم آتا ہے۔ نیز یہ کہ یہ باطل عقیدہ ہندو پارسی، عیسائی، یہود اور دیگر غیر مسلم اقوام کا زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے جس کو ہم عجی مسلمانوں نے دوسروں کی دیکھا دیکھی یا نو مسلم ہونے کی بنا پر غنیمت بدیلیوں کے ساتھ اپنا لیا یا اپنا رکھا اور مسلمان ہو کر بھی اس سے چھٹکارا حاصل نہ کر سکے۔ بلکہ آگے چل کر اس کو اتنی ترقی دے دی کہ ایصالِ ثواب کی رسمیں تعزیرِ دعت اور جہنم کا سماں پیش کرنے لگیں اور ان کو ثواب دارین حاصل کرنے کا ذریعہ بھی سمجھا جانے لگا۔

اگرچہ یہ ادارہ کافی دنوں سے اس اہم مسئلہ پر قلم اٹھانے کی کوشش میں مصروف تھا لیکن اسے توفیق اس وقت میسر ہوئی جبکہ جدید یونیدی عالم دین مولوی سرفراز خان صاحب شیخ الحدیث مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ پنجاب سے اس مسئلہ کے مطابق دین ہونے کی بابت قرآن حکیم اور واضح و صحیح احادیث کے حوالے حجت فرمانے کی استدعا کی گئی اور موصوف نے مراسلت کے دوسرے ہی مرحلہ میں لاجواب ہو کر منکر حدیث ہونے کے فتوے صادر فرمائے ہوئے آئندہ کسی قسم کا جواب دینے سے انکار فرما دیا۔ اور مطمئن کئے بغیر خط و کتابت کا سلسلہ ختم کرنے کا اعلان فرمایا۔ موصوف سے خاص طور پر استدعا اس لئے کی گئی تھی کہ انہوں نے اپنی شہرہ و معروف تصنیف ”راہِ سنت“ میں بیان کردہ ہر مسئلہ کی

بابت صحت کا دعویٰ فرمایا تھا لیکن سلسلہ ایصالِ ثواب کا وہی جابلانہ اور باطل عقیدہ اس میں بھی موجود تھا جو کہ عام طور پر مسلمانوں میں پایا جاتا ہے۔ یعنی ایصالِ ثواب کے مطابق دین ہونے کا چنانچہ اس خط و کتابت نے قلم اٹھانے پر مجبور کر دیا اور قرآنِ احادیث کی چھان بین کے بعد یہ کتاب وجود میں آگئی جو کہ محقق، نقاد و مفسرِ قرآن و الحدیث علامہ حافظ قاری عیوب الرحمن صدیقی کا مذہبی کی جانفشانی اور کاوش کا نتیجہ ہے۔ علامہ موصوف کی دیگر ناقابلِ تردید تحقیقی تصانیف "شبِ براءت" کیلئے "اور عقیدہ ہندویت و ظہور مہدی" اور "پہلے ہی پیش کر چکا ہے جنہیں اہل علم حضرات نے بہت سراہا ہے۔ ہندوستان کے شہر علی گڑھ کے ایک دینی ادارے نے کتاب "شبِ براءت" کیا ہے کی تعریف کرتے ہوئے افادیت کے پیش نظر اس کے شائع کرنے اور بلا معاوضہ تقسیم کرنے کی اجازت چاہی تھی جس کو ادارے نے بخوشی منظور کیا۔ اگر دین سے دلچسپی رکھنے والے محسّر حضرات کا تعاون حاصل ہوتا رہا تو انشاء اللہ دیگر اہم مسائل پر بھی اسی طرح تحقیقی مواد پیش کرنے کا سلسلہ جاری رکھا جائے گا۔

اس کتاب میں ایصالِ ثواب کے عقیدے پر سیر حاصل بحث و تبصرہ کیا گیا ہے۔ اور یہ بتلا دیتے ہیں کہ یہ اقوام غیر کافہ عقیدہ ہے، قرآنِ حکیم کی روشنی میں ناقابلِ تردید دلائل کے ذریعے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ثواب ناقابلِ انتقال شے ہے۔ اور کسی حال میں مرد یا زندہ کے نام منتقل نہیں کیا جاسکتا۔ کیوں کہ جو جب آن مجید ایک کامل دوسرے کے کام نہیں آسکتا۔ بے اس اعتبار ایصالِ ثواب کی تمام شکلوں کو جن کی صحت کے بد قسمتی سے ہم سب ہی قائل ہیں اور جن کی پشت پناہی عموماً چند غیر معتبر یا غیر متعلق احادیث کے ذریعے کی جاتی ہے اور ایصالِ ثواب کے طور پر یقول کو جائز اور مطابق دین ثابت کرنے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔ ان کو اسوہ حسنہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اضافہ خارج از دین اور اللہ تعالیٰ کے یہاں لائق باز پرس ثابت کیا گیا ہے۔ ادارے کو یقین کا بل ہے کہ اگر اس کتاب کا مطالعہ خالی الذہن عقیدہ بے جا اور رسم و رواج کی جکڑ بندوں کے خوف سے آزاد ہو کر کھلے دل و دماغ سے کیا جائے گا اور صداقت پسندی اختیار کی جائے گی تو کوئی

وجہ نظر نہیں آتی کہ یہ کتاب اثر پذیر ثابت نہ ہو۔ اور آپ کو حقیقت کے قبول کرنے اور ایصالِ ثواب کی تمام فرضی و نہائشی رسموں سے کنارہ کشی پر آمادہ نہ کر سکے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کے مقابل میں بندوں کا خوف غالب ہوئے۔ یہ تصنیف اپنے تئیں تمام قارئین، بالخصوص محترم علماء و دین سے دردمندانہ طور پر یہ مطالبہ بھی کرتی ہے کہ اگر پیش کردہ اصول اور منطقی دلائل قرآنی حوالہ جات و غیرہ کی عقلی، نقلی یا کسی اور ذرائع سے تردید یا لکذیب ممکن نظر آئے یا ایصالِ ثواب کے جائز اور مطابق دین ہونے کا کوئی اور دینی ثبوت موجود ہو جو مصنف کتاب کی نظر سے پوشیدہ رہ گیا ہو۔ اور اس سے استفادہ نہ کیا جاسکا ہو تو براہِ کرم اس سے ادارہ کو ضرور روشناس کرایا جائے تاکہ کتاب کی آئندہ اشاعت میں بشرطِ معقولیت، تصحیح کی جاسکے اور یہ بھی معلوم ہو کہ کہ نفسِ مضمون سے اگر کسی کو اختلاف ہے تو اس کے دلائل کیا ہیں۔ ادارہ ہر معقول اعتراض کو خندہ پیشانی سے قبول کرے گا۔ اور اس کے لئے مشکور ہوگا۔ لیکن اگر کوئی معقول اعتراض وارد نہ کیا جاسکا اور وائنہ طور پر خاموشی اختیار کی گئی تو پھر ادارہ یہ تصور کرنے میں خود کو حق بجانب تصور کرے گا کہ اس نے کتاب ہذا کے ذریعے کچھ نوادہ پیش کیا ہے اس سے بحمد اللہ قارئین متفق ہیں جو کہ ادارہ کے لئے صد امت کا باعث ہوگا۔ ادارہ کتاب ہذا پیش کر کے اہل المعروف و نہی عن المنکر کے قرآنی حکم کی تعمیل کے ساتھ ربیعِ ثانی کی بارگاہ میں دستِ بَدعا ہے کہ اپنے فضل سے ہم سبھوں کو حصولِ دین کی جانب راغب فرمائے، دین کا صحیح علم و رحمت کرے، اپنی قدرت و حکمت سے ہمیں کھرے کھوٹے کی تمیز دے غلطی تسلیم کرنے علاوہ ازیں حق کو قبول کرنے اور تمام خلافِ دین عقیدوں اور اعمالوں سے روگردانی کا حوصلہ عطا فرمائے۔ اور ادارہ کلی اس کوشش کو بار آور فرمائے۔ آمین

معتقد عمومی

ایصالِ ثواب قرآن کی نظر میں

مسئلہ ایصالِ ثواب کی اصل بنیاد یہ ہے کہ ایک انسان کا عمل کسی دوسرے کے کام آسکتا ہے یا نہیں۔ یہ تمام مسئلہ صرف اسی بنیاد پر موقوف ہے اگر یہ بنیاد درست ہے تو اس پر قائم شدہ عمارت بھی یقیناً درست ہے اور اگر یہ بنیاد ہی سرے سے غلط ہے یا اس بنیاد میں کچھ کجی ہے تو ظاہر ہے کہ اس پر تعمیر شدہ عمارت بھی غلط ہوگی۔ بلکہ ایسی عمارت ہمہ وقت خطرے کا سبب بنی رہے گی،

ہم افسوس کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ وہ طبقہ جو ایصالِ ثواب کا قائل ہے۔ وہ سرے سے بنیاد ہی کو نظر انداز کئے ہوئے ہے۔ وہ یہ راگ تو ضرور لاپتا ہے کہ اس کی تعمیر میں فلاں فلاں بھٹی کی اینٹ استعمال کی گئی فلاں فلاں کاریگر نے اس کی تعمیر میں حصہ لیا۔ اور اس عمارت کی حسن و خوبی اس سے ظاہر ہے کہ دنیا اسکے حسن و جمال ہی کی قائل ہے۔ لیکن یہ لوگ یہ نہیں سوچتے کہ یہ تمام خوبیاں اس وقت لایعنی قرار پائیں گی جبکہ یہ عمارت بنیاد ہی سے ہٹی ہوئی ہو۔ اس کی خوبصورتی ایک فریب ہوگی اور ہمہ وقت یہ نڈرٹہ لاحق رہے گا کہ کہیں یہ ظاہری حسن و جمال ہزار ہا افراد کی زندگیوں کے لئے جان لیوا ثابت نہ ہو۔ اور اتفاق سے صورتحال اسی قسم کی نازک شکل اختیار کر چکی ہے۔

ہمارے نزدیک اس مسئلہ کی اصل بنیاد یہ ہے کہ ایک انسان کا عمل دوسرے کے کام آسکتا ہے یا نہیں۔ تو لحاظ عمل اس کے دو پہلو ہیں۔ کیوں کہ تمام انسانی اعمال دو قسم پر منقسم ہوتے ہیں جنہیں شریعت کی زبان میں اعمال خیر اور اعمال شر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی کوئی فعل دو حال سے خالی نہیں۔ فعل اچھا ہوگا یا برا، نیک ہوگا یا بد، قابل ستائش ہوگا۔ یا قابل مذمت، قابل اجر و ثواب ہوگا یا قابل سزا۔ انسان کا یہی عمل ہے جس پر وہ انعام کا مستحق ہوتا ہے یا عذاب الہی کا۔ شریعت اسلامیہ کا پورا دائرہ اسی کے ارد گرد گھومتا ہے ہر دو صورتوں میں اس پر بھی اتفاق کلی ہے کہ انسان کو اس کے عمل کی جزا ضرور ملے گی۔ اگر وہ عمل خیر ہے تو اچھی جزا۔ اور اگر عمل بد ہے تو بری جزا یہ ایک ایسا اصول ہے جس پر روزِ اول سے امت مسلمہ کا اجماع چلا آرہا ہے۔ لہذا اسی اصول سے نہ ہمیں اختلاف ہے اور نہ ہم اس پر کوئی بحث کرنا چاہتے ہیں۔

زیر بحث جزیئہ صرف اتنا ہے کہ کیا ایک کا عمل دوسرے کے کام آسکتا ہے یا نہیں عام طور پر تو تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ ایک انسان کا عمل دوسرے کے کام نہیں آسکتا۔ لیکن جب اس کی توضیح کی جاتی ہے تو ہمارے علماء کرام ٹامک ٹوئیاں مارنے لگتے ہیں یہ جزیئہ پھر دو حصوں پر منقسم ہے۔ کیوں کہ انسانی عمل کی دو صورتیں ہیں۔ اچھا یا برا عمل خیر یا عمل شر۔ اس لحاظ سے یہ جزیئہ خود بخود دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ جسے قارئین کرام۔ (دوب۔ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

۱۔ اس کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ کسی کے عمل بد کا گناہ دوسرے پر قطعاً نہیں ڈالا جاسکتا۔ نہ شریعت کے دنیاوی قانون میں اور نہ عالم آخرت میں۔ یہ قانون زندہ اور مردہ دونوں کے لئے عام ہے یعنی جس طرح کسی زندہ انسان کا گناہ کسی دوسرے زندہ انسان پر نہیں ڈالا جاسکتا۔ اسی طرح کسی مردے کی سزا میں زندہ کو نہیں پکڑا جاسکتا۔ اور نہ زندہ کے جرم کی سزا کسی مردے کو مل سکتی ہے۔ نہ عالم دنیا میں اور نہ عالم آخرت میں

تاؤ تک اس جرم میں زندہ یا مردے کے عمل کا کوئی دخل ہو۔

یہ ایک ایسا مسئلہ اصول ہے کہ جس پر دو ربِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے آج تک تمام فقہاء، محدثین، مفسرین، متکلمین اور پوری امتِ مسلمہ کا اجماع رہا ہے اور اس اجماع کی وجہ یہ ہے کہ قرآن و سنت نے اسے اتنی وضاحت سے بیان کیا ہے کہ اب اس میں کسی ابہام کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اگرچہ اس کی تائید میں صرف یہ آیتِ کریمہ عام طور پر پیش کی جاتی ہے۔

أَنْ لَا تَزِرُ وَازِرَتُهَا وِزْرَ أَخِي ۖ

کوئی شخص کسی گناہ اپنے اوپر نہیں

آیت ۲۸ سورہ النجم لے سکتا۔ ۵۳ : ۲۸

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اور مقامات پر بھی مختلف الفاظ میں یہ اصول واضح

فرمایا ہے۔ مثلاً ارشاد ہے۔

وَمَنْ يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُ عَلَى

نَفْسِهِ ۖ

اور جو شخص گناہ کا کام کرتا ہے تو وہ فقط

اپنی ذات پر اس کا اثر پہنچاتا ہے۔

۱۱۱ : ۲۴

آیت ۱۱۱ سورہ السجاد

نیز ارشاد ہے۔

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ

اور جو شخص بھی کوئی عمل کرتا ہے وہ اسی پر

رہتا ہے اور کوئی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا

۱۶۴ : ۶

الانعام

مزید ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّ كَيْفَ تَقُولُونَ
مَّا لَا يُخْرِجُكُمْ وَالِدُكُمْ وَلَا أُمُولُكُمْ
مِمَّا كُنْتُمْ تُشْرِكُونَ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

اے لوگو اپنے رب سے ڈرو اور اس دن
سے ڈو جس میں کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف
سے کچھ مطالبہ کر سکے گا اور نہ کوئی بیٹا ہی ہے کہ وہ
اپنے باپ کی طرف سے ذرا بھی مطالبہ کرے

ایک مقام پر اشارہ ہے۔

فَإِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ جِهَةٍ أُخْرَىٰ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمْ فِي شَيْءٍ مِّمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ

فاطر - ۱۸

اور اگر کوئی بوجھ کا دھڑا دینی کوئی گنہگار
کسی کو اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے بلاوے گا (بھی)
تب بھی اس میں سے کچھ نہ پٹایا جائیگا اگرچہ وہ

شخص قرابت دار (کیوں نہ) ہو۔ ۱۸:۳۵

الفرض یہ ایک ایسا پہلو ہے جس پر آج تک تمام امت کا اتفاق رہا ہے۔ لہذا اس پر

مزید بحث غیر ضروری ہے۔

(ب) جہاں تک دوسرے پہلو کا تعلق ہے یعنی ایک نئے کا عمل خیر کسی مرنے والے کے کام آسکتا
ہے یا نہیں۔ اگرچہ یہ جزئیہ پہلے جزئیہ کی طرح اپنے اصلی اصول کا ایک حصہ ہے اور اصول وہی
ہوتا ہے جو ہر جگہ کارفرما ہو اور اگر ایک جگہ کارفرما ہو اور دوسری جگہ کارفرما نہ ہو تو وہ اصول نہیں
کہلاتا۔ بلکہ اسے بے اصولی پن سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اسی بے اصولی پن کی وجہ جہاں کچھ روایات
ہیں وہاں آباد اجداد اور بزرگوں کی اندھی تقلید بھی ہے۔ اسی لئے ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ اس
جزئیہ کی تشریح سے قبل ایک فقہی اصول کی وضاحت کر دی جائے کیوں کہ عام طور پر ہمارے
علماء نے جو دھوکہ کھایا ہے وہ اس فقہی اصول کو نظر انداز کر کے کھایا ہے۔

قرآن و سنت کا تقابل

کتب اصول فقہ میں احناف کا یہ مسلمہ فقہی اصول ہے کہ جب کوئی حدیث متہ آن کے
خلاف واقع ہو، یا اس کے عموم کو خاص، یا اس کے خصوصی کو عام کرتی ہو تو اس حدیث کی یا تو
تاویل کی جائے گی یا اسے رد کر دیا جائیگا۔ کیوں کہ احناف کے نزدیک یہ قرآن کی تفسیر ہے اور
خلفیات کے ذریعہ قطعی شے کو منسوخ نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ احادیث متہ بھی ہیں وہ سب

ظنی ہیں۔ یہ دوسری شے ہے کہ کسی روایت میں ظن زیادہ اور کسی میں کم پایا جاتا ہو۔ اسی ظن کو ملحوظ رکھتے ہوئے امام ابو حنیفہؒ مروی کے لئے فقہائیت کو شرط قرار دیتے ہیں کیوں کہ غیر فقیہ میں ظن زیادہ پایا جاتا ہے اور یہ اصول اسی وقت ہے جبکہ حدیث صحیحہ سند کے ساتھ مروی ہو۔ اور اگر وہ ضعیف ہے تو وہ قابل اعتنا بھی نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ابو الحسن کرخی کا مسلک یہ بیان کیا جاتا ہے کہ غیر فقیہ صحابی کی بیان کردہ حدیث فقیہ صحابی کی بیان کردہ حدیث کے مقابلے میں مقبول نہ کی جائے گی۔ مثلاً وائل بن حجر کی حدیث ابن عباسؓ کے مقابلے میں قطعاً قابل قبول نہ ہوگی۔ اس مسئلہ کی تفصیل دیکھنی ہو تو علمائے کرام ”نور الانوار“ کا مطالعہ کریں اور اردو و اٹلی طبقہ ہماری ”اصول فقہ“ کا مطالعہ کرے۔

ہمارے نزدیک اس اصول کی بانی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ اسی اصول کی ترویج حضرت عمرؓ نے فرمائی۔ ہم ذیل میں اس کی چند مثالیں بخاری و مسلم سے پیش کرتے ہیں۔

اکثر کتب احادیث میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب امیر المومنینؓ حضرت عمرؓ زخمی ہوئے تو حضرت صہیبؓ انھیں دیکھ کر رونے لگے۔ امیر المومنینؓ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

اے صہیبؓ تو مجھ پر روتا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میت کو اس گھر والوں کے رونے کے سبب عذاب دیا جاتا ہے۔

یا صہیبؓ اتبکی علی وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میت یعذب ببكاء اہلہ علیہ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں، میں نے اس واقعہ کا تذکرہ ام المومنین

حضرت عائشہؓ سے کیا۔ انہوں نے فرمایا۔

وَاللّٰهُ مَا حَدَّثَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اللّٰهُ لِيَعْذِبَ بِالْمَوْتِ بِيَكَاةِ اَهْلِهِ عَلَيْهِ وَلكِنْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَيُعْذِبُ الْكَافِرَ عَذَابًا بِيَكَاةِ اَهْلِهِ عَلَيْهِ۔

اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث قطعاً بیان نہیں فرمائی، کہ اللہ تعالیٰ مومن کو اس کے گھر والوں کے رونے کے سبب عذاب دیگا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کافر کے عذاب میں اسکے گھر والوں کے رونے کے سبب اضافہ فرماتا ہے

اس کے بعد اہل المؤمنین ارشاد فرماتی ہیں۔

وَحَسْبُكُمْ الْقُرْآنُ وَلَا تَذَرُوا اِزْدِرَاقًا وَذُرِّيَّتِي
بخاری ج ۱ ص ۳۳۳

اور تمہارے لئے قرآن کافی ہے کہ ایک کا بوجھ دوسرا اٹھائے گا۔

ایک اور روایت میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ دراصل واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودیہ مر گئی تھی اور اس کے گھر والے اس پر رو رہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جانب اشارہ کر کے فرمایا۔

انهم ليكون عليها وانها لتعذب في قبرها۔
یہ لوگ تو اس پر رو رہے ہیں اور اسے اس کی قبر میں عذاب دیا جا رہا ہے۔

بخاری، ج ۱ ص ۳۳۳

اس واقعہ سے چند اصول واضح ہوتے ہیں۔

۱ جب بھی کوئی حدیث غماہ کتنی ہی اعلیٰ درجہ کی صحیح ہو قرآن کے مخالف ہوگی تو اسے رو کر دیا جائیگا۔ یا اس کی تاویل کی جائے گی۔ بعینہ اس صورت میں اس حدیث کو قطعاً قبول نہ کیا جائے گا۔

۲ اس حدیث کے راوی کتنا بھی اعلیٰ مقام رکھتے ہوں ان کی شخصیات کو نظر انداز

کر دیا جائیگا۔ کیوں کہ بعد کا کوئی راوی حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مقام کو قطعاً نہیں پہنچ سکتا۔

۳ ایسی صورت میں یہ تصور کیا جائیگا کہ ان حضرات کو غلط فہمی پیدا ہوئی یا واقعہ کو صحیح طور پر یاد نہ رکھ سکے یا اصل وقوعہ کو سمجھنے سے قاصر رہے۔

۴ اصولی معاملات اور عقائد کے سلسلہ میں ہدایت کے لئے قرآن کافی ہے۔ اس کے لئے روایات کے سہاروں کی ضرورت نہیں۔

۵ جب حضرت عمرؓ جیسی شخصیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے قرآن کے خلاف کوئی شے اختیار نہیں کی جاسکتی۔ جبکہ روایت بھی ان کی تائید کر رہی ہو، اور وہ بھی صحت کے ساتھ مروی ہو تو اس شخصیت کی کیسے اندھی تقلید کی جاسکتی ہے جس کا مقام حضرت عمرؓ سے کروڑ ہا درجہ نیچے ہو، اور اگر روایت میں ضعف بھی پایا جاتا ہے تو پھر تو وہ اس قابل ہے کہ وہ پتھر پر دے ماری جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بھی جب یہ مذکورہ حدیث بیاں کی تو ام المومنینؓ نے فرمایا
 یخبر اللہ لابی عبدالرحمان اما انہ اللہ تعالیٰ ابو عبدالرحمان دینی عبداللہ بن عمرؓ
 لم یکن ذباً ولکن ذنباً او لخطا کی مغفرت فرمائے وہ جھوٹ تو نہیں بولتے لیکن
 مسلم ج ۳ ص ۳۰۳ وہ بھول گئے یا ان سے غلطی ہوئی۔

ام المومنینؓ کے ارشاد سے یہ اصول بھی سامنے آیا کہ روایت کے غلط ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ راوی کذاب یا ناقابل اعتبار ہو تب ہی روایت غلط ہوگی۔ بعض اوقات وہی انتہائی ثقہ اور معتبر ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی اس کی روایت اس کی کسی غلطی کا نتیجہ ہوتی ہے مثلاً بھول چوک، یا غلط فہمی، محدثین کی نظر میں ایسی روایت منکر کہلاتی ہے۔ اسی لئے محدثین میں منکرات، مالک اور منکرات سفیان بن عیینہ وغیرہ مشہور ہیں۔

اسی باعث محدثین فقہاء اس پر متفق ہیں کہ ہر انسان کے ساتھ بھول چوک اور

خطا لاحق ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ صحابی سے الفاظ کی نقل میں غلطی ہوئی ہو۔ یا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی ہو یا پورا واقعہ نہ دیکھا ہو۔ اور اس کا کچھ حصہ سن کر یا دیکھ کر منالطہ کھایا ہو اسی طرح سلسلہ بر سلسلہ ہر راوی میں یہ تمام احتمالات ممکن ہوں گے۔ اور جب صورتحال یہ ہے تو تمام احادیث کتنی بھی اعلیٰ سند کے ساتھ مروی ہوں وہ سب ظنی کہلائیں گی۔ کیونکہ نقل روایت میں ہر ہر قدم پر غن ممکن ہے۔ فرق صرف اتنا ہوگا کہ کسی روایت میں ظن زیادہ ہوگا۔ کسی میں کم۔ مثلاً متواتر میں ظن بہت کم ہوگا۔ جبکہ خبر واحد میں بہت زیادہ ہوگا۔

اسی طرح جس حدیث کی سند میں راویوں کی تعداد زیادہ ہوگی۔ اس میں ظن بھی زیادہ ہوگا۔ اور جتنی راویوں کی تعداد کم ہوگی اتنا ہی ظن بھی کم ہوگا۔ اسی لئے محدثین اس حدیث کو جس کی سند میں راویوں کی تعداد کم ہوتی ہے اسے عالی (بلند) اور جس میں راویوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے اسے سافل (کمتر) کہتے ہیں۔ اسی لحاظ سے محدثین کی نظر میں امام مالکؒ کی مرویات بخاری و مسلم پر فوقیت رکھتی ہیں۔ کیوں کہ امام مالکؒ اور حضور کے درمیان دو یا تین راوی ہوتے ہیں جبکہ بخاری و مسلم اور حضور کے درمیان تین اور زیادہ سے زیادہ آٹھ راوی ہوتے ہیں۔ امام مالک کی مرویات کے مقابلہ میں امام ابو حنیفہؒ کی مرویات زیادہ بلند مقام رکھتی ہیں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس مختصر سے جملہ میں جہاں ایک فقہی اصول بیان فرمایا۔ وہاں حدیث کے سلسلہ میں بھی ایک اصول وضع فرمایا یہ ام المؤمنین ہی کی ذات گرامی ہے جنہوں نے کتاب و سنت کے فرق کو نہ صرف ظاہر کیا بلکہ اس کے لئے اصول بھی متعین فرمائے۔

اس کی ایک اور مثال حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ حدیث ہے کہ جب مقتولین بدر ایک گڑھے میں ڈال دیئے گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا

آج تو تم نے اپنے پروردگار کا وعدہ حق پایا ہوگا۔ کسی نے آپ سے سوال کیا کہ کیا آپ مردوں کو مخاطب کر رہے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔
 مَا أَنْتُمْ بِأَسْمِعُ مِنْهُمْ وَلَكِنَّ لِيَاجِبِيْنَ
 تم ان سے زیادہ نہیں سنتے لیکن یہ جواب
 نہیں دے سکتے۔

بخاری ج ۱ ص ۱۸۳

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے یہ حدیث سن کر جواب دیا۔

أَعَادَالِ الْبَنِي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْمَ
 لِيَعْلَمُونَ الَّذِي مَأْكَلْتِ أَقُولُ لَهُمْ وَقَدْ
 قَالَ اللَّهُ أَتَقُولُ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتَى -
 بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اب تو یہ
 یقیناً اسی چیز کو جان گئے ہوں گے جو میں ان سے کہتا
 تھا۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے۔ اے بنی یقیناً تم مردوں
 کو نہیں سنا سکتے

بخاری ج ۱ ص ۱۸۳

مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

وَمَا أَنْتَ بِمَسْمُوعٍ مِنْ فِي الْقُبُورِ يَقُولُ
 هِيَ بَيِّنَةٌ وَمَا قَاعُهُمْ مِنَ السَّارِ
 اور اے نبی تم قبروں میں دفن شدہ لوگوں
 کو نہیں سنا سکتے یہ بات آپ نے اس وقت
 کہی جب اپنے جہنم کے ٹھکانے میں پہنچ گئے

بخاری ج ۲ ص ۵۶ مسلم ج ۱ ص ۳۰۳

سہیلی نے سماع موتی کو بالجبر ثابت کرنے کے لئے اگرچہ ام المؤمنین کے اس فرمان پر
 یہ اعتراض کیا ہے کہ ام المؤمنین جنگ بدر میں موجود نہ تھیں اس لئے انھیں اصل واقعہ
 کا علم نہ ہوگا۔ لیکن کاش سہیلی جیسے حضرات یہ ثابت کر دکھاتے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ
 جنگ بدر میں موجود تھے، حالانکہ بخاری میں وہ خود یہ بیان کر رہے ہیں کہ مجھے جنگ احد
 میں کم عمری کے باعث شامل نہیں کیا گیا۔ کیوں کہ میری عمر اس وقت ۱۲ سال تھی ربیع
 پہلا غزوہ جس میں میں نے شرکت کی وہ غزوہ خندق ہے۔ یعنی سہیلی نے جو اعتراض
 ام المؤمنین پر کیا ہے وہی اعتراض ابن عمرؓ پر واقع ہوتا ہے۔ گویا ابن عمرؓ نے بھی سنی

سنائی بات بیان کی تھی۔ کوئی میچشم دید واقعہ بیان نہ کیا تھا۔ اسی لئے تو ام المؤمنینؓ نے یہ جواب دیا تھا

ان السمع قد یخطی یقیناً کان بھی سننے میں غلطی کرتے ہیں۔
مسکذیر بحث یہ نہیں کہ کس کی روایت قابل قبول ہے اور کس کی ناقابل قبول۔
اور نہ یہ مسئلہ ہے کہ ان ہر دو روایات میں سے کونسی روایت متصل ہے اور کونسی مرسل
بلکہ مسئلہ تو یہ ہے کہ یہ روایت قرآن کے خلاف ہے۔ اس لئے کلام المؤمنینؓ کے نزدیک کُن
سماع موتی کا منکر ہے اور اس روایت سے سماع موتی ثابت ہوتا ہے۔ اس لحاظ
سے یہ روایت قرآن کے خلاف ہے اور اس کی تاویل ضروری ہے۔ اور حدیث مرسل
کو قرآن کے مقابل میں پیش کرنا جیسا کہ اہل کفر کے علماء نے اپنا شیوہ بنالیا ہے۔ انتہائی
لجرات ہے۔ اسی باعث بخاری و مسلم نے جہاں ابن عمرؓ کی روایت نقل کی ہے وہاں
فوراً بطور تردید ام المؤمنین کا قول بھی نقل کیا ہے۔

اس کی ایک اور واضح مثال حضرت فاطمہؓ بنت قیس کی حدیث ہے کہ انہیں ان
کے خاوند ابو حفصؓ بن عمر نے بذریعہ وکیل تین طلاقیں دیں اور ابو حفص اس وقت مدینہ
سے باہر تھے۔ ابو حفصؓ کے بھائیوں نے فاطمہؓ کو بھائی کے گھر عدت گزارنے سے منع کر دیا
اور دوران عدت نفقہ سے بھی انکار کر دیا۔ فاطمہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے
اگر شکایت کی۔ آپ نے فاطمہؓ کے بقول ان سے فرمایا۔

لا نفقۃ ولا مسکنتی لک نہ تجھے نفقہ ملے گا، اور نہ رہائش ملے گی

یہ حدیث فاطمہؓ بنت قیس سے متعدد سندات کے ساتھ کتب احادیث
میں مروی ہے۔ لیکن صحابہ کرام اور تابعین کا اس کے ساتھ کیا رد عمل رہا ہے۔ وہ
خود کتب حدیث میں اس روایت کے ساتھ نہ ائمہ موجود ہیں۔ ہم ان میں سے چند
جزئیات قارئین کے سامنے پیش کئے دیتے ہیں۔

ابواسحق سبعی تابعی المتوفی ۱۱۹ھ کا بیان ہے کہ میں اسود بن یزید المستوفی ۱۲۵ھ اور عامر بن شراحیل شعبی المتوفی ۱۲۵ھ کے پاس بیٹھا تھا کہ شعبی نے اس مجلس میں فاطمہؓ کی یہ روایت بیان کی۔ اسود بن یزید نے روایت سن کر ایک ٹھٹھی کنکریوں سے بھری اور امام شعبی کے منہ پر دے ماری اور فرمایا۔

وَبَلَّغَ مُحَمَّدٌ حَدَّثَ بَعْضُ هَذَا
 قَالَ عَمْرٌ لَا تَرُكُ كِتَابَ اللَّهِ
 وَمَنْعَتِ بِنْتُ صَالِحٍ اللَّهَ عَلَيْهِ
 وَاسْلَمَ لِقَوْلِ امْرَأَةٍ لَا تَذْذِرِي
 لَعَلَّهَا حَفِظْتَ أَوْ نَسِيتِ
 لَيْسَ لَهَا السَّكْنُ وَالنَّفَقَةُ
 قَالَ اللَّهُ عَنْ وَجَلٍ لَا تَحْزَنِي
 جَوْهَرٌ مِنْ كُبُوتَيْهِمْ وَ
 لَا يَخْرُجُنِ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ
 بِغَاثِشَةٍ مُسَبَّحَةٍ
 سلم ۱۵۵ھ

افسوس تم اس قسم کی حدیث بیان کرتے ہو
 حالانکہ حضرت عمرؓ نے تو فرمایا تھا ہم کتاب
 اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم کو ایک عورت کے کہنے پر ترک نہیں کر سکتے
 ہم نہیں جانتے کہ اس نے حدیث صحیحہ طور پر
 یاد رکھی یا بھول گئی کہ کہتی ہے کہ مطلقہ کے
 لئے زربالائش ہے اور نہ نفقہ حالانکہ اللہ
 تعالیٰ کا ارشاد ہے انھیں ان کے گھروں
 سے نہ نکالو اور وہ گھروں سے نہ نکلیں،
 تاوقتیکہ وہ خود کھلی بُرائی میں مبتلا نہ ہو
 جائیں۔

عروہ بن الزبیر کا بیان ہے کہ میں نے فاطمہؓ کی روایت کا تذکرہ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے کیا۔ انہوں نے مسک فرمایا۔

والفاطمة بنت قيس خيران تذكر
 هذا الحديث
 فاطمہ بنت قیس میں کوئی مبدائی نہیں
 جو وہ یہ حدیث بیان کرتی ہے۔

بخاری - ج ۱۰ ص ۳۸۵ - ج ۲ ص ۸۰۳

ایک روایت میں حضرت عائشہؓ کے یہ الفاظ ہیں۔

امالہ لـ حنیف طہانی ذکر
ذکر لک۔ بخاری ج ۲ ص ۸۲ مسلم ج ۱ ص ۳۸۵
پہر صورت اس حدیث کے ذکر میں فاطمہؓ
کے لئے کوئی بھلائی نہیں۔

قاسم بن محمد کا بیان ہے کہ ام المومنینؓ نے فاطمہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا تمہارے
الاتقی اللہ۔ بخاری ج ۲ ص ۸۳
آخر حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ نے حضرت فاطمہؓ بنت قیس کے معاملے میں اتنا سخت
طرز عمل کیوں اختیار کیا۔ آخر وہ بھی صحابیہ تھیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان
نقل کر رہی تھیں۔ چوں کہ ان کی بیان کردہ حدیث کتاب اللہ کے خلاف تھی۔ اس لئے
حضرت عائشہؓ اور حضرت عمرؓ نے اس پر نکیر فرمائی۔ اور امام شعبی نے بحیثیت راوی
جب فاطمہؓ کی یہ روایت بیان کی تو امام اسود بن یزید نے ان کے منہ پر کنکریاں
ماریں۔

صحابہ کرام اور تابعین کہاں کہ یہ طرز عمل یہ ثابت کر رہا ہے کہ ہر وہ روایت جو قرآن
کے خلاف ہوگی، غواہ وہ کتنی بھی صحیح ہو نا قابل قبول ہوگی، اور اس پر عمل جائز نہ ہوگا
یہی تو وجہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور
آپ نے فرمایا میرے پاس قلم و دوات لاؤ میں تمہارے لئے کچھ لکھ دوں تاکہ میرے
بعد گمراہ نہ ہو۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا
حسبنا کتاب اللہ
ہمارے لئے کتاب اللہ کافی ہے۔

یعنی گمراہی سے محفوظ رکھنے کے لئے کتاب اللہ کافی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے حضرت عمرؓ کے اس قول پر سکوت فرمایا جو اس امر کی دلیل ہے کہ آپ حضرت عمرؓ کی
اس رائے سے متفق تھے۔ کیوں کہ اگر یہ رائے غلط تھی تو نبی غلط بات پر خاموش
نہیں ہو سکتا۔ لہذا جس معاملہ میں کتاب اللہ کا حکم پایا جاتا ہو وہاں روایات کی کوئی
حاجت باقی نہیں رہتی۔ اس لئے اصول فقہ کا یہ اصول ہے۔

اصول الفقہ اربعۃ اولہ کتاب
اللہ ثم سنۃ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم

فقہیہ کے اصول چار ہیں اول کتاب اللہ
پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
پھر اجماع صحابہ پھر قیاس

مسئلہ زیر بحث میں ہمارے علماء جو اس کے قائل ہیں کہ ایک کے گناہ کا بوجھ دوسرا
نہیں اٹھا سکتا ان کی بھی اس مسئلہ میں اصل بنیاد کتاب اللہ ہے اور وہ خود اپنی
زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ چونکہ اس معاملے میں کتاب اللہ نے ایک واضح حکم دیا
ہے لہذا اب کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں اور فقہاء و احناف حضرت عائشہ
اور حضرت عمرؓ کے ارشادات کو بڑی شد و مد سے پیش کرتے ہیں لہذا ایصال
ثواب کے معاملے میں بھی یہ ضروری ہے کہ اول ہم یہ چھان بین کریں کہ کیا قرآن نے اس
مسلکہ میں کوئی حکم دیا ہے یا نہیں۔ اگر قرآن نے اس کی وضاحت کی ہے تو پھر تحریر و یا
اس کے خلاف واقع ہونگی وہ ناقابل قبول ہوں گی اور اگر قرآن نے اس مسئلے سے سکوت اختیار
کیا ہے تو پھر مسئلہ ضرور غور طلب ہوگا۔

لہذا اولین ضرورت اس امر کی ہے کہ اس مسئلہ کو کتاب اللہ میں تلاش کیا جائے۔ اگر وہاں
اس کی وضاحت نہ ہو تو پھر سنت رسول کو اختیار کیا جائیگا اور اس کتاب کی تحریر کا مقصد بھی یہی ہے

کیا کسی کا عمل دوسرے کے کھاتے میں لکھا جاسکتا ہے؟

(ب) اب رہے پہلو کہ کتنی نیک عمل یا کار خیر کا اجر کسی دوسرے کو مل سکتا ہے یا نہیں
اول عرض تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں جزاء و سزا تحریر نہیں کی جاتی بلکہ اعمال و افعال تحریر
کئے جاتے ہیں۔ یعنی کرائے کا تبین ہمارے افعال تحریر کرتے ہیں۔ ثواب و عذاب تحریر نہیں کرتے۔

ثواب و عذاب کا فیصلہ ترقیات کے روز سنا یا جائیگا اس لحاظ سے ”ایصالِ ثواب کی اصطلاح ایک احمقانہ اصطلاح ہے۔ ان لوگوں کو چاہئے تھا کہ اپنی اس حرکت کو ایصالِ عمل کے نام سے موسوم کرتے حالانکہ آج تک کسی نے اس فرضی ایصال کو ”ایصالِ عمل کے نام سے موسوم نہیں کیا اور نہ اس کا کوئی دلدادہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ہم اپنے اعمال ایصال کر رہے ہیں

پھر اسی لحاظ سے جب اس پر غور کیا جاتا ہے کہ اس مرض کے دلدادہ کبھی کسی زندہ کو اپنے ثواب کا ایصال نہیں کرتے۔ اور نہ آج تک اس کا کوئی قائل رہا ہے۔ اور نہ آج تک کسی زندہ نے کسی دوسرے زندہ کو اپنے عمل کا ثواب بخشا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس ”ایصال“ کے دعویٰ دار نفسیاتی مرض کا شکار ہیں۔ ایک شے کو جائز بھی کہتے ہیں اور ناجائز بھی کیونکہ ہماری محلیات کے مطابق یہ ایصال صرف مردوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور زندہ اس ثواب کا ہرگز مستحق نہیں سمجھا جاتا۔ کیوں کہ اس دور میں زندوں کے جتنے حقوق اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر لازم کئے تھے۔ وہ سب زندوں سے چھین کر مردوں کے نام ضبط کر دیئے گئے ہیں اس طرح زندوں کے تمام حقوق مردے لے اڑے اور ان مردوں کے نام پر میرٹوں اور مجاہدوں کے ایک مخصوص طبقہ نے جگہ جگہ دکانیں کھول رکھی ہیں۔

اگر ہمارے علماء یہ تسلیم کریں کہ ہاں ان کے نزدیک زندوں کو ثواب پہنچانا بھی جائز ہے تو میری ان سے درخواست ہے کہ مجھ جیسے گنہگار کے لئے بھی کچھ نہ کچھ ارسال کر دیں لیکن یہ ذہن نشین رہے کہ ثواب و عذاب کا فیصلہ آپ کے قبضہ میں نہیں۔ اور نہ آپ اس کے مالک ہیں۔ اس کا ایصال تو ایک مہمل اور احمقانہ عمل ہے۔ لہذا آپ ہمارے نام اعمال کا پارسل کر دیں۔ ہم بھی دعا کریں گے کہ وہ پارسل عالمِ عقبیٰ میں یہیں موصول ہو جائے۔ لیکن ہمیں آپ کا وہ عمل چاہیے جو خالصتاً اللہ ہو۔

جہاں تک اس شق کا تعلق ہے کہ زندوں کا عمل مردوں کو پہنچ سکتا ہے یا سبلائی کیا جاسکتا ہے۔ اور اس طرح مردوں کے اعمال میں اضافہ ہوتا رہتا ہے تو آپ کو اپنے اعمال سے اتنی جڑ

کیوں ہے کہ تمام تیار شدہ مال باہر برآمد کرتے ہیں کچھ اپنی ذات کے استعمال کے لئے تو رکھ بیٹھے کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ وہاں خالی ہاتھ نظر آئیں۔ ورنہ افسوس ملتے رہ جائیں۔

اس مرض کا سکا رہندو پاکستان اور اس علاقے کے لوگ ہیں جہاں جہاں ایرانیوں کا اثر ہمارا اسلام بچیوں کے ذریعہ پھیلا لیکن جن مقامات میں سلام عربوں کے ذریعہ پھیلا مثلاً سعودی عرب یمن، شام، فلسطین اور مصر وغیرہ۔ وہاں کے لوگ اس متعدی مرض سے پاک ہیں۔ پاک و ہند کے لوگ اپنی بد عملی کے لئے اس ایصال کو تریاق تصور کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ زندگی بھر خوب دل کھول کر بد عملی کی جاتی، اور خوب جی بھر کر دوسروں کے حقوق غصب کیے جاتے ہیں اور آنکھیں بند ہوتے ہیں لواطتیں اس کے نام ثوابوں کے پارسل ارسال کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور یہ پارسل بھی کوئی مفت میں نہیں ہوتا۔ بلکہ اس پارسل کے لئے ضروری ہے کہ قرآن خوانی، فاتحہ خوانی اور بیچے کے نام سے برادری جمع ہو۔ اور برادری کو جمع کرنے کے لئے دعوت بھی شرط ہے۔ اس لئے جہاں مرنے والا فرما ہے۔ وہاں زندہ کو بھی اپنے ساتھ درگور کر لیتا ہے۔ پھر اس اہتمام کے باوجود یہ ضروری نہیں کہ برادری کا ہر فرد قرآن بھی پڑھے بلکہ قرآن کی آمد کافی تصور کی جاتی ہے۔ گویا ایصالِ ثواب تو صرف ایک دھوکہ ہے۔ اور مقصود دعوت اڑانا ہے۔ درز اگر برادری کا کوئی فرد گھر بیٹھ کر لگاتار تمام زندگی اس مردے کو ثواب بخشا رہے تو وہ برادری سے خارج ہے۔ اس لئے کہ اسلام کے نام پر ان اسلام دشمنوں نے جو کھیل کھیلا تھا، اس میں اس نے شرکت نہیں کی اور یہ ایک ایسا جرم ہے جو برادری معاف نہیں کر سکتی۔ لہذا اس کا بائیکاٹ ضروری ہے۔

اس موقع پر جو مال خرچ کیا جاتا ہے۔ اس کے معاملے میں یہ غور بھی نہیں کیا جاتا کہ یہ مال طلال ہے یا حرام۔ اگر میراث میں سے خرچ کیا جا رہا ہے تو کس کس کا حصہ دیا گیا۔ یہ سب چیزیں چنداں اہمیت نہیں رکھتیں۔ اس لئے کہ زندوں کا حق مارنا اور ان کا مال غصب کرنا ایک کارِ خیر ہے اور اس کے بغیر مردہ بخشا نہیں جاسکتا وہ بیچارہ قبر میں ہی تڑپتا رہتا ہے کہ کب زندہ لوگ میرے نام ارسال

کرتے ہیں تاکہ مجھے کچھ کھانے کو ملے۔ بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ کے پہلوں تو اس کی کوئی پوچھ نہیں ہوتی اسے بھوکا مار دیا گیا لیکن اس بھوک کو مٹانے کے لئے تیسرا دن کیا ضروری ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ پہلے ہی دن یہ کام کرتے تاکہ اس کی بھوک مٹ جاتی۔ تیجہ کے بعد دسواں اور پھر چالیسواں کیا جاتا ہے۔ اور اس کے بعد ایک سال کی غذا فراہم کر دی جاتی ہے پھر سال بہ سال یہ سلسلہ جاری رہتا ہے کیوں کہ مردہ اس دنیا سے کچھ لے کر نہیں گیا تھا۔ اور جو اعمال اس نے انجام دیئے تھے وہ سابقہ مردوں کے نام اور سال کر چکا تھا۔ اب اس کے پاس کیا باقی رہ گیا تھا۔ جو اسے ملتا۔ لہذا اب وہ دوسرے زندوں کے ایصال کا منتظر رہتا ہے کہ کب دیگ چڑھتی ہے اور کب سے کھائے کو ملتا ہے۔

یہ بھی غور طلب ہے کہ پاکستان کی نوے فی صد آبادی غریب طبقہ پر مشتمل ہے اور ہمیشہ غریب طبقہ کی تعداد زیادہ ہی اور آئندہ بھی رہے گی۔ یہ طبقہ قرض لے کر ان ریشوا کو پورا کرتا ہے جس کے نتیجے میں وہ سال ہا سال تک قرض کے بوجھ تلے دبا رہتا ہے۔ اپنی بیوی بچوں کا پیٹ کاٹ کر قرض ادا کرتا ہے اور اس طرح یہ مردے زندوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالتے رہتے ہیں۔ مردوں کے حق میں یہ ایصالِ ثواب ہے اور زندوں کے حق میں ایصالِ عذاب۔

شریعت اسلامیہ کی ایک ایک شق کو پڑھ لیجئے۔ ایک ایک کتاب کا مطالعہ کر لیجئے تو آپ کو صاف نظر آئے گا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے زندوں پر زندوں کے حقوق متعین کئے اور ان ہی کی آپ تمام زندگی تعلیم دیتے رہے۔ مردوں کا ہم پر سوائے دعا کے کوئی حق نہیں رکھا گیا، لیکن ان غائبین نے مردوں کے نام پر زندوں کے ٹھککنے کے ادارے قائم کر رکھے ہیں اور اسکا نام اسلام رکھ لیا ہے۔ حاشا وکلا کتاب و سنت میں ان خرافات کا کوئی وجود نہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی کی ڈیوٹی دوسرے کے کھاتے میں تحریر کی جاتی ہے۔ یہ دھاندلی تو اس دنیا ہی میں چلتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس ظلم سے منزہ ہے۔ اگر یقین نہ ہو تو کتاب اللہ کا ابتداء سے انتہا تک مطالعہ کر لیجئے۔ وہ کھل کھل کر

اعلان کر رہی ہے کہ کسی کا عمل دوسرے کے قطعاً کام نہ آئے گا جس طرح کسی کے گناہ کا بھی۔
 بوجھ دوسرا نہیں اٹھا سکتا، اسی طرح کسی کا عمل خیر دوسرے کے سپرد نہیں کیا جاسکتا۔
 اس موضوع پر ایک دو نہیں سیکڑوں آیات ہیں، جن میں سے بعض انشاء اللہ ہم آئندہ
 سطور میں پیش کریں گے۔

ہاں میں افسوس ہے کہ ہمارے علماء اکرام اس ایصال کا جواز ثابت کرنے کے لئے اس
 مقام پر روایات کا سہارا لیتے، اور الٹی منطق سے کام لیتے ہوئے آیات قرآنہ کی تاویل کرتے ہیں
 وہ بھی ایسی بودی تاویل کہ جو ماروں گھٹنہ پھوٹے آنکھ کی مصداق ہوتی ہے۔ حالانکہ ایصال
 گناہ کے معاملے میں اس کے برعکس اصول اختیار کیا جاتا ہے یعنی ان روایات کی تاویل کی جاتی ہے۔
 جس میں یہ مذکور ہے کہ ”مردے پر رونے سے مردے کو عذاب ہوتا ہے۔ یہاں ہمارے
 علماء فرماتے ہیں کہ یہ عذاب اسی وقت ممکن ہے کہ جب مرنے والا رونے کی وصیت کر کے مرے
 یا رونے کی وہ تعلیم دیتا رہا ہو یعنی مرنے والے کا اس عمل میں کوئی دخل ہو، ورنہ مرنے والے کو
 اس رونے پر قطعاً کوئی عذاب نہ ہو گا کیوں کہ یہ اس کا فعل نہیں، بلکہ جب کا فعل ہے اسے عذاب
 ملے گا کیوں کہ یہ کتاب اللہ اور اصول شریعت کے خلاف ہے۔ علماء حضرات اپنے دل پر ہاتھ
 رکھ کر ٹھنڈے دل سے بتائیں کہ کیا یہ تاویل نہیں؟ اور کیا حضرت عائشہؓ نے مخالفت قرآنی کے
 باعث اس روایت پر تکیہ نہیں فرمائی؟ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے جس کو کوئی عالم انکار نہیں
 کر سکتا۔ لیکن ان حضرات نے ایصالِ ثواب کے معاملے میں اس کے برعکس۔ وہ اختیار کیا
 اور قرآن کی تاویل کی، کہ جہاں جہاں یہ ذکر آ رہا ہے کہ ایک کا عمل دوسرے کے کام نہ آئے گا۔ اس سے
 صرف عمل بد مراد ہے اور نیک عمل اس حکم سے خارج ہے۔ حقیقت کیا ہے یہ تو قارئین کے
 سامنے آئندہ صفحات میں آجائے گی، اسی قسم کی یہود تاویل سماع موتی اور حیات النبی
 کے مسئلہ میں بھی اختیار کی گئی ہے۔ گو یہ کتاب اللہ ایک کھلنا ہے کہ جس طرف چاہا اس کا منہ
 موڑ دیا۔ جب تک اپنی مرضی کے مطابق کوئی حکم نظر آیا اسے قبول کیا اور جب خلاف منشا پایا

افسوس صد افسوس ہمارے حنفی علماء نے اپنے اصول فقہ کو جس طرح جڑ و بن سے اکھاڑ پھینک دیا ہے اس کی یہ ایک ادنیٰ سی مثال ہے۔ کیوں کہ فقہاء اخلاف کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ جو روایت قرآن کے خلاف واقع ہو یا اس کے عموم کو خاص کرتی ہو یا اس سے عموم قرآنی مشروط قرار پاتا ہو تو اس روایت کی یا تو تاویل کی جائے گی یا اسے رد کر دیا جائے گا اس لئے کہ اس سے قرآن کا نسخ لازم آتا ہے۔ اور طنی شئے کے ذریعہ قطعی کو منسوخ نہیں کیا جاسکتا یقین نہ آئے تو اصول فقہ کی مشہور کتاب، نور النوار کا مطالعہ کر لیجئے۔

ہمارے عربی مدارس میں اصول فقہ کی کتابیں پڑھاتے وقت ہمارے علماء اس اصول پر بڑی شد و مد سے بحث کرتے اور شوافع اور اہل ظاہر کا رد کرتے ہیں لیکن یہ سب کتابی اور دسی باتیں ہیں۔ علمی زندگی میں سب سے بڑا اصول بزرگوں کی اندھی تقلید اور عوام کی خوشنودی ہے۔ اس اصول کی خاطر تمام اصول قرآن کئے جاسکتے ہیں۔ اور ما شاء اللہ یہ سب کے سب خود کو حنفی کہنے پر فخر بھی محسوس کرتے ہیں۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ اور ان کی فقہ کو جتنا بدنام ان نام نہاد نادان دوستوں نے کیا ہے اتنا بدنام ان کے بدترین دشمن یعنی اہل ظواہر بھی نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو نادان دوستوں سے محفوظ رکھے آمین۔

اب ہم سطور ذیل میں وہ آیات پیش کرنا چاہتے ہیں جن میں وضاحت کے ساتھ یہ بات بیان کی گئی ہے کہ کسی کا نیک عمل بھی دوسرے کے کام نہ آئے گا۔ قرآن کا یہ کلیہ عام ہے جس کی عمومیت کو کسی صورت میں خاص نہیں کیا جاسکتا۔

کتاب اللہ کی وضاحت

پارہ اول کے آخری رکوع میں اللہ تعالیٰ نے متعدد انبیاء علیہم السلام یعنی حضرت البرہم

حضرت اسمعیلؑ، حضرت اسمٰعیٰؑ، حضرت یعقوبؑ اور ان کی اولاد کا تذکرہ کر کے فرمایا ہے
 تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ
 لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ
 لَكُمْ مِمَّا كَسَبْتُمْ
 وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا
 كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝
 ۱۳۱۔ البقرہ

یہ آیت اس رکوع میں دوبارہ آئی ہے اور واضح طور پر یہ ثابت کر رہی ہے کہ ان انبیاء کرام کے اعمال خیر تمہارے ہرگز کام نہیں آسکتے اور نہ تمہارے اعمال خیر ان کے کام آسکتے ہیں اور نہ یہ ممکن ہے کہ کسی کا عمل دوسرے کے کھاتے میں جمع کر دیا جائے۔ کیوں کہ لفظ کسب پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ جس کی کمائی ہے، جس نے محنت سے کام کیا ہے اور جس نے جتنی اور جس قسم کی مزدوری کی ہے اس کی اجرت اسی کو ملے گی۔ مفسر قرطبی اپنی احکام القرآن میں لکھتے ہیں اور تمہارے لئے تمہارا کیا ہوا۔ خواہ وہ خیر ہو یا شر۔

تفسیر قرطبی ج ۱ ص ۵۳۰

آگے چل کر لکھتے ہیں۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ أَى
 إِذَا كَانَ ذَلِكَ الْأَنْبِيَاءُ عَلَى
 أَمَامَتِهِمْ وَفَضْلِهِمْ
 يَجَازُونَ بِكَسْبِهِمْ نَأْتِيهِمْ
 أُخْرَى فَوْجِبِ التَّكِيدِ
 فَلِذَاكَ كَرَّرَهَا

تفسیر قرطبی ج ۱ ص ۵۳۱

یعنی کسب و کمائی اچھی نہیں ہو سکتی ہے۔ اور بری بھی اور کسی کی کمائی دوسرے کے نامزد نہیں ہو سکتی۔ جب انبیاء اکرام کی محنت کسی دوسرے کے نام نہیں کی جاسکتی، تو وہ لوگ جن کی انبیاء اکرام کے سامنے کوئی حیثیت نہیں ان کی کمائی کسی دوسرے کے کھاتے میں کیسے تحریر کی جاسکتی ہے۔ اگر کوئی صاحب یہ تاویل فرمانے کی کوشش کریں کہ اس آیت کا تعلق بھی اعمالِ بدار و گناہوں سے ہے تو ہماری نظر میں اس سے زیادہ جاہل اور احمق ترین کوئی انسان نہ ہو گا۔

کیوں کہ وہ اپنی حماقت سے یہ دعویٰ کرے گا کہ مذکورہ انبیاء اکرام بھی گناہوں میں مبتلا رہے "عیاذ باللہ" جبکہ یہ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے کہ انبیاء اکرام معصوم ہوتے ہیں اور قرآن بھی ان کے فضائل بیان کر رہا ہے۔ گناہ آلودہ زندگی کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں اعمالِ خیر کا ذکر ہو رہا ہے۔ ایسی صورت میں اعمالِ خیر کو اعمالِ شر قرار دینا پس امر کی دلیل ہوگی کہ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس آیت میں اعمالِ شر مراد ہیں وہ خود شر الناس ہے۔ وہ ایک زندق ہے جو قرآن کے معنی میں تحریف کر رہا ہے۔ ہماری نظر میں کوئی عالم تو اس قسم کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

علماء حضرات علم النعمہ کا یہ قاعدہ جانتے ہیں کہ عربی زبان میں کسب کے دو صیغے آتے ہیں۔ حرف لام اور حرف علی جب حرف لام آتا ہے تو اس سے نیک عمل اور اچھا اجر مراد ہوتا ہے۔ اور جب علی آتا ہے تو بد عملی اور عذاب مراد ہوتا اتفاق سے ان ہر دو آیات میں ہر جگہ حرف لام آیا ہے جس سے صاف عیاں ہے کہ ان آیات میں اعمالِ خیر اور ان کا اجر مراد ہے، نہ کہ اعمالِ شر اور ان کی سزا۔

قارئین کرام اور اردو داں طبقہ کے لئے اس قاعدہ کا سمجھنا دشوار ہے۔ لیکن ہم ایک ایسا طریقہ بتائے دیتے ہیں جس سے آپ بہ آسانی سمجھ سکیں گے کہ قرآن میں جہاں بھی لفظ کسب آیا ہو اس سے کسبِ خیر اور کسبِ شر دونوں مراد ہو سکتے ہیں چنانچہ یاد رکھئے کہ جس آیت میں بھی لفظ کسب استعمال ہوا ہو۔ اگر اس کے قرب و جوار میں لام زبور والا موجود ہو تو اس سے امر خیر

اور اس کا اچھا اجر مراد ہوتا ہے۔ اور اگر لفظ کسب کے قرب و جوار میں لفظ علی نظر لے تو اس سے علی بد اور عذاب مراد ہوتا ہے۔ اتفاق سے گذشتہ آیت میں دونوں مقام پر لام موجود ہے۔ اگے چل کر قارئین کے سامنے ایسی آیات بھی آئیں گی جہاں لفظ کسب کے ساتھ حرف لام اور حرف علی دونوں جمع ہوں گے وہاں اس کی مزید وضاحت کر دی جائے گی۔

اب بھی اگر کسی کے ذہن میں کسی قسم کا اشکال ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسی رکوع میں اسے

دوسرے نقطوں میں بھی واضح فرمایا ہے۔ ارشاد ہے

لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ
اور ہم کو ہمارا کیا ہوا ملے گا اور تم کو تمہارا کیا ہوا ملے گا۔

۱۲۹: ۲

۱۳۹-البقرہ۔

ہمارا دعویٰ بھی یہی ہے کہ ہمارے اعمال ہمارے کام آئیں گے اور مرنے والوں کے اعمال مرنے والوں کے کام آئیں گے، اسلام میں مذہب عیسویت کی طرح کوئی دوسرے کا کفار نہیں بن سکتا۔ اور نہ کسی کا عمل بطور کفارہ پیش کیا جاسکتا ہے۔ ویسے بھی یہ امر طاقت انسانی سے باہر ہے کہ انسان پر جہاں اس کا بوجھ ڈالا جائے، وہاں مرنے والوں کا بار بھی اس پر لا دیا جائے حالانکہ ارشاد الہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں بناتا مگر اس

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ط

کا جو اس کی طاقت اور اختیار میں ہو۔ اسکو

كَمَآ مَا نَسَبْتْ وَ عَلَيْهَا مَا نَكْسَبْتْ

ثواب بھی اسی کا ملے گا جو وہ ارادے سے کرے

البقرہ ۲۸۹

اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہوگا جو وہ ارادے سے کرے

۲۸۶: ۲

کسی ایک فرد پر متعدد افراد کا بوجھ ڈالنا جہاں طاقت بشریہ سے ماوراء ہے وہاں یہ سراسر ظلم بھی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ جا بجا قرآن مجید میں اس بات کو دہراتا ہے کہ کسی نفس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا اور اسی لئے اس کی بارگاہ کا یہ اصول ہے کہ اگر

نیک عمل ہے تو اس کا اجر اسکے فاعل ہی کو ملے گا اور اگر عملِ بد ہے تو اس کی سزا کا مستحق بھی اس کا فاعل ہے۔ جس طرح ایک شخص کے گناہ کا بار دوسرا نہیں اٹھا سکتا، اسی طرح کسی کے نیک عمل کا اجر دوسرے کو نہیں دیا جاسکتا۔ آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے دونوں امور کی وضاحت فرمائی ہے، کہ اچھا عمل کرنے والے کو اس کی اچھی جزا ملے گی اور برا عمل کرنے والے کو اس کی بری جزا ملے گی۔

تاریخ کرام اس آیت کو غور سے پڑھیں تو انھیں یہ صاف محسوس ہوگا کہ اس آیت میں لفظ کسب دو دفعہ آیا۔ ایک مقام پر لفظ کسب کے ساتھ لکھا اود دوسرے مقام پر عَلِيهَا کا استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی وہی حرف لام اور حرف علی کیوں کہ ایک جگہ اچھے اجر کا ذکر ہے اور ایک جگہ اجرِ بد کا۔ کیا ہمارے علماء اتنے معمولی سے فرق کو سمجھنے سے بھی معذور ہیں۔ اگر واقعاً ایسا ہے تو کم از کم وہ (کتاب النہج) یا فذوی کی ”معلم عربی“ کا مطالعہ کر لیں۔ اسی مفہوم کو ایک اور مقام پر ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے اُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا (البقرہ ۲:۲) ایسے لوگوں کو (دونوں جہاں میں)

حصہ ملے گا بدولت ان کے عمل کے ۲:۲

اس مقام پر بھی لفظ کسب کے ساتھ لام آ رہا ہے۔ یعنی یہاں بھی عملِ خیر کا ذکر ہے۔ عملِ شر کا یہاں کوئی ذکر نہیں۔ اور یہ ممکن ہے۔ اس لئے کہ سابقہ آیات میں حج کا ذکر چل رہا ہے۔ پھر درمیان میں دنیا داروں کا کردار اور ان کی دعا نقل کر کے یہ فیصلہ سنایا گیا۔

وَمَا لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلْقٍ ۝ اور اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔
پھر مومنین اور ان کی دعا کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا۔
۲۰۱:۲

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اے پروردگار ہم کو دنیا میں بہتری عطا کیجئے اور آخرت میں بہتری دیجئے۔ اور ہم کو عذاب و دوزخ سے بچائیے۔
البقرہ ۲:۱
۲۰۱:۲

اس کے بعد اس جماعت کا انجام بیان کیا جاتا ہے۔

اُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا
 ايسے لوگوں کو (دونوں جہاں میں) حصہ
 کَسَبُوا ۗ البقرہ ۲-۲

ظاہر ہے کہ یہاں کسب سے مراد حج اور دعا ہے جو کہ عمل خیر ہے۔ گویا اس آیت کریمہ میں صحابہ کرام کے ان اعمال کی قبولیت کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ اور وہ بھی اس قسم کے الفاظ میں جس سے قیامت تک آنے والوں کے لئے ایک اصولی شے سامنے آجائے کہ انسان کو صرف اسی کے عمل خیر کا اجر ملے گا۔ ایسی صورت میں یہ تاویل کہ اسکا تعلق گناہوں سے ہے کوئی مفرتی تو کر سکتا ہے لیکن جس کا کتاب اللہ پر ایمان ہو یا اس نے قرآن مجید کا بغور مطالعہ کیا ہو وہ اس قسم کے تخیل کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ مشہور مفسر ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی اپنی تفسیر احکام القرآن میں رقم طراز ہیں۔

اُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا۔
 ”ان لوگوں کے لئے ان کے عمل کا حصہ ہے“

هذا يرجع الى الفرقة الثانی فریق
 اس سے مراد فریق ثانی یعنی فریق اسلام ہے
 الاسلام ۱۔ لهم ثواب الحج او ثواب
 یعنی ان کے لئے حج اور دعا کا ثواب ہے کیونکہ
 الدعاء فان دعاء المؤمن عبادة
 مومن کی دعا بھی عبادت ہے۔ ایک قول ضعیف
 وقيل يرجع ! اولئك الى الفرقتين
 یہ ہے کہ اس آیت سے دونوں فریق مراد ہیں
 فلا مومن ثواب عمله ودعائه وللكافر
 جس کی رد سے مومن کے لئے اس کے
 عقاب شرک و قصر نظره على الدنيا
 عمل اور دعا کا اجر ہوگا اور کافر کے لئے
 هو مثل قوله تعالى و لكل درجات
 اس کے شرک اور دنیا کو مطلع نظر بنانے
 وَمَا عَمِلُوا
 کا عذاب ہوگا۔ اس صورت میں یہ آیت ایک
 دوسری آیت کے مثل ہوگی۔ ”اور ہر ایک
 کے لئے ان کے اعمال کے مطابق درجے ہیں“

یہ بھی ذہن میں رہے کہ جب لفظ کسب کے ساتھ حرف لام اور حرف علیٰ ان دونوں میں سے کوئی بھی حرف مذکور نہ ہو تو عام کسب مراد ہوتا ہے۔ یعنی خیر اور شر دونوں اس میں داخل ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس عمومیت کے ساتھ سورۃ آل عمران میں تذکرہ کیا ہے۔

فَلْيَكْفُرْ إِذَا جُمِعُوا عَلَيْهِمْ لَوْ كَانُوا يُدْرِكُونَ
وَوَقَّيْتُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝

سوان کا کیا رُبرُا، حال ہوگا جب کہ ہم
ان کو اس تاریخ میں جمع کر لیں گے، جس دے
آنے میں ذرا شبہ نہیں اور اس (تاریخ)

میں پورا پورا بدلہ مل جاوے گا۔ ہر شخص کو

آل عمران ۲۵

جو اس نے (دنیا) میں کیا تھا۔ اور ان

شخصیتوں پر ظلم نہ کیا جائیگا۔ ۲۵: ۳

اس آیت میں قیامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اور یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اس روز ہر ایک کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا۔ کوئی عمل ایسا باقی نہ بچے گا جس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے۔ خواہ وہ عمل نیک ہو یا بد، خیر ہر اثر ان کو ہر اس عمل کا صلہ ضرور ملے گا جو اس نے دنیاوی زندگی میں کسب کیا ہے۔ یعنی دنیا میں اس نے جس قسم کی مڑھری کی تھی اسے اس کی اجرت ضرور ملے گی یہ ہرگز نہ ہوگا کہ کسی کی اجرت کسی دوسرے کو تھا دی جائے۔ کیوں کہ یہ سراسر ظلم و زیادتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے

وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ آل عمران ۲۵ اور ان شخصیتوں پر ظلم نہ کیا جائیگا ۲۵: ۳

کلام اللہ کا سب سے بڑا حسن تو یہی ہے کہ اس کا کوئی جملہ، کوئی لفظ اور کوئی حرف بے معنی اور بے مقصد نہیں ہے۔ کاش کوئی قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرتا۔ لیکن اس کے برعکس ہم نے اس کی تلاوت بھی کی تو وہ بھی اس طرح کروانی میں تار بستی کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ او سمجھنے کے معاملے میں یفرد منہ قائم کر لیا گیا کہ اسے کوئی پہنچا ہوا بزرگ ہی سمجھ سکتا ہے۔ کیوں کہ قرآن کے ظاہری معنی مقصود نہیں۔ بلکہ اس کے باطنی معنی مقصود ہیں۔ اور وہ خاص خاص

افراد ہی کو معلوم ہو سکتے ہیں اور یہ خالص شیعوں کا عقیدہ ہے۔ قرآن تورہ دعویٰ کرتا ہے کہ۔

وَلَقَدْ نَسَرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ
اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے۔ سو کیا کوئی نصیحت

محال کرنے والا ہے۔ ۲۲:۵۴

اگر قرآن کا سمجھنا اتنا ہی دشوار تھا تو کفارِ عرب سے یہ مطالبہ

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ۚ ۲۲:۵۴
تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگ رہے ہیں۔ ۲۲:۵۴

قطباً بے معنی ہے ظاہر ہے کہ کفارِ عرب اس کے معنی سمجھتے تھے جب ہی تو ان سے یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ ہم تو کفارِ مکہ کی منزل سے بھی گزر گئے ہیں۔ بلکہ اس دعویٰ کے بعد تو سمجھنے کی بھی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اب تو قرآن جھوٹی قسمیں کھانے، تعویذ گنڈے کرنے، فال کھولنے اور مردوں کو ایصالِ ثواب کرنے کے لئے باقی رہ گیا ہے۔ بلکہ بہت سے اسلام کے دعویدار صرف قرآن خوانی کے وقت اسے کھول کر دیکھتے ہیں۔ حالانکہ

اس قرآن خوانی کا شریعتِ اسلامیہ میں کوئی وجہ نہیں۔ پورے دورِ نبوی، دورِ صحابہ، دورِ تابعین اور دورِ تبع تابعین کو دیکھ لیجئے، کہیں اسکا وجود نظر نہ آئے گا اور نہ کسی امام نے یہ کام انجام دیا۔ اور نہ اس کا حکم دیا۔ بلکہ تمام کتبِ احادیث، کتبِ تفسیر کتبِ فقہ اور کتبِ تاریخ کو چھان لیجئے، وہاں قرآن خوانی نام کی کوئی چڑیا نظر نہ آئے گی۔

گویا وہ حضرات جن کا مقام تمام امت سے بلند و بالا ہر وہ تو اس نعمت سے محروم رہیں اگر اس قرآن خوانی کے بغیر ان کی اور ان کے مردوں کی نجات ممکن تھی تو ہماری اور آپ کی نجات بھی اس کے بغیر ممکن ہے۔ اور اگر قرآن خوانی اور اسکا ثواب پہنچانے بغیر نجات ممکن نہیں تو تمام صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کو نعوذ باللہ جہنمی ماثلاً لازم آئے گا۔

حالانکہ صحابہ کے جنتی ہونے کا قرآن نے سیکڑوں جگہ دعویٰ کیا ہے۔ اس سے بڑھ کر
ثبوتاً اور کیا ہوگا۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ ہندوؤں میں جب کوئی مرنے والا ہے تو پڑت کو بلایا جاتا ہے اور
وہ بیٹھ کر اشلوک پڑھتا ہے۔ اور یہ عمل قیسرے، دسویں، چالیسویں دن اور ختم سال پر کیا
جاتا ہے۔ شیعوں میں مرنے والے کے لئے ان دنوں میں مرثیہ خوانی ہوتی ہے جسے مجلس
عزاداری کہا جاتا ہے۔ پاک و ہند کے سنیوں نے ہندوؤں اور
شیعوں سے ان رسموں کو لے کر اشلوک کے بجائے قرآن خوانی شروع کر دی تاکہ یہ
ثابت کیا جاسکے کہ اس اشلوک خوانی میں ہم تم سے ہرگز پیچھے نہیں۔

ہندوؤں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جب تک مرنے والے کے لئے اشلوک نہ پڑھے جائیں
اور دان پُرن یعنی صدقہ و خیرات نہ کی جائے تو مردے کی روح کھانے کی منتظر رہتی ہے۔
اتفاق سے اسی قسم کا عقیدہ دعویداران اسلام کا بھی ہو گیا ہے۔

ہندوؤں کے یہاں وہی چیز خیرات کی جاتی ہے جو مرنے والے کو مرعوب بھتی۔
ہم نے بھی وہی طریقہ اختیار کر لیا۔ الغرض ہمیں دنیا کی ہر کا فر قوم کا طریقہ محبوب ہے۔
اگر محبوب نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا طریقہ۔ ہم دنیا کے ہر فرد کی
نقالتی کے لئے تیار ہیں۔ اگر تیار نہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نقالتی کے لئے تیار نہیں
حالانکہ ہمیں تو یہ حکم دیا گیا تھا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ
أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۖ لَإِذَا دَعَا إِلَى الْوَحْيِ
بِشَيْءٍ مِّنْهُ لَيَخْلُقْ لَهُ أَمْرًا مِّمَّا يَخْلُقُ ۚ

پیروں میں بہتری ہے۔ ۲۱: ۲۲
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں آپ کے متعدد صاحبزادوں
اور تین صاحبزادیوں کا انتقال ہوا۔ آپ کے متعدد اعضاءِ قارب نے بھی وفات
اُٹھائی۔ حضرت حمزہؓ آپ کے چچا حضرت جعفرؓ آپ کے چچا زاد بھائی اور حضرت عبیدہ بن

الحسارث آپ کے چچا زاد بھائی نے جام شہادت نوش کیا۔ آپ کے رضائے بھائی ابو سلمہؓ، اور عثمان بن مظعونؓ کا انتقال ہوا۔ آپ نے کس کے لئے قرآن خوانی کی ہاشش ہمیں حدیث و تاریخ میں کسی ایک جگہ بھی کوئی دکھلا دے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر کس صحابی اور کس عزیز و قریب نے قرآن خوانی یا ایصالِ ثواب کیا۔ بلکہ وہ حضرات اس چکر میں پڑ جاتے تو آج ہندوستان میں کوئی مسلمان نظر نہ آتا۔ اس لئے کہ ہر جنگ میں متعدد افراد شہید ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ واقعہ حسرہ یرموک، اور قادسیہ کے میدان میں چار چار ہزار مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا۔ اگر وہ ان شہداء کی قرآن خوانی، ایصالِ ثواب، تیجوں چالیسویں اور برسوں کے چکر میں لگ جاتے تو اسلام کا مشرق وسطیٰ ہی میں خاتمہ ہو جاتا۔

آدم بر سرِ مطلب جس طرح کسی کی بد عملی دوسرے کے کھاتے میں نہیں ڈالی جاسکتی کیوں کہ یہ سراسر ظلم ہے۔ اسی طرح کسی کی نیکی دوسرے کے دفتر میں جمع کرنا بھی ظلم ہے یہ بھی ایک ظلم ہے کہ وراثت کا عمل مرنے والے کے کھاتے میں ڈال دیا جائے۔ اور چونکہ انسان فطرتاً ظالم واقع ہوا ہے۔

إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا حَبِیْوً ۝
یقیناً انسان بہت ظالم اور جاہل ہے۔

۷۲ : ۳۳

الاحزاب

وہ اپنا اس فطرت کے ماتھے پر بھی چاہتا ہے کہ اس کا معزومہ خدا بھی ظالم ہو بے شک معنوعی خدا تو معزومہ ظالم ہو سکتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ قطعاً ظلم نہیں فرماتا اور وہ ہرگز یہ ظلم نہ کرے گا کہ ایک کے عمل کا اجر دوسرے کے سپرد کر دے۔

ہمارے علماء اگر اب بھی یہی سمجھتے ہیں کہ صرف گناہوں کا بوجھ تو دوسرا نہیں اٹھا سکتا

لیکن نیکوں کا بار دوسروں کے سر ضرور منڈھا جاسکتا ہے۔ ان سے ہماری گزارش ہے کہ اگر آپ کے پاس واقعتاً اتنی فالتو نیکیاں جمع ہو گئیں ہیں کہ آپ کے کراماتات میں بھی اس کے لکھنے سے عاجز آ گئے ہیں تو ان نیکوں میں کچھ زندوں کا بھی حق ہونا چاہیے۔ ہمارے نام کی بھی قرآن خوانی کر دیجئے۔ ہمارے نام کی فاتحہ دلواد دیجئے۔ ہمارے نام کی بھی نذر و نیاز دیجئے اگرچہ ہم کوئی ولی اور بزرگ نہیں ہیں۔ لیکن بقول غالب ع

تجھے ہم ولی سمجھنے جو زبادہ خوار ہوتا

تو ہم حلیفہ یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ ہم بادہ خوار قطعا نہیں ہیں بلکہ مسلم ہونے کے ناتے آپ کے بھائی ضرور ہیں اور ولیوں بزرگوں سے زیادہ ثواب کے محتاج ہیں۔ لہذا کچھ ہمارے لئے بھی ایصالِ ثواب کر دیجئے یہیں کئی یقین ہے کہ آپ کسی زندہ کے نام ایصال نہ کریں گے۔ کیوں کہ آپ کے نزدیک نہ انسان کسی کو اتنا فائدہ نہیں پہنچا سکتا جتنا ایک مردہ پہنچا سکتا ہے۔ وہ تو زمین میں دفن ہونے کے بعد دنیا کی قسموں کا مالک بن جاتا ہے۔ روزی دینا اس کے قبضے میں، اولاد دینا ان کے قبضہ میں مصائب دور کرنا ان کے ہاتھ میں ہوتا ہی اور رشوت کے بغیر کوئی کام انجام نہیں دیتا اسی لئے یہ تمام چکر چلائے گئے ہیں۔ اور ہم تو اس اللہ کے ماننے والے ہیں جو خود بھی رشوت نہیں لیتا۔ اور اپنے اپنے والوں کو بھی رشوت لینے اور دینے سے منع کرتا ہے۔ لہذا ہمیں یقین ہے کہ ایصالِ ثواب نامی رشوت یا نذر و نیاز نامی تحفہ آپ ہیں ہرگز دینے کے لئے تیار نہ ہوں گے۔

”قربان جیسے اس“ اصل مولیٰ کے اس نے ان تمام تاویلات کے تار پودا کھڑ

جس روز ایسا ہوگا۔ ہر شخص اپنے اچھے کئے ہوئے کاموں کو سامنے لایا ہوا پائے گا اور اپنے کئے ہوئے برے کاموں کو بھی

کر چھٹیک دیئے ہیں۔ ارشاد ہے
يَوْمَ تُجَدُّ كُلُّ نَفْسٍ مَّا
عَمَلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا
وَمَا عَمَلَتْ مِنْ سُوءٍ ج

تَوَدَّلُوْنَ بَيْنَهُمَا رَبِّنَّهٖ
 اَمَدًا بَعِيْدًا يَّحْذَرُ
 كُفْرًا لَّهٗ نَفْسُهٗ ۚ قَالَ
 رُوُوْفٌ بِالْعِبَادِ
 ۳۰ آل عمران

اور اس بات کی تمنا کرے گا کہ کیا خوب ہوتا
 کہ اس شخص کے اور اس روز کے درمیان
 میں دو دروازے کی مسافت حاصل ہوتی اور
 اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات (عظیم الشان)
 سے ڈرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہدایت مہربان

ہیں بندوں پر۔ ۳۰ : ۳

اس آیت کریمہ میں عمل خیر اور عمل شر دونوں کا ذکر کیا گیا ہے نہ کہ صرف عمل بد کا وہ
 واضح الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ انسان نے بذات خود جو عمل انجام دیئے ہیں خواہ وہ خیر سوں یا
 شر انسان ان کو دلوں میں موجود پائے گا۔ یعنی ایسا ثواب کے نام سے جو چکر ملا یا گیا ہے تو یہ عمل
 چکر ملانے والے کے کھاتے میں چکر کی حیثیت سے تو بیشک نظر آئے گا۔ لیکن جس مردے کی
 خاطر یہ پاڑ پیلے تھے اس کے کھاتے میں اس عمل کا کوئی وجود نہ ہوگا کیوں کہ جن افعال کا کسی
 کی ذات سے کوئی تعلق نہیں وہ اس کے کھاتے میں ہرگز نہ ہوں گے کیوں کہ وہاں یہ
 اصول کا فرما ہوگا۔

پھر ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا عوض دیگا
 اور ان پر بالکل ظلم نہ ہوگا۔

ثُمَّ تَوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ
 هُمْ لَا يَظُنُّوْنَ ۝

۱۶۱ : ۳

۱۶۱ آل عمران

یعنی جزا و سزا اور ثواب و عتاب یہ دونوں جزئے انسان کے اپنے ذاتی عمل پر موقوف
 ہیں۔ کیوں کہ اس جہاں میں ہر انسان کو اپنی ذاتی افعال اور محنت کا صلہ ملنا ہے دوسرے کے
 عمل کا جو کسی کو نہ دیا جائیگا۔ یہ معاوضہ اور مبادلہ کا عمل ہے۔ یہ ایک ایسی تجارت ہے جو مال
 بالال کے بجائے اپنی محنت سعی پر موقوف ہے۔ بالفاظ دیگر یہ عالم دنیا ایک کارخانہ ہے۔
 جہاں کا ہر ہر فرد اپنی اپنی مزدوری اور کارکردگی میں لگا ہوا ہے۔ اور کارکردگی کا یہ عمل اس

وقت ختم ہوگا جب انسان کی آنکھ بند ہوگی۔ اب اس کی اجرت کا عمل شروع ہوگا۔ اگر بذات خود اس کی کارکردگی بہتر ہے تو اس کی اجرت بہتر ملے گی اور اگر کارکردگی غلط ہے تو اس کی سزا بھگتنی ہوگی۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ بحر کی کارکردگی علی کے سپرد کر دی جائے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مرنوں کو جنت میں داخل کرنا بندوں کے اختیار میں آگیا ہے۔ کہ جسے چاہا ایصالِ ثواب کی کثرت سے داخل جنت کروادیا۔ اور جسے چاہا ایصال نہ کر کے بھگتان بھگتنے کے لئے بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کو ظالم بھی تسلیم کرنا ہوگا۔ حالانکہ اس کا ارشاد تو یہ ہے کہ

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۖ
 وہاں یہ بھی نہ ہوگا کہ کوئی شخص اپنی مرضی سے اپنی محنت و مزدوری دوسرے کو بھتا دے۔ بلکہ اپنے عزیز و اقارب اور اپنے دوست و احباب سے بھی دور بھاگے گا کہ کہیں وہ حصہ بٹانے کے لئے نہ آجائیں اور مطالبات شروع نہ کر دیں۔

يَوْمَ يَصِفُ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۖ
 وَاُمِّهِ ۖ وَابْنِهِ ۖ وَصَاحِبَتِهِ
 وَبَنِيهِ ۖ لِكُلِّ امْرِئٍ
 مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ
 شَأْنٌ يُغْنِيهِ ۖ
 جس روز آدمی اپنے بھائی، اپنی ماں،
 اپنے باپ، اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے
 بھاگے گا۔ ان میں سے ہر شخص اپنی ہی حالت
 میں سرگرواں ہوگا۔

۸۱ : ۳۴ - ۳۷

ابیس - ۳۴ - ۳۷

حتیٰ کہ انسان اپنی زوجہ محترمہ سے دور بھاگے گا کہ کہیں یہ حق زوجیت جتنا تے ہوئے میری نیکیوں کا مطالبہ نہ شروع کر دے۔ اور ماں باپ سے بھی دور بھاگے گا کہ کہیں پریش اور تربیت کے صلہ کا مطالبہ نہ کر دیں۔ کہیں ماں یہ دعویٰ نہ کر بیٹھے کہ اگر تو نے مجھے اپنے اعمال کا ثواب نہ دیا تو میں دودھ نہ بخشوں گی۔ اور کہیں بیٹا اولاد ہونے کا حق جتنا نہ شروع کر دے

اور اگر ان تمام امور کو پیش نظر رکھا جائے اور ان کی اجازت دے دی جائے تو پھر اس جہاں میں عدل و انصاف کے بجائے جس کی لامٹھی اس کی سھنیں کا اصول کار فرما ہوگا۔ ثواب کے لین دین کے جواز کے باعث اللہ تعالیٰ کا اصول انصاف ختم ہو کر رہ جائے گا۔ اسی لئے اس جہاں میں یہ اصول متعین کیا گیا کہ ایک کا عمل دوسرے کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ہی کسی کا بار دوسرے پر ڈالا جائیگا۔ حتیٰ کہ کوئی مرد حق زوجیت جاتے ہوئے عورت کا حق بھی نہ مار سکے گا۔ اور نہ عورت ہزار ہا انداز دکھا کر یا ٹھوسے بہا کر مرد سے کچھ حاصل کر سکے گی کیوں کہ اس جہاں کا اصول یہ ہے کہ ۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا
اَكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ
مِّمَّا اَكْتَسَبْنَ وَلَسَّوْا
اَللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ

مردوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور عورتوں کیلئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے۔ اللہ سے اسکے فضل کا سوال کرو۔

۳۲ : ۴

۱۳۲ انفار

یعنی وہاں حصہ بٹائی کا عمل تو قطعاً نہ ہوگا۔ لیکن اگر تم اس جہانِ فانی میں اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرتے رہے، اس کے سامنے گڑ گڑالتے رہے۔ اور اس سے التجائیں کرتے رہے تو یہ ضرور ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اجرت سے نہ یادہ تمہیں مزید انعام سے نواز دے یا گناہ معاف فرما دے یہ صرف اس کی جانب سے بخشش ہوگی اس طرح سے نہیں کہ دباؤ میں آ کر دوسرے کی اجرت تمہیں دیدی جائے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ
مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَّوَا انْ
تَكُ حَسَنَةً يَّضَاعِفْهَا
وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایک ذرہ برابر بھی ظلم نہ کریں گے اور اگر ایک نیکی ہوگی تو اس کو کئی گنا کر دیں گے اور اپنے

اپنے پاس سے اور اجر عظیم دیں گے۔

اَجْزًا عَظِيْمًا

۴۰ : ۴۷

انصار ۴۰

اس اجر عظیم کے حصول کا بھی ایک اصول ہے ایسا ہرگز نہیں ہے کہ جسے چاہا اجر عظیم

عطا کر دیا۔ اور جسے چاہا محروم کر دیا۔ یہ انعام نہ طرف داری پر موقوف ہے اور نہ قرابت داری پر نہ رشوت پر موقوف ہے۔ نہ نسب ناموں اور شجروں پر نہ قومیت پر موقوف ہے۔ اور نہ وطنیت پر اس کے حصول کے لئے نذر و نیاز اور ایصالِ ثواب نامی رشوت کی بھی کوئی ضرورت نہیں اور نہ یہ وسیلوں اور واسطوں کی محتاج ہے بلکہ اسکا ذریعہ اتنا آسان اور سہل ہے کہ جو شخص بھی چاہے گھر بیٹھے ان دنیاوی رسومات اور ہتھکنڈے کے بغیر یہ انعام حاصل کر سکتا ہے۔ اس کے لئے نہ دیگیں چڑھانے کی ضرورت ہے نہ لوگوں کو جمع کرنے کی کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ انعام اکرام ذہنی تبدیلی پر موقوف ہے اگر ذہن کے کسی گوشہ میں دنیاوی رسم و رواج، دکھاوا، ریاکاری اور دنیاوی طور طریقے بسے ہوئے ہیں، اور اسی کے پیش نظر یہ عمل انجام دیا جا رہا ہے تو اس کا مقام تو رذی کی ٹوکری ہے۔ انعام تو کجا۔

یہ انعام صرف اسی بات پر موقوف ہے کہ ان تمام ذہنی اور مصنوعی غلامیوں سے نجات حاصل کر کے ایک ذات واحد لاشریک کی غلامی اختیار کی جائے۔ ان تمام مصنوعی الہوں کو پاش پاش کر کے اُس الٰہ واحد کی غلامی کو قبول کیا جائے جو بھی عمل انجام دیا جائے صرف اسی کی رضا مقصود ہو تو، یہ اتنا آسان اور سہل اصول ہے کہ ہر فرد واحد گھر بیٹھے اور نذر و نیاز اور ایصالِ ثواب کا گھن چکر چلائے بغیر یہ انعام حاصل کر سکتا ہے۔

افسوس تو یہی ہے کہ ہم نے اصل طریقہ کار کے بجائے اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینے

کے لئے کچھ مصنوعی ہتھکنڈے اختیار کر لئے ہیں۔ اور شارٹ کٹ کے طور پر انہیں اپنا

لیا ہے۔ اور پھر اس خود فریبی میں مبتلا ہیں کہ ہمارے یہ خود ساختہ اصول ہمارے کام آجائیں گے، لیکن قرآن نے جو اصول دیا ہے وہ اسی کی زبانی سن لیجئے۔

اور جو شخص یہ کام کر لیا حتیٰ تعالیٰ کی رضا جوئی کے واسطے سویم اسکو مغرب اجر عظیم عطا فرمائیں گے، ۱۱۳:۴

مگر صرف رب الاعلیٰ کی رضا کے لئے۔ اور وہ جلد ہی راضی ہوگا۔ ۲۰-۲۱-۲۲

لیکن وہ عمل جو خالص اللہ نہ ہو، بلکہ دنیا داری، دکھاوا، رسم و رواج اور برادری کے دستوروں پر مبنی ہو، اور جس عمل میں یہ پیش نظر ہو کہ اگر ایسا نہ کیا تو برادری میں ناک کٹ جائے گی لوگ کہیں گے کہ اتنا بھوکا ہے کہ مرنے والے کے لئے بھی کچھ نہ کر سکا۔ کم از کم ایک ویک تو چڑھا دی ہوتی۔ اس قسم کے تمام اعمال جو غیر اللہ کے لئے انجام دیئے جاتے ہیں وہ تو سراسر شرک ہیں۔ کیوں کہ بارگاہ الہی میں تو صرف وہی عمل قابل قبول ہوتا ہے جو خالص اس کی رضا کے لئے ہو۔

اور ان کو تو حکم دیا گیا ہے کہ دین کو اللہ کے لئے خالص کر کے اس کی عبادت کریں

۵:۹۸

البینہ ۵

اور جو عمل برادری، ریاکاری اور رسم و رواج کی پابندی کو ملحوظ رکھتے ہوئے انجام دیا جائے وہ تو خالص شرک ہے اس کی قبولیت کا تو کیا سوال ہے، بلکہ اُزدئے قرآن تو ایسے شخص کی بخشش بھی نہ ہوگی۔

اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جہنم حرام کر دی ہے

اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ ۵: ۷۷

اگر کوئی شخص رضائے الہی کے اصول کو ترک کر کے اور اس کے بتائے ہوئے طریقوں کو چھوڑ کر اپنے مصنوعی طریقے اختیار کرتے ہوئے نذر و نیاز، فریضہ صدقہ، خیرات، ایصالِ ثواب، تیجہ، دسواں، چالیسواں، برسیاں اور عرس نامی شریعت پریش کرنا چاہے گا تو وہ اس کے ہرگز کام نہ آئے گی۔

لَآ اَنَّا لَهْمُ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا
وَمَثَلُهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوْا
بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَمَةِ
مَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ وَلَا لَهُمْ عَذَابٌ
الْسَّيِّئَةِ

اگر ان کے پاس تمام دنیا بھر کی چیزیں ہوں
اور ان چیزوں کے ساتھ اتنی چیزیں و
بھی ہوں تاکہ وہ ان کو دیکر روز قیامت
کے عذاب سے چھوٹ جائیں۔ تب بھی
وہ چیزیں ہرگز ان سے قبول نہ کی جائیں

گی، اور ان کو دردناک عذاب ہوگا۔ ۳۶: ۵۷

نہ وہاں کسی "زندہ پیر" یا مردہ پیر کی سفارش کام آئے گی، نہ تاوان ادا کر کے چٹکارا ملے گا۔ نہ کوئی "وسٹیکری" کر سکیگا۔ نہ مشکل کشائی نہ وہاں غوثیت کام آئے گی نہ قطبیت نہ وہاں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کا سایہ ہوگا۔ اور نہ تھکنڈے کے لئے کسی کا دامن ملے گا۔ اس لئے کہ سب ہی مادرِ زاد ننگے اٹھیں گے، قرآن صاف الفاظ میں پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ تمام فریب کاریاں اور تھکنڈے ان دنیاوی حاکموں کے یہاں تو چل سکتے ہیں۔ لیکن بارگاہِ الہی میں یہ سب بے کار ہیں۔

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ
نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يَقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ
وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ
يُنصَرُونَ

اور ڈرو و تم ایسے دن سے کہ نہ تو کوئی
شخص کسی شخص کی طرف سے کچھ مطالبہ
ادا کر سکتا ہے۔ اور نہ کسی شخص کی طرف سے
معاوضہ لیا جاسکتا ہے۔ اور نہ ان لوگوں کی

ظن داری چل سکے گی۔ ۴۸:۲

اُس جہاں میں ہرگز یہ نہ دیکھا جائے گا کہ کس کس کے لئے صدقہ و خیرات کی گئی۔ کس کس کے لئے قرآن خوانیاں ہوئیں۔ کس کس کے لئے چنے پڑھے گئے۔ کس کے کتنے عرس کئے گئے۔ کس کے لئے فاتحہ خوانی ہوئی اور کس کے نام کی نیاز مہی رشوت پیش کی گئی بلکہ صرف یہ دیکھا جائے گا کہ صادق القول کون ہے، کس کا ظاہر و باطن ایک ہے، کس نے رضائے الہی کے لئے عمل انجام دیا ہے۔ اور وہ کون ہے جس نے ہمارے احکام کو دل و جان سے قبول کیا ہے۔ وہاں منافقت و رواداری، دکھاوا، ریاکاری، ہم و رواج، تعلقات، قرابت داری اور نسب ناموں کا کوئی اصول قطعاً کچھ فائدہ نہ پہنچا سکے گا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمادیں گے کہ یہ وہ دن ہے کہ جو لوگ سچے تھے۔ ان کا پتلا ہونا ان

قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمَ يَنْفَعُ
الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ

کے کام آدے گا۔ ۱۱۹: ۵

۱۱۹ المائدہ

حتیٰ کہ کوئی ولی، کوئی غوث کوئی قطب، کوئی شہید، کوئی مہدی اور کوئی بنی کسی دوسرے فرد واحد کے عمل کا جواب دہ نہ ہوگا۔ اور نہ کسی کا نامہ اعمال دوسرے کے ہاتھ میں بٹھایا جائیگا،

ان کا حساب ذرا بھی اُسے نبی آپ کے متعلق نہیں اور آپ کا حساب ذرا بھی ان کے متعلق نہیں۔ ۵۲: ۱۶

كَأَعْلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مَنْ
شَيْءٌ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ
مِنْ شَيْءٍ۔ الانعام ۵۲

جب ایک کا حساب دوسرے سے نہ لیا جائیگا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وارثین و لواحقین کا عمل زبردستی مرنے والے کے سپرد کر دیا جائے، ہاں ان لواحقین سے یہ سوال ضرور ہوگا کہ ہم نے جن امور کا حکم نہ دیا تھا وہ تم نے دین میں کیوں داخل کئے۔

رشوت خوری، بے ایمانی اور غصب کی دوت کو صدقے کے نام سے کیوں نواز زندوں کا حق مار کر مردوں کے کیوں سپرد کیا۔ بیوی بچوں کا حق کاٹ کر تم نے برادری کے مسئلوں کا پیٹ کیوں بھرا تمہیں رسم و رواج اور برادری کا تو اتنا خوف لاحق ہوا کہ تم نے اپنا نامہ اعمال سیاہ کر لیا۔ لیکن خوفِ الہی نامی کسی شے کا تصور بھی تمہارے ذہنوں میں کبھی پیدا نہیں ہوا حالانکہ تمہیں تو یہ حکم دیا گیا تھا۔

سو تم ان سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرنا

اگر تم ایمان والے ہو

فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُوا اللَّهَ
كُنْتُمْ مَشْهُومِينَ ۝

۱۷۵:۲

۱۷۵:۲ آل عمران

تم نے ہمارے احکامات کے مقابلے میں بزرگوں، پیروں اور اپنے اباؤ اجداد کے طور پر کچھ کو زیادہ پسند کیا۔ اور منع کر نیلے باوجود اسے چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوئے اور ہر حکمِ الہی کے جواب میں یہی کہتے رہے۔

ما وَجَدْنَا عَلَيْهِ اَبَاءَنَا ۝۲۲ الْمَاءُ
اکی پر ہم نے اپنے باپ و ادا کو پایا ہے
۱۷۵:۵

باوجودیکہ تمہارے سامنے ہمارا یہ فرمان موجود تھا۔

اَوَلَوْ كَانَ اَبَاؤُهُمْ لَا
يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَحْكُمُونَ ۝۲۲ الْمَاءُ
خواہ ان کے اباؤ اجداد بھی علم نہ رکھتے
ہوں، اور نہ وہ ہدایت پر مہم ہوں۔ ۱۷۵:۵

لیکن یاد رکھیے کہ اس بارگاہِ الہی میں پیر پرستی، آبا پرستی، رسم و رواج معاشرہ اور فیشن کا کوئی دستور نہیں بلکہ یہ تمام طریقے دین سے دور لے جانے والے ہیں۔ یہ

اصول تو ان لوگوں کا ہے جنہوں نے خواہشات نفسانیہ کو اپنا معبود اور الہ بنا لیا ہے

اٰلَا يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ ۝۲۳
کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے
اپنی خواہش نفس کو اپنا الہ بنا لیا ہے۔

الفقان ۲۳

۲۳:۱۲۵

حالانکہ آخرت کی کامیابی خواہش نفسانی کو ٹھکانے پر موقوف ہے۔

وَأَمَّا مَنْ هَاكُنَّ مَقَامَ رَبِّهِ
وَهَمَّى النَّفْسَ مِنَ الْهَوَىٰ
فَلَنَ الْجَنَّةُ هِيَ الْأَرْضِ
سے روئے، اور جو شخص اپنے پروردگار کے روبرو کھڑے
ہونے سے ڈرے، اور نفس کو خواہشات
سے روکے، تو جنت اس کا ٹھکانہ ہے۔

۴۰-۴۱. النزعۃ

۴۹ : ۴۰ - ۴۱

یہ قاعدہ تو ان لوگوں کا ہے جنہوں نے دنیا کو اپنا نصب العین تصور کر لیا ہے۔ اس
قسم کے افراد کے نزدیک دین کی حقیقت ایک کھیل سے زیادہ نہیں جبکہ جہاں چاہا اسے اپنا
لیا اور جب اور جہاں چاہا ترک کر دیا جس بات کو چاہا قبول کیا اور جس بات کو
چاہا رد کر دیا۔ یہ طریقہ بعینہ وہی ہے جو یہود ان مدینہ نے اختیار کر رکھا تھا۔ ان کا کہنا تھا
فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَبْعُثُونَ
مُرْسِلِينَ أَنْ يُبْعَثُوا
ہم بعض پر تو ایمان لاتے ہیں اور بعض کے

شکر میں۔ اور یوں چاہتے ہیں کہ بین
سَبِيلًا
مین ایک راہ تجویز کریں۔ ۴۰، ۴۱

انعام ۱۵۰

لیکن اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے بارے میں اعلان کرتا ہے۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا
وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا
یہ بچے کافر ہیں اور ہم نے کافروں کیلئے
رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ۱۵۱، ۱۵۲
یہ وہ لوگ ہیں جن کا کوئی دین و مذہب نہیں جو چیز ان کی رسومات کے خلاف ہوتی
ہے اس کی تاویلات شروع کر دیتے ہیں بلکہ پیروں کی فرضی داستانوں کے بل بوتے پر
قرآن کو پس پشت ڈال دیتے ہیں ان کی نظر میں قرآن کی چنداں کوئی حیثیت نہیں ہے
یہ تو اس طبقہ کے لوگ ہیں جن سے دور رہنے کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تلقین
کی گئی

وَنَبِّ الْأَذْيَانِ تَحَدُّثًا بَيْنَهُمْ
اور ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش رہ

لَهُمْ أَقْبَابُ فَذَرْهُمْ خِلَافَ
الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهِ إِنَّ
تُتَبَّلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ
لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَالِقُ
وَلَا شَفِيعٌ إِلَّا مَنْ تُشِيدُ
كُلَّ عَذَابٍ لَّا يُوَفِّدُ مِنْهَا
أُولَئِكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا
أَبْصَارَهُمْ وَكُتِبَ عَلَيْهِمُ
الْحَمِيمُ وَذَكَرَ الْيَوْمُ
بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝

۱۰ الانعام

جنہوں نے اپنے دین کو لہو و لب بنا رکھا
ہے۔ اور دنیاوی زندگی نے ان کو دھوکہ
میں ڈال رکھا ہے۔ اور اس قرآن کے ذریعہ
سے نصیحت بھی کرتا رہ تاکہ کوئی اپنے کردار
و عمل کے سبب اس طرح نہ پھنس جاوے
کہ کوئی غیر اللہ اس کا مددگار ہو اور
زسفا رشی ہو۔ اور یہ کیفیت ہو کہ اگر دنیا
بھرا کا معاوضہ بھی دے ڈالے تب بھی اس
سے نہ لیا جائے۔ یہ ایسے ہی ہیں کہ اپنے کردار
و عمل کے سبب پھنس گئے اور ان کے
لئے ہدایت تیز گرم بانی پینے کے لئے ہو گا
اور دردناک سزا ہوگی اپنے کفر کے سبب

یعنی اس طبقہ کا یہ طرز عمل خود ایک کسب ہے اور ایک محنت ہے۔ اور چوں کہ ہم
ہر ایک کی کمائی کا اسے اجر و صلہ ضرور دیتے ہیں۔ لہذا ان کے اس کسب کا انہیں اجر ضرور
دیا جائیگا۔ اور وہ اجر یہ ہو گا کہ کھولتے ہوئے پانی سے ان کی تواضع کی جائے گی۔ اور بھی مختلف
قسم کے دردناک عذاب دیئے جائیں گے، اور یہ سب کچھ ان کے کسب کا نتیجہ ہو گا۔ اگر کوئی
پرچاہے کہ کسی دستگیر ”یا در مشکل کشا“ کی سفارش سے کام چل جائے گا۔ یا کسی کی دلا
یا قطیبت کام آجائے گی۔ یا صدقہ و خیرات اور ایصالِ ثواب نامی ٹیکسوں کی صورت
میں معاوضہ ادا کیا جاسکیگا۔ تو یہ تحیل قطعاً باطل ہے۔ انہوں نے جو کسب کیا ہے جو محنت کی ہے
جو عمل انجام دیا ہے جو فن کاری دکھائی اور فریب دہی کی ہے اس کی سزا سے انہیں کوئی چیز
نہ بچا سکے گی۔ خواہ اس کے نام قرآن خوانیوں کے کتنے ہی ڈھیر سا سے پارسل روانہ کئے

جائیں۔ خواہ صدقہ اور فاتحہ کے نام کی کتنی ہی دیگیں بطی کی جائیں۔ ان سے اسے کوئی فائدہ نہ پہنچ سکیگا کیوں کہ ریاس کا کسب نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر انسان کا ذاتی کسب یکساں ہے۔ اور صدقہ و خیرات کے نام سے برادری کے بٹے کٹوں کو دعوت کھلا رہا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ اور مومنین سے ایک کھلا فریب ہے۔ اور فریب کاری کا مسئلہ کبھی نہیں ملتا، بلکہ سزا دلا کرتی ہے۔ یہ لوگ اللہ اور اہل ایمان کو دھوکہ دیتے ہیں اور یہ اپنی ذات کے علاوہ کسی کو دھوکہ نہیں دیتے اور اس کا شعور بھی نہیں رکھتے۔ ان کے دلوں میں بیماری ہے۔ سو اللہ نے ان کی بیماری کو زیادہ کر دیا ہے۔ اور ان کے لئے جھوٹ بولنے کی وجہ سے دردناک عذاب ہے۔

يُخَذُّ عُنَ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْذَعُوْنَ اِلَّا
اَنْفُسَهُمْ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۚ
فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَمٌ ۚ فَاَدْمُ
اللّٰهُ مَرَمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ۚ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ

۲ : ۹ - ۱۰

۹ - ۱۰ البقرہ

جو دولت ان فضولیات پر انہوں نے خرچ کی ہے۔ اگر وہی دولت کسی مستحق کو خاموشی سے دے دیتے تو وہ ان کے مزدور کام آتی۔ بلکہ اس کی دعائیں بھی لیتے تب ہم مزدور تسلیم کرتے کہ یہ عمل خالص اللہ ہے۔ لیکن جو حضرات اس پر عمل کرتے ہیں وہ تو کسی کو ہوا بھی نہیں لگنے دیتے

جہاں یہ ایصالِ ثواب، احکام قرآنیہ کا مذاق ہے وہاں یہ انسان کے خبثِ باطن کی بھی دلیل ہے۔ اس قسم کی حرکتوں کو باطنی کسب اور گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ بھی ایک عمل اور کسب ہے اور اس کسب کی بھی جزا ملنی ہے۔

اور تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑو اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑو جو لوگ گناہ کر رہے ہیں ان کو ان کے کئے کی عنقریب سزا ملے گی۔

وَذَرُوْا ظٰلِمٰٓہٗمُ الْاَوْثَمَ ۚ وَاِنَّ الَّذِيْنَ
يَكْسِبُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ سُبْحٰنَہٗ ۚ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ

۱۲۷ انعام

تجربہ اور مشاہدے سے یہ امر ثابت ہے کہ ہر شخص اپنے ہم جنس کی طرف لپکتا ہے وہ ہمہ وقت ذہنی اور عملی ہم آہنگی کا طلب گار رہتا ہے جو شخص ذہنی یا عملی طور پر اس کا ہم خیال نہ ہو وہ اس سے دور بھاگتا ہے۔ اور خاص طور پر مجرم، گناہ گار، مشرک سرکش اور نازمان کبھی کسی موحّد، متقی اور صالح شخص کی دوستی گوارا نہیں کرتا۔ اسی لئے ہمیشہ سے یہ اصول کارفرما رہا کہ نیک نیک کا، بد بد کا، جاہل جاہل کا اور عالم عالم کا دوست ہوتا ہے۔ کوئی صاحب فہم اور دانا شخص کسی نادان کی دوستی گوارا نہ کریگا۔ یہ تعلق بھی ایک کسب ہے۔ ایک عمل ہے اور اس عمل پر بھی اچھی یا بُری جزا ملنی ہے۔

وَكَذَلِكَ نُوَلِّي بَعْضَ الظَّالِمِينَ
بَعْضًا مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ ۱۲۹ انعام
اور اسی طرح ہم بعض کفار کو بعض کے قریب رکھیں گے۔ ان کے اعمال کے سبب دنیا میں جتنے بھی تعلقات پائے جاتے ہیں یہ سب کسب پر موقوف ہیں اور ہر تعلق میں کوئی نہ کوئی غرض پنہاں ہوتی ہے۔ خواہ وہ غرض اچھی ہو یا بُری۔ لیکن اس دنیا کا ہر فرد اپنی ہی دوز میں مصروف ہے۔ اور قیامت کے روز بھی انسان کے پیش نظر صرف اپنی ذات ہوگی۔ اس کا تمام جھگڑا صرف اپنی ذات کے لئے ہوگا۔ دلوں تو عزیز و اقارب برادری، بھائی بندی اور تمام رشتے بھول جائے گا اپنے ہی کسب اور اپنے ہی عمل کے بارے میں بحث کریگا۔

يَوْمَ نَأْتِي كُلَّ نَفْسٍ بِجَاحِلٍ
عَنِ نَفْسِهَا وَتُوْفَىٰ كُلُّ نَفْسٍ
عَمَلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝
جس روز ہر شخص اپنی ہی طرف واری میں گفتگو کریگا (اور دوسرے کو نہ پوچھیگا) اور ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا بدلہ ملے گا۔ اور

اُن پر ظلم نہ کیا جائے گا۔
یہ آیت پکار پکار کہہ رہی ہے کہ ہر انسان کو اس روز صرف اپنے اعمال کی جوابدہی

کس فی ہوگی، اور دہاں جو کچھ بھی صلہ دیا جائیگا۔ اچھا یا برا، وہ ان کے اپنے ذاتی اعمال پر دیا جائیگا۔ دوسرے کے عمل کی جزا قطعاً کسی کو نہ دی جائے گی۔ مرنے والے کے لواحقین اس کے لئے جو کچھ کرتے ہیں اس کی اچھی یا بری جزا ان لواحقین کو تو مل سکتی ہے مرنے والے کو اس سے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔

آخری جملہ ”کہ ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔“ یہ ایک قسم کا تائیدی جملہ ہے جو متعدد مقامات پر پرایا ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بھی سراسر ظلم ہے کہ کسی کی اجرت دوسرے کے سپرد کر دی جائے اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا کہ قرآن کوئی پڑھے اور عہدہ و خیرات کوئی کرے اور ثواب کوئی اور لے بھاگے۔

رہا یہ تخیل کہ ثواب دونوں کو ایک سا ملتا ہے اور ہم اپنی خوشی سے عمل کا ثواب سے بچا پتے ہیں تو یہ تخیل ہی سرے سے بے بنیاد ہے۔

آؤں، جب آپ نے اپنے عمل کا ثواب دوسرے کے نام کر دیا اور خود اس سے دست بردار ہو گئے تو اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ اس کا اجر آپ کو بھی ملے گا۔ اس لئے کہ قاعدہ اور دستور تو یہ ہے کہ جو چیز آپ نے دوسرے کو دیدی وہ آپ کی ملکیت سے خارج ہو گئی اب اس پر اپنی ملکیت کا دعویٰ ایک خود فریبی سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ اب یہ اجر آپ کو اسی صورت میں مل سکتا ہے کہ جسے آپ نے اپنا عمل دیا ہے۔ اس سے اپنے عمل کی واپسی کا مطالبہ کریں۔ بشرطیکہ آپ کا یہ ناجائز عمل اس کے اعمال نامہ میں لکھا بھی گیا ہو۔ پھر اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے، وہ مردہ واپس کرتا ہے یا نہیں، یہ آپ جانیں اور آپ کا مردہ جانے۔ ہو سکتا ہے کہ اس آیت مذکورہ میں آپ کے اس جھگڑے کا ذکر ہو۔

دو ٹکے، ثواب نام ہے اس جزائے خیر کا جو اللہ کی جانب سے بندے کو دی جائے گی، جس طرح عذاب اس سزا کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ بندے کی کوتاہیوں کے باعث اسے دیگا

اور یہ دونوں امور اللہ کی ملکیت ہیں۔ وہی اس کا فیصلہ فرمائے گا کہ فلاں عمل پر ثواب دیا جائے یا نہیں اور اس کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔ آپ کے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ آپ کو اس کا اجر بھی ملا ہے میرا دعویٰ تو یہ ہے کہ چونکہ آپ نے یہ عمل دنیاوی غرض کی خاطر کیا ہے اور وہ بھی خلافِ شرع لہذا آپ کو ثواب کے بجائے عذاب دیا جائے گا۔

سو حکم :۔ ثواب جب آپ کی ملکیت نہیں کیوں کر وہ تو اللہ کی ملکیت ہے اور جو شے ان کی ملکیت نہ ہو اسے دوسروں کو دینے یا نہ دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو آپ کے قبضہ میں نہیں تو اس کی تقسیم جہ معنی دار دے تو اس قسم کا ہوائی تخیل ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ اگر مجھے امریکہ کی حکومت مل گئی تو میں وائسنگٹن کا علاقہ تجھے دیدوں گا۔ اگر آپ کی نظر میں یہ شخص احمق ہے تو آپ اس سے بھی زیادہ احمق ہیں۔ اس لئے کہ امریکہ کی حکومت کا ملنا ممکن اور ثواب کا مالک بننا محال۔ وہ تو اسی وقت آپ اس کے مالک بن سکتے ہیں جب اللہ تعالیٰ اپنی اومیت آپ کے سپرد کر کے مستغنی ہو جائے۔

چہارم۔ اگر ثواب کو انسان کی ملکیت مان لیا جائے تو یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ عذاب بھی انسان کی ملکیت ہے۔ پھر تو تمام مسئلہ خور و بخور حل ہو جائے گا، کہ اندھا بانٹے ریوڑیاں اور اپٹواپنوں کو دے، اگر ہمارے علماء و اس کا فتویٰ دیں تو آپ ہم سے قسم لے لیجئے کہ پھر ہم اس مسئلے پر کچھ نہ بولیں گے لیکن جب تک وہ یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ ثواب و عذاب ان کی ملکیت ہے اس وقت تک ہم انہیں ان کی غلطیوں سے آگاہ کرتے رہیں گے۔

عالم قیامت میں جب انسان اپنے تخیل کے خلاف اپنی بدکرداریاں اور اپنے خبیث باطن کو دیکھے گا اور اپنا ہر عمل صاف نظر آئے گا لیکن اعمال نامے میں لواحقین کے بھیجے ہوئے ثواب کے بیڑنگ پارسل یا بوگس چیک نظر آئیں گے جو اس کے کام آسکیں۔ اس وقت کا نقشہ دیکھنے کے قابل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی زبانی سنئے۔

وَوَضَعَ الْكِتَابَ فَتَرَىٰ الْجِبْرِۃَ اور نامہ اعمال رکھ دیا جائیگا تو آپ مجرموں

مِنْ مُشْفَعَيْنِ مِمَّا فِيهِ
وَيَقُولُونَ لَوْ أَنَّا
مَالِ هَذَا الْكُتُبِ لَا
يُعْجِزُ رُصْدَ غَيْرِهِ إِلَّا
كِبْرُهُ إِلَّا أَهْضَاهُ وَوَجَدُوا
مَاعْمِلُوهَا فِرَاطًا
وَلَا يُظَاهِرُ رَبِّكَ أَحَدًا
الکہف ۴۹

کو دیکھیں گے کہ اس میں جو کچھ ہے اس سے
ڈرتے ہوں گے۔ اور کہتے ہوں گے کہ ہائے
ہماری کجی اس نامہ اعمال کی عجیب حالت
ہے کہ قلم بند کئے ہوئے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوٹا
نہ بڑا گناہ۔ اور جو کچھ انہوں نے کیا وہ سب
(لکھا ہوا) موجود پائیں گے۔ اور آپ کا
رب کسی پر ظلم نہ کرے گا۔

۴۹ : ۱۸

اُس کتاب یعنی نامہ اعمال سے کوئی چھوٹی یا بڑی چیز باقی نہ رہے گی، لیکن اس کتاب
میں صرف وہی امور تحریر ہوں گے جو انسان نے بذات خود انجام دیئے ہوں۔
وَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَافِظًا
موجود پائیں گے۔ ۴۹ : ۱۸

گویا نامہ اعمال میں کسی عمل کی موجودگی کے لئے شرط یہ ہے کہ انسان نے اسے بذات
خود انجام دیا ہو۔ اور جو اس نے خود انجام نہیں دیا۔ اس کتاب میں اسکا کوئی وجود نہ ہوگا
خواہ پاک و ہند کا ہر نام نہاد مسلمان اس کی موجودگی کے لئے لاکھ جتن کرے سب بے سود
ہے۔ اگر کسی کا کتاب اللہ پر ایمان ہے تو اس کے لئے یہ ایک آیت بھی بہت کافی ہے لیکن
جس کا کتاب اللہ سے زیادہ پیروں، فقیروں کی خود ساختہ کہانیوں پر ایمان ہو اس کے
لئے تو پورا قرآن بھی کافی نہیں اور غالباً اسی لئے یہ عند تراش گئی ہے کہ قرآن کو ہر کس و ناکس
نہیں سمجھ سکتا۔ اس لئے اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں۔ یا قرآن کے الفاظ ظاہری اور باطنی
دو معنی رکھتے ہیں اور باطنی معنی صرف مخصوص اشخاص ہی سمجھ سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جہاں بھی اعمال کی جو ابدی اور اس کی جزا کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے

بیشتر مقامات پر اپنی ذات سے ظلم کی نفی کی ہے۔ جسکا مقصود یہ ہے کہ جس طرح یہ ظلم ہے کہ کسی کی نیکی تو سیریز کی جائے، یا تحریروں کی جائے لیکن اس پر کوئی اجراء دیا جائے۔ اسی طرح یہ بھی ظلم ہے کہ کلو کی نیکی نہ تو کھاتے میں ڈال دی جائے، تو اگر کوئی شخص یہ تصور کرتا ہے تو یہ اس کی حماقت ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ظلم سے پاک ہے۔

سابقہ صفحات میں اب تک متنی آیات پیش کی گئیں وہ سب عام ہیں۔ جو اعمال خیر اور اعمال شر و دنوں کو شامل ہیں۔ اور قرآن کی تخصیص عقل یا رد آیات کے بل بوتے پر جائز نہیں۔ کیوں کہ اس سے قرآن کا نسخ لازم آتا ہے۔ بجائے اس کو کہ ہمارے علما و بزرگوار ان آیات کی تاویل کریں۔ اس سے کہیں بہتر ہے کہ ان روایات کی تاویل کریں جو اس سلسلہ میں مروی ہیں۔ کیوں کہ راوی کتنا بھی معتبر کیوں نہ ہو وہ خطا و نسیاں اور غلط فہمی سے پاک نہیں ہو سکتا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی جانب یہ نقائص منسوب بھی نہیں کئے جاسکتے جو شخص ان واضح آیات کے مقابلہ میں روایات اور بزرگوں کے اقوال کو ترجیح دیتا ہے تو گویا اس کی نظر میں اللہ تعالیٰ اور اس کی کتاب کی ایک عام انسان کے برابر بھی حیثیت نہیں۔ حالانکہ اس بات کا کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اگرچہ زبان حال سے یہی بات ظاہر ہو رہی ہے۔ غالباً اللہ تعالیٰ نے اسی لئے ارشاد فرمایا تھا۔

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ اور انھیں جیسی اللہ کی قدر کرنی چاہیے تھی

۶۷۱۳۹ - ویسی قدر نہیں کی۔

۶۷ الزمر

لہذا اب بہتر صورت یہی ہے کہ ہمارے علماء اس دورنگی کو چھوڑ کر قرآن کو مقبول سے تمام لیں۔ اگر انھیں اللہ کا خیال نہیں تو کم از کم اپنے اصول فقہ کو تو ملحوظ خاطر رکھیں اگر ایصالِ ثواب اور قرآن خوانی کے بوجس چیک اور صدقات کی بیٹیاں دوسرے کے کھاتے میں جمع ہو سکتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اسکا ذکر بھی ضرور فرماتے۔ بلکہ کوئی انسان بھی اپنے اعمال نامے کو دیکھ کھائف نہ ہوتا۔ بلکہ پر امید ہوتا کہ پاکستانی تاجروں کی طرح ہمارا بھی

ایک مخفی کھاتہ فارن میں موجود ہے اور مطالبہ کرتا کہ صاحب ہیں وہ مخفی کھاتہ بھی دکھائیے جس میں ان چکیوں وغیرہ کا اندراج ہے جو ہمارے لواحقین نے ہمارے نام بھیجے ہیں کہیں وہ فرشتوں نے غائب تو نہیں کر دیئے۔ اس کے بجائے وہ صرف اپنا نامہ اعمال دیکھ کر گھبرا جائے گا۔ کیوں کہ وہاں کوئی دوسرا کھاتہ موجود نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ تو جگہ جگہ اپنے قانون کا برملا اعلان کرتا ہے اور بتاتا ہے۔

وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ ۖ إِنَّكَ لَنَافِلِكُمْ ۚ
اور جو شخص محنت کرتا ہے، وہ اپنے ہی (نفع) کے لئے محنت کرتا ہے۔ ۶:۲۴

اب اگر کوئی اس قانون سے واقفیت ہی حاصل نہ کرنا چاہے، یا واقفیت حاصل ہونے کے باوجود اس سے بناوٹ کرنا چاہے تو اس سے قانون الہی میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی وہاں تو یہ دعوت دی جا رہی ہے کہ تمہاری تمام کوشش، تمام محنت دینی و مجاہدہ تمہاری اپنی ذات کے کام آئے گا۔ اس کے برعکس یہاں سب کچھ اغیار کیلئے ہو رہا ہے۔ اور اپنی ذات کو سب بھلائے ہوئے ہیں حتیٰ کہ اپنی آنکھ کا پہاڑ بھی نظر نہیں آتا۔ لیکن دوسرے کی آنکھ کا بینکا بھی پہاڑ نظر آتا ہے۔

ہماری سستی اور کوتاہی کا یہ عالم ہے کہ خود تو کچھ کرنا نہیں چاہتے لیکن اس پر مطمئن ہیں کہ آخرت میں دوسروں کے ذریعے سب کچھ کیا کر لیا مل جائے گا کہ نہ دنیا ہی ہاتھ سے چلے اور نہ آخرت حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی طاقت کے مطابق ہی اس پر بار ڈالا تھا۔ لیکن ہم نے یہ بار تو کاندھے سے اتار کر بھینک دیا۔ اور کچھ کئے بغیر اس کے اجر کے طلب کیا۔ بن گئے۔

وَلَا تَكْفُفْ نَفْسًا لِّدُسْعَاهَا ۖ
اور ہم (تو) کسی کو اس کی دست سے نہ بڑاؤ
وَلَدَيْنَا مِكْتٌ يَنْطِقُ
کام کرنے کو نہیں کہتے (پس جو کام بتا رہے
بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ
ہیں سب آسان ہی ہیں) اور ہمارے

پاس ایک دفتر ہے جو ٹھیک ٹھیک درج

حال، بتا دے گا۔ اور لوگوں پر ظلم نہ ہوگا

لیکن جب کتاب میں اسے کچھ بھی نہ ملے گا۔ کیوں کہ خود تو کچھ کیا نہ تھا۔ جو قہر آتا۔

اور دوسروں کا کیا ہوا اس میں درج نہ ہوگا تو کتبِ افسوس ملے گا۔ اور بے ساختہ

کہے گا۔

يَلِيَّتِي لَمْ أَفْتِكِ بَابِيَهُ ۚ وَلَمْ

أَذْرِبَ مَا حِسَابِيَهُ ۚ يَلِيَّتِي مَا

كَانَتْ الْقَاضِيَهُ ۚ مَا أَغْنَىٰ

عَنِّي مَا لِي بِهِ ۚ

مٹے کسی طرح مجھے میرا مٹا اعلان دیا جاتا

اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ مٹے

کسی طرح موت ہی قصہ چکا دیتی۔ میرے کام

کچھ بھی میرا مال نہ آیا۔

۶۹: ۲۵-۲۸

۲۵-۲۸ الحاقہ

اس عداوت میں کسی انسان کے عمل کی جڑا بد ہی قطعاً کسی دوسرے سے نہ کی جائیگی۔

آپ فرما دیجئے ذکر اگر ہم مجرم ہیں تو ہم سے

ہماری جرائم کی باز پرس نہ ہوگی۔ اور ہم سے

تمہارے اعمال کی باز پرس نہ ہوگی۔ ۳۷: ۲۵

قُلْ لَا تَسْأَلُونَنَا عَمَّا أَجْرُ مَنْ أَوْلَا

نُشَالُ عَمَّا تَعْمَلُونَ

۲۵ سب

وہاں انسان صرف اپنے اپنے اعمال کا جواب دہ ہوگا۔ خواہ وہ اعمال خیر ہوں یا شر،

انسان کو صرف اسی کے اعمال کی جڑا ملے گی۔ کسی کے عمل کا دوسرے کے عمل سے کوئی واسطہ

نہ ہوگا۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ اس اعلان کا حکم دیا جا رہا ہے۔

تو (بس اخیر بات) یہ کہہ دیجئے (اچھا صاحب)

میرا کیا ہوا مجھ کو ملے گا اور تمہارا کیا ہوا ہمیں

ملے گا۔ تم میرے عمل سے بیزار ہو اور میں تمہارے

عمل سے بیزار ہوں۔ ۱۰: ۲۱

قُلْ لِي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ

أَنْتُمْ بَرِيئُونَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بِرِيءٌ

مِمَّا تَعْمَلُونَ ۚ

۲۱ یونس

دار البقا کا قانون تو یہ ہے کہ جس طرح ایک کانگاہ دوسرے کے کھٹنے میں نہیں ڈال سکتا
 اسی طرح کسی کا نیک عمل بھی دوسرے کے روزنامچہ میں تحریر نہیں کیا جاسکتا۔ وہاں انسان کو
 جزا صرف اس کے اعمال کی ملے گی۔ و دسر انسان خواہ کتنے بھی نیک عمل کر کے مرنے والوں
 کو سپلائی کرنا چاہے تو یہ سپلائی قطعاً ممکن نہیں۔ کیوں کہ عالم فنا اور عالم بقا میں موصلا
 لگا کوئی ذریعہ نہیں پایا جاتا۔

اور ان لوگوں کے آگے ایک چیز کی آزمائش
 وَمِنْ ذَرَأَتِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَى
 یَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝ المؤمنون ۱۰۰

ہے۔ قیامت کے دن تک۔ ۱۰۰: ۲۳

اس امر کو وہ لوگ بھی جانتے ہیں جو ایصال نامی مرض میں مبتلا ہیں۔ اسی لئے وہ
 سماع موتی اور مردوں کی زندگی کے قائل ہیں۔ اور اسی لئے وہ انہیں وسیلہ ماننے پر مجبور
 ہیں۔ لیکن ان حضرات نے آج تک اس ذریعے سے جتنے ٹیلی گرام یا ٹیلیکس بھیجے ہیں کسی
 کا جواب نہیں آیا۔ پھر بھی بد عقلی کی انتہا ہے کہ ہر روز ہزار ہا ایسے پیغام بھیجے جا رہے ہیں کہ
 شاید کسی وقت کوئی جواب آجائے۔ لیکن کوئی یہ نہیں سوچتا کہ عالم بالا سے جواب تو نپدرہ سوال
 قبل آچکا تھا۔ اور اعلان کیا جا چکا تھا۔

اور تم کو اس کا بدلہ ملے گا جو کچھ تم کیا کرتے
 وَمَا تَجْزَوْنَ إِلَّا مَا
 كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ

تھے۔ ۳۹: ۳۷

۳۹۔ الصفت

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمادی ہے کہ انسان کو اپنے اعمال کے علاوہ
 کسی اور کے عمل کی جزا قطعاً نہ ملے گی۔ خواہ اس کے لئے کتنی ہی مفروضہ تدابیر
 میموں نہ کی جائیں۔ اس کا کسی صورت میں بھی امکان نہیں کہ کسی کے عمل کی جزا دوسرے
 کو دے دی جائے، کیوں کہ اس آیت میں اپنے ذاتی اعمال کی جزا کے علاوہ ہر قسم کی جزا
 کی نفی کر دی گئی ہے۔ اس کلمہ سے کسی قسم کا استثناء نہیں کیا گیا۔ لیکن اگر پھر بھی کسی کے

ذہن میں یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ کوئی ذکوئی تو ایسی صورت ہوگی کہ جس کے ذریعہ اعمال کی اسمگلنگ ممکن ہو۔ کوئی ذکوئی تو چور دروازہ ہوگا جس کے ذریعہ یہ مصنوعی اور ناقص مال سپلائی کیا جاسکے۔ اور اس طرح عالم بالا کے مالک کو دھوکا دیا جاسکے۔ لیکن اس نے ادل ہی سے یہ شرط لگا دی ہے کہ

إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

بس تم کو تو اس کی جزا مل رہی ہے جو کچھ

تم (دنیا میں) کیا کرتے تھے۔ ۱۰۶۔ ۷

۷۔ العزیم

گویا اپنے ذاتی اعمال اور اپنے ذاتی مال کے علاوہ دوسرے کے مال و عمل کا کوئی معاوضہ ادا نہ کیا جائیگا کیوں کہ عربی زبان میں انما حضور کے لئے آتا ہے جسکا مقصود یہ ہوتا ہے کہ بیان کردہ صورت کے علاوہ اور صورت قطعاً ممکن نہیں۔ اگر یقیناً آئے تو یہ آیت ملاحظہ فرمائیے۔

إِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ ذَٰلِكُمُ الْكِفَ ۱۱۰ یَقِیْنًا تَهَادَرُ مَعْبُودَ اَیْکَ هِی مَبُودُہِ ۱۱۰۱۱۸

یعنی ایک ذات واحد کے علاوہ کسی اور الہ کا وجود ممکن نہیں نیز اوشاد ہے۔

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یَقِیْنًا مِیْن تَوْتُمْ مِیْثَ اَیْ بَشَرِہِی ۱۱۰۱۱۸

۱۱۰ ۱۱۸

۱۱۰۔ الکہف

یعنی یہ محال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بشریت کے علاوہ کسی اور مخلوق سے تعلق رکھتے ہوں اور اس طرح آپ بشریت سے خارج ہوں۔ افسوس تو یہ ہے کہ ہمارے علماء دیوبند بشریت کے مسئلہ میں انما کے لفظ پر پورا زور صرف کر دیتے ہیں۔ لیکن ایسا ہی ثواب کے معاملے میں انہوں نے یہ زندہ مکھی کتنے مزرے کے ساتھ نگل لی ہے۔ اور پھر کسی نے قے تک بھی نہ کی۔

اگر یہ لاعلمی کا وحیہ ہے یا اس سبب سے ہے کہ ان کا ذہن اس جانب متوجہ نہیں ہوا تو ہم اور ایسی متعدد آیات پیش کر رہے ہیں جن میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ

جنت صرف اپنے اعمال کی بدولت ملے گی۔ ارشاد ہے۔

قَبْلَ الْجَنَّةِ الَّتِي ادُخِرْتُمْوهَا
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

۲۲ الزخرف

اور ان سے کہا جاویگا، یہ جنت ہے جس کے
تم مالک بنادیئے گئے۔ اپنے (نیک) اعمال
کے عوض میں۔ ۲۲ : ۲۲

یعنی جنت کی وراثت انسان کے اپنے عمل پر موقوف ہوگی۔ یہ نہ ہوگا کہ عمل تو کوئی کرے
اور ثوابوں کے غیر قانونی نمٹارنامہ کی بناء پر قبضہ کوئی اور جاکر بیٹھ جائے۔ وہاں ناجائز قبضے کا کوئی
چکر نہ ہوگا۔ اور جنت میں جو نعمتیں میسر ہوں گی وہ صرف انسان کے اپنے اعمال پر موقوف
ہوں گی۔

سَلَوًا دَاخِرًا يُوْهِبُهَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ اِنَّكَ ذٰلِكَ
نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝

۲۳ المراتل

یعنی جنت کی یہ لذتیں، یہ کھانے پینے کی اشیاء اور مشروبات بلا معاوضہ دستیاب نہ
ہو سکیں گی۔ ان تمام چیزوں کا معاوضہ انسان کا اپنا ذاتی عمل ہے۔ یہ جو کچھ تمہیں عطا کیا جا رہا
ہے۔ بطور معاوضہ عطا کیا جا رہا ہے۔ ہاں تمہاری خوبی یہ ہے کہ تم نے نیک اور اچھا عمل پیش کیا
اور ہمارا اصول یہ ہے کہ ہم نیک عمل کرنے والوں کو اچھا صلہ دیتے ہیں۔ لیکن ساتھ ساتھ یہ ذہن نشین
رہے کہ یہ جنت صرف تمہارے ذاتی اعمال کا نتیجہ ہے۔ اس میں کسی اور کے عمل یا کردار کا کوئی
دخل نہیں۔ کیونکہ ہمارا طریقہ یہ ہے کہ ہم نیک صلہ نیکی کرنے والے کو دیتے ہیں۔ اسکا صلہ دوسروں
کو نہیں دیا کرتے۔ ہمارے یہاں یہ قطعاً نہیں ہوتا کہ ایصالِ ثواب کے نام پر دعوت کوئی کرے اور
ثواب مردہ لے سجاگے، قرآن کوئی پڑھے اور نام کسی کے لکھا جائے یہ احمقانہ اور زمیندارانہ
سسٹم دنیا میں تو کارفرما ہو سکتا ہے لیکن ہماری عدالت میں یہ سسٹم قطعاً نہیں چل سکتا۔

ہو رہا ہے کہ میاں صرف اپنے اپنے عمل دکھاؤ دوسروں کے عمل کو تو ردی کی لوگری میں پھینک دیا گیا ہے۔ آپ جس بھروسہ پر دنیا کو دھوکہ دے رہے تھے۔ اور قرآن کو چھوڑ کر لوگوں کو راہ ہدایت کی تلقین کر رہے تھے۔ اب یہاں کے لئے تمہارے پاس کیا ہے؟

صرف ایک جگہ نہیں بلکہ متعدد مقامات پر اس نے اپنا یہ فیصلہ بیان کیا ہے۔
 هَلْ تَجْزِدُونَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ اور تم کو وہی سزا دی جائے گی جو کچھ تم کرتے

تھے۔ ۹۰ : ۲۷

۹۰ انھیں

ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔

اور ان کو وہی سزا دی جائے گی جو کچھ یہ
 هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ

کرتے تھے۔ ۱۲۷ : ۷

۱۲۷ - اللہ عز وجل

اگرچہ ان ہر دو آیات کا سیاق و سباق یہ بیان کر رہا ہے کہ ان دونوں آیات کا تعلق کفار سے ہے اور اسی لئے مترجم یعنی مولوی اشرف علی تھانوی نے ترجمہ میں لفظ سزا کا اضافہ کیا ہے۔

لیکن تمام فقہاء کے نزدیک قرآن کا ہر حکم عام ہوتا ہے۔ اسے کسی طبقہ کے ساتھ اس وقت

تک مخصوص نہیں کیا جاسکتا جب تک خود قرآن میں اس کا مخصوص موجود نہ ہو۔ اور عربی لحاظ سے لفظ جزا عام ہے جو جزا اور سزا دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ تصور

کرتا ہے کہ چون کہ یہاں کفار اور ان کے گناہوں کی سزا کا ذکر ہے۔ اس لئے اس حکم میں نیک

اعمال داخل نہیں ہو سکتے تو ان سے عرض ہے کہ ان کو سابقہ آیات میں ایسی آیات بھی متعدد

جائیں گی جن میں اہل جنت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور وہاں بھی شرط نافذ کی گئی ہے۔ اور یہ ہرگز

نہیں ہو سکتا کہ ایک جگہ شرط کو باقی رکھا جائے اور دوسری جگہ شرط کو باطل قرار دے دیا

جائے کیوں کہ اگر شرط کو باطل قرار دے دیا گیا تو جنت اور اس کی نعمتیں ایک مہل شے قرار پائیں

گی۔ اس لئے کہ یہ تو مسلمہ اصول ہے اذافات الشاروطات المشروط۔ جب شرط

کا وجود ختم ہو گا تو مشروط خود ختم ہو جائیگا۔ اس طرح جنت کا کوئی وجود باقی نہ رہیگا۔ دیکھنا یہ ہے کہ اب ہمارے لٹا اپنی حاققوں سے یہیں کس منزل تک پہنچاتے ہیں۔

اگر تاویل پرست علماء کا ذہن ہماری بات قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو اس کا جواب بھی مرحمت فرما دیا ہے۔ اس لئے کہ وہ عالم الغیب خود جانتا ہے کہ اس امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے احبار و رہبان کسی حال میں بھی یہود اور نصیرانی احبار و رہبان سے کم نہیں اور یہ یہودیوں کے نقش قدم پر چل کر رہیں گے اسی لئے اس نے متعدد مقامات پر عمل کے ذکر کے ساتھ لفظ حسن اور احسن کا بھی اضافہ کیا ہے اور اس طرح ان یا وہ گوؤں کا منہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا ہے فرماتا ہے۔

يَجْزِيهِمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَحْسُونَ

تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کا اچھے سے

۱۲۱ التوبہ

اچھا بدلہ دے۔ ۱۲۱ : ۹

یہاں یہ لفظ احسن اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ اس آیت میں عمل صالح کی جزا کا ذکر ہو رہا ہے نہ کہ عمل بد کی جزا کا بلکہ اسی لئے ہم نے کسی آیت قرآنیہ کا ترجمہ اپنا تحریر نہیں کیا۔ بلکہ مولوی اشرف علی تھانوی کا ترجمہ پیش کیا۔ تاکہ ہمارا مولوی یہ نہ کہہ سکے کہ ہم نے ترجمہ غلط پیش کیا ہے۔ کیوں کہ یہیں روئے زمین پر لٹا سے زیادہ کسی چیز کا خوف محسوس نہیں ہوتا بلکہ انھیں دیکھ کر بہشتی کی یہ حدیث لگا ہوں کے سامنے گھومنے لگتی ہے۔

عنقریب لوگوں پر ایسا زما ز بھی آئے گا

سیاقی علی الناس زمان لا یبقی

کہ اسلام کا صرف نام ہی نام باقی رہ جائے گا

من الاسلام الا اسمه ولا یبقی من

اور قرآن میں اس کے علاوہ کچھ باقی نہ رہے گا

القرآن الا رسمہ مساجدہم عاقر

گا۔ کہ اس کے نشانات یعنی تحریر آ باقی رہے

دھی خراب من العدی علماؤہم

جائیگا۔ بنظاہر تو مساجد تعمیر شدہ موجود ہوں گی

تشی تحت ادیمہ السلام تحرج منہم

لیکن ہدایت سے ویران ہوں گی من لوگوں
کے علماء آسمان کے نیچے سب سے زیادہ شریعہ ہوں
گئے۔ انہی سے فتنے اٹھیں گے اور انہیں
پر لوٹ جائیں گے۔

ہمارے اس کہنے کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ تمام علماء فتنہ و شر میں مبتلا ہیں۔ کیوں کہ یہ تو
قانون الہی ہے کہ ہر شے کے ساتھ خیر کا وجود ضرور ہوتا ہے۔ لہذا ابھی یہ جہان علماء خیر سے خالی
نہیں ہوا۔ اگرچہ وہ آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ اور چوں کہ دنیا کی فریب کاریوں سے علیحدہ
رہتے ہیں۔ اس لئے ان کے نام کا ڈنکا بھی نہیں بٹتا۔ لیکن موجودہ دور میں اکثریت
دکانداروں کی ہے جنہوں نے مساجد اور مدارس کو ٹھیلی بازار بنا دیا ہے۔

سورت النور میں ارشاد فرماتے ہیں۔ یہ ہو گا کہ اللہ ان کے اعمال کا بہت
بِخَيْرٍ يَمُومُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ
يَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهِ ؕ
۳۸ سورہ

یہی اچھا بدلہ دیگا۔ (یعنی حنت) اور (علاوہ
جزا کے) ان کو اپنے فضل سے اور بھی زیادہ
دے گا۔ ۲۷ : ۳۸

یہ بھی اچھے اعمال کی جزا کا ذکر ہے نہ کہ اعمالِ بد کی جزا کا۔ کہ ہم لوگوں کے اچھے اعمال
کی اچھی جزا دیں گے، یہاں بھی یہ جزا اعلیٰ کے ساتھ مشروط ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا
ہے۔

وَلَيَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ
اور ہم (آخرت میں) ان کے اچھے کاموں کے
عوض میں ان کو اجر دیں گے۔ ۹۷ : ۱۱۶

بلکہ بعض مقامات پر اللہ تعالیٰ نے جزائے خیر اور جزائے شرد دونوں کا ایک ساتھ تذکرہ کر کے
ان تادیل پرستوں کا ہمیشہ کے لئے منہ بند کر دیا تاکہ کوئی اندھی تقلید کا ذہنی مریض لفظ جزا
اور اجر سے کسی قسم کا دنیا کو دھوکہ نہ دے سکے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد نیک اعمال کی جزا انہیں بلکہ

۶۰
 بُرِّىَ اَعْمَالُ كى جزا اس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کا جو قرآن پر ہر وقت آ رہ چلا تے رہتے ہیں ہمیشہ
 يَكْسِبُ مَنْهَ بِنْدُ كَرِيَا۔ ارشاد ہوتا ہے۔
 يَجْزِي الَّذِينَ اَسَاءُوا بِمَا
 ان کے کام کے عوض میں (خاص طور کی جزا
 عَلِمُوْا وَيَجْزِي الَّذِينَ اَحْسَنُوْا
 دینگا۔ اور نیک کام کرنے والوں کو ان کے
 نِيكَامُوْنَ كے عوض میں جزا دینگا۔
 بِالْحَسَنٰۤى ۝

۳۱:۵۳

۳۱۔ البقرہ

جو شخص نیک کام کرتا ہے سو اپنے ذاتی نفع
 مِنْ عَمَلٍ مَّالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۖ وَ
 کے لئے بنا در جو شخص برا کام کرتا ہے اس کا
 دَبَالِ اِسى پر پڑتا ہے۔
 مِّنْ اَسَاۤءٍ فَعَلَيْهَا ۚ

۱۵:۲۵

البقرہ - ۱۵

بلکہ اللہ تعالیٰ نے موت و حیات کا یہ چکر بھی اسی لئے چلایا کہ دیکھیں انسان کس قسم
 کے اعمال انجام دیتا ہے تاکہ اس کے عمل کے مطابق اسے معاوضہ دیا جاسکے۔ سورہ ملک
 میں موت و حیات کے اس چکر کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰۤةَ
 جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا تاکہ
 تہماری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص
 عَمَلًا
 عمل میں زیادہ اچھا ہے

۲:۶۷

۲۔ الملک

کافروں کو بھی جو سزا ملے گی وہ انہیں کے اعمال کا نتیجہ ہوگی۔ نہ کہ کسی اور کے
 عمل کا۔

فَاَلْيَوْمَ تَجَبَّدُوْنَ
 بس آج تمہیں تمہارے اعمال کی وجہ
 عَذَابِ الصُّوْبِ
 سے ذلیل کن عذاب دیا جائیگا۔

بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ

نیز ارشاد ہے۔
الاحقاف ۲۰

۲۰ : ۱۲۶

ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے ان کاموں کے بدلے
میں جو کچھ وہ (نفاق و خلان) کرتے تھے۔
يَكْسِبُونَ ۵

۸ : ۱۰

۸۔ یونس

قیامت کے روز کفار اپنے اعمال بد کو دیکھ کر گھبرا جائیں گے، قرآن اس کا نقشہ ان الفاظ
میں کھینچتا ہے۔

تَرَى الظَّالِمِينَ مَسْفُوفِينَ ۖ هُمْ
كَسَبُوا دَهْوًا وَآتَوْا بِحُجَّتٍ
آپ ظالموں کو دیکھیں گے کہ اپنے ان اعمال
سے ڈرتے ہوں گے جن میں وہ مبتلا تھے۔

۲۲ : ۴۲

۲۲۔ الشوری

دنیا میں تو یہ لوگ بہت خوش مزاج تھے۔ بات بے بات قہقہے لگاتے تھے۔ کسی کا مذاق
اڑانے سے انھیں گریز نہ تھا بلکہ غریب و نادار کو رلانے میں انھیں مزہ آتا تھا۔ ان کی سبکدوشی
سے خوفِ الہی کے سبب ان کا ایک آنسو بھی نہ گرا تھا۔ لیکن اس جہاں میں ایسے لوگوں
کا مذاق اڑایا جائیگا۔

تَلِيضُكَو قَلِيلًا ۖ لَّيْسَ لَكَ كَثِيرٌ ۖ
هَبْ زَعْمًا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۵

سو تھوڑے دنوں (دنیا میں) بہنس پس
اور بہت دنوں (آخرت میں) روتے
ریں۔ ان کاموں کے بدلے میں جو کچھ کیا
کرتے تھے۔

۸۲ : ۹

۸۲۔ التہ

بلکہ جب جہنم میں داخل کیا جائے گا تو اذروئے سحر ان کے اعمال کا مذاق اڑایا جائیگا۔

اپنے اعمال کی بدولت ابدی عذاب
کا مزہ چکھو !

۱۴۱ : ۳۲

دُؤُوعَذَابِ الْجَهَنَّمَ بِمَا كُنْتُمْ

۱۳- السبۃ

نتیجہ یہ ظاہر ہے کہ مومن ہو یا کافر، نیک ہو یا بد سب کو اپنے اپنے اعمال کی جزا ملنی ہے۔ دوسروں کے اعمال سے کسی کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔ جس طرح ایصالِ عذاب سے کسی کو سزا نہیں مل سکتی۔ اسی طرح ایصالِ ثواب سے کسی کے اجر میں فائدہ نہیں ہو سکتا ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

إِنَّكَ أَنتَ فَاصِبُهُمْ أَذُولَ لَا تَقْبِرُونَ
سَدَّ آثَرُ عَلَيْنَا كَفَرًا إِنَّمَا
تَجْزُونَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۵

اس میں داخل ہو، پھر خواہ سہارا کرنا یا مہار نہ کرنا تمہارے حق میں دونوں برابر ہیں جیسا تم کرتے تھے ویسا ہی بدلہ تم کو دیا جائیگا ۱۶:۵۲

۱۶- الطور

نیز نفسِ جزاء کے معاملہ میں کوئی امت، کوئی طبقہ کوئی قوم اور کوئی فرد ایسا نہ ہوگا جس کے روبرو اسی کا اپنا اعمالِ نامل نہ ہو اور ہر ایک کو اسی کے اعمال کی جزا دی جائے گی اور اس روز آپ ہر فرقہ کو دیکھیں گے کہ (ہمارے خوف کے) زانو کے بن گر پڑیں گے ہر فرقہ اپنے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائیگا آج تم کو تمہارے کام کا بدلہ ملے گا ۲۸:۴۵

۲۸- الباقیہ

وہاں ہر انسان صرف اپنے اپنے اعمال کا جواب دہ ہوگا۔ خواہ وہ اعمالِ خیر ہو یا اعمالِ شر ہر انسان کو صرف اسی کے اعمال کی جزا ملے گی۔ کسی شخص کا دوسرے کے عمل سے کوئی واسطہ نہ ہوگا۔

فَقُلْ رَبِّیْ غَفْلٌ وَ لَکُمْ عَمَلُکُمْ ج
أَنْتُمْ بَرِیْئُونَ مِمَّا عَمَلُوا وَ أَنَا

آپ فرمادیجئے میرا عمل میرے کام آئیگا اور تمہارے عمل تمہارے کام آئیں گے

تم میرے عمل سے سبزار ہو۔ اور میں تمہارے

۱۰۔ یونس

عمل سے سبزار ہوں۔ ۱۰/۱۱

ادرجب ایک کا عمل دوسرے کے کام نہ آئے گا تو کسی کے عمل کا ثواب اور اجر کسی اور کو کیسے بخشا جاسکتا ہے۔ کیوں کہ ثواب تو نام ہے اس جزائے خیر کا جو عمل کے نتیجہ میں ملتی ہے۔ اور وہ اول تو انسان کے قبضہ میں نہیں پھر اگر قبضہ میں بھی ہو تو اللہ تعالیٰ نے ہر مقام پر جزا کا ذکر کیا ہے۔ اور اسے انسان کے اپنے عمل کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مقصود یہی ہے کہ غیر کے اجر کی نفی کی جائے۔ کیوں کہ زمانہ جاہلیت کے عرب بھی مرنے والے کے لئے اونٹ قربان کرتے اور لوگوں کو کھانے کھلایا کرتے تھے۔ پورا قرآن اسی کی نفی کر رہا ہے جتنی کہ حضرت عمرو بن عاص کا باپ جب مرا تو عمرو بن عاص اور ان کے بھائی نے باپ کے ایصال کے لئے دو سو اونٹ قربان کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ جسے عمرو بن عاص کے بھائی نے تو پورا کر دیا تھا اور عمرو بن عاص ایمان لانے تک اسے پورا نہ کر سکے تھے عمرو بن عاص نے حضور سے دریافت کیا کہ کیا میرے باپ کو کوئی چیز فائدہ پہنچا سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا تو بے اس نے توحید کا اقرار ہی نہیں کیا۔ تو اس کے لئے اب فائدے کا کیا سوال۔

انسان سے صرف اُسی کے عمل کا سوال ہوگا

قیامت کے روز یہ سوال قطعاً نہ ہوگا کہ تم نے مرنے والوں کے لئے کیا کیا کارہائے نمایاں انجام دیئے؟ کتنی دیگیں چڑھائیں؟ کتنے قرآنِ حکیم کئے یا کرائے؟ کتنے عرس کئے اور کتنی برسیاں منائیں؟ کتنی نیازیں دیں اور کتنی سبیلیں لگائیں؟ اور نہ مرنے والوں سے یہ سوال ہوگا کہ تمہارے لواحقین نے تمہارے نام سے کیا کیا فریب کھیلے اور کس کس طرح اسلام کا مذاق اڑایا ہے؟ وہ دفاتر کہاں ہیں جو تمہارے لواحقین نے تمہارے نام بلی کئے تھے؟ بلکہ وہاں صرف یہ سوال ہوگا کہ تم نے اپنی ذات کے لئے کیا کارنامہ انجام دیا تھا۔ ہمارے وہ کون سے احکامات ہیں جن پر تم نے عمل کیا تھا؟ پھر تمہارے وہ عمل ہماری رضا کے لئے تھے یا نام و نمود کے لئے؟ اس عمل کی انجام دہی کے وقت تمہارے ذہنوں میں ہمارا خوف چھایا ہوا تھا یا برادری میں ناک کٹنے کا خوف تھا؟ پھر اگر یہ عمل ہماری رضا کے لئے تھا تو اس میں مال حلال استعمال کیا گیا تھا یا مالِ حرام؟ اگر مالِ حلال استعمال کیا گیا تھا تو اس سے عرض دعوت تھی یا صدقہ مقصود تھا؟ اگر صدقہ مقصود تھا تو پھر برادری کے ہٹوں کنٹوں اور سرمایہ داروں کو کیوں کھلایا تھا؟ کیا صدقہ میں شرعی نقطہ نگاہ سے ان کا بھی کچھ حق تھا؟ اور کیا یہ ضروری تھا کہ صدقہ ڈھنڈوراپٹ کر کیا جائے؟ یہ تمام امور اس کے ثبوت ہیں کہ ان تمام امور کا مقصد اسلام کی لغت کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ اور اگر یہ مقصد نہ تھا تو تم انتہا درجہ کی خود فریبی میں مبتلا تھے۔

غرض اس عدالتِ عالیہ میں جتنے بھی سوالات ہوں گے وہ انسان کے اپنے ذاتی عمل سے متعلق ہوں گے۔ ہاں لواحقین جو امور مردے کے لئے انجام دیتے ہیں خواہ وہ امور موافق شرع ہوں یا خلاف شرع وہ کرنے والوں کے کھاتوں میں بکھے جائیں گے۔ اور انہی سے

ان کا سوال ہوگا۔ اگر وہ امور قابلِ اجر میں تو کرنے والوں کو اس کا اجر ملے گا۔ اور اگر قابلِ سزا میں تو اس کی سزا بھی ملے گی۔ لیکن ان امور کا مردوں سے کوئی واسطہ نہ ہوگا۔ اور نہ ان سے اس کا سوال کیا جائیگا۔

فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝
عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝
سو آپ کے پروردگار کی قسم (یعنی اپنی)
ہم ان سب سے ان کے اعمال کی ضرور
باز پرس کریں گے۔

۹۳: ۹۲، ۱۵

۹۲-۹۳-الجز

نیز ارشاد ہے۔

وَلَنَسْأَلَنَّ عَمَّا كُنتُمْ
تَعْمَلُونَ ۝
اور تم سے تمہارے اعمال کی ضرور باز پرس
ہوگی۔

۹۳: ۱۶

النحل-۹۳

نہ صرف سوالات پر اکتفا ہوگا۔ کیوں کہ اس صورت میں یہ امکان ہے کہ انسان "منافقت"
اور "تقیہ" اختیار کرتے ہوئے اپنے اعمال اور تخیلات کو چھپا جائے یا سوالات کے جواب دینے سے
گریز کرے کیوں کہ شل مشہور ہے کہ ایک چپ سو کو ہرائے بلکہ خود اللہ تعالیٰ بتائے گا کہ تم نے کیا
کیا کارنامے انجام دیئے تھے۔

ثُمَّ آيَتْنَا مَرْجِعَكُمْ فَفَنبِّئُكُمْ
بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝
پھر ہم اسے پاس تم کو آئیے پھر ہم
تمہارا کیا ہوا تم کو جہلا دیں گے۔ اور اس

کی سزا دیں گے۔ ۲۳: ۱۰

۲۳-یونس

چوں کہ ہمیشہ فیصلہ عدالت کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور عدالت ہی فردِ جرمِ عائد
کر کے سزا سناتی ہے۔ لہذا اس عدالت میں بھی یہی کچھ ہوگا۔

إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ
بس ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے

يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝
 پھر ان کو ان کا کیا ہوا جملہ دیں گے ۶: ۱۶۰
 اس عدالت میں جاہزی بھی ضروری اور یہ بھی ضروری کہ انسان کی تمام حرکات بتا دی
 جائیں کیوں کہ انسان اپنا قصور ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

إِنَّمَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ
 بِمَا عَمِلُوا ۝
 ان سب کو ہمارے پاس ہی لوٹنا ہے سو
 ہم جملہ دیں گے جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔

۱۳۰- النہاۃ

۲۳: ۳۱

ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ
 وَيَوْمَ يُزْجَعُونَ إِلَيْهِ
 فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ۝ وَاللَّهُ
 بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

۶۳- انور

اللہ تعالیٰ اس حالت کو بھی جانتا ہے
 جس پر تم (اب) ہو اور اللہ تعالیٰ اس
 دن کو بھی جانتا ہے جس میں جب اس
 کے پاس دوبارہ زندہ کر کے لائے جاؤ گے
 اؤ پھر وہ ان سب کو جملہ دیگا جو کچھ انہوں نے
 کیا تھا۔ اؤ اللہ تعالیٰ اس سب کو بھی جانتا ہے۔

اُس غالب علی کل غالب نے ایک ایک بات کا پہلے سے جواب مہیا کر دیا ہے۔ اس نے
 ایک ایک جزئیہ کو اتنی وضاحت سے بیان کیا ہے کہ اب دیومالائی کہانیوں اور افسانوں
 داستانوں کی کوئی حاجت باقی نہیں رہی۔ وہ جانتا ہے کہ میری اس مخلوق میں بھول کا مادہ بھی
 ہے۔ بلکہ بااوقات یہ تجاہل عارفانہ سے بھی کام لیتا ہے۔ اور اپنی بات منوانے کے لئے جھگڑنے
 کا بھی عادی ہے۔ لہذا ان امور کی جانب بھی اشارہ کرتا اور کہتا ہے۔

يَوْمَ يَنْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا
 فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ۝
 اَحْصَاهُ اللَّهُ وَنَسُوهُ ۝
 جس روز ان سب کو اللہ تعالیٰ زندہ کرے گا
 پھر ان سب کا کیا ہوا ان کو بتلے گا۔ کیونکہ
 اللہ تعالیٰ نے وہ محفوظ کر رکھا ہے۔ اور یہ
 لوگ اس کو بھول گئے۔ ۵۸: ۶۱

۶- المائدہ

نیز ارشاد ہے

ثُمَّ يَنْبَغِي لَهُمْ بِمَا عَمِلُوا أَوْفَ
الْقِيَامَةِ ۝

۷۔ المائد

ایک مقام پر ارشاد ہے۔

كَلِمَاتٍ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا
بِمَا عَمِلُوا ۝

۵۰۔ حم السجده

ایک جگہ اور ارشاد ہے۔

ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ مَرْجِعُكُمْ
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُونَ ۝ الزمر ۷۰

ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

ثُمَّ إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ نَا
نَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُونَ ۝

۱۵۔ لقن

۱۵ : ۳۱

ان تمام آیات پر غور کیجئے تو ہر جگہ انسان کے اپنے عمل کا ذکر ہو رہا ہے۔ دوسروں کے انجام دیئے ہوئے افعال کا کوئی ذکر نہیں۔ اگر ہم اس قسم کی تمام آیات پیش کریں تو وہ سیکڑوں سے متجاوز ہوں گی لیکن تمام قرآن میں کوئی شخص ایک لفظ بھی ایسا نہیں دکھا سکتا جس میں دوسرے کے عمل کو کسی انسان سے منسوب کیا گیا ہو یا ان پر اجر کا کوئی مہر مہری سا بھی تذکرہ کیا گیا ہو۔

پھر ان سب کو قیامت کے روزان
کے کئے ہوئے کام بتا دیگا

۷۸ : ۷۷

پھر ہم ان منکروں کو ان کے یہ سب
اعمال ضرور بتلا دیں گے۔

۷۱ : ۵۰

پھر اپنے پروردگار کے پاس تم کو لوٹ کر
جانا ہوگا۔ سو وہ تم کو تمہارے اعمال بتلا
دے گا ۳۹ : ۷۷

پھر تم سب کو میرے پاس آنا ہے پھر میں
تم کو جہنم دوں گا جو کچھ تم کرتے تھے۔

۶۸
 بلکہ کوئی شخص بھی اقیامت قرآن سے ایک اشارہ بھی ثابت نہیں کر سکتا۔ اور میں تو یہ حکم دیا گیا ہے۔

اے لوگو اس چیز کی اتباع کرو، جو تمہارے
 پروردگار کی طرف سے تمہاری طرف نازل کی
 گئی ہے اور اللہ کو چھوڑ کر ادنیٰ کی اتباع نہ کرو

۳۱۷

۳۔ الامارات

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جا رہا ہے۔

اے نبی اس پر چلیے جو تمہارے پروردگار
 کی جانب سے وحی ہوتی ہے

۱۰۶ : ۶

النعام - ۱۰۶

ایک مسلم ہونے کے ناطے ہمارا بنیادی عقیدہ تو یہ ہونا چاہیے کہ جس چیز کی صراحت اللہ
 تعالیٰ نے کتاب اللہ میں فرمادی ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے آباؤ اجداد اور پیروں اور دلیوں
 کی اتباع کو گندی الی میں پھینک دیں۔ یا پھر بر ملا اس کا دعویٰ کریں کہ میں کتاب اللہ کے
 احکام قبول نہیں تاکہ میں بھی یہ سوچ سکیں کہ تم سے کس قسم کا معاملہ کیا جائے وہ معاملہ جو مسلمانوں کے
 ساتھ ہوتا ہے یا وہ معاملہ جو غیر مسلموں کیساتھ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ انسان کے کسی عمل سے غافل نہیں

اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میری اس تخلیق کی فطرت کیا ہے، وہ اس سے بھی واقف
 ہے کہ انسان اپنی غلطی کو کبھی خوشی سے قبول نہیں کرتا۔ یہ انتہا سے زیادہ جاہل بھی ہے۔ اور اسی
 جہالت کا نتیجہ ہے کہ اس میں جھوٹ، بدعہدی اور منافقت کا مادہ بکرا ہوا ہے۔ یہ
 اپنی بات سے مکرنا بھی خوب جانتا ہے اور دوسروں کو جھٹلانا بھی۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسانی تخلیق کے ساتھ ساتھ ان تمام راہوں کا سد باب فرمایا جن کے ذریعہ انسان راہ فرار اختیار کر سکے، اس نے وہ تمام چور دروازے بند کر دیئے جن سے انسان بھاگنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ انسان کی ایک فطرت یہ بھی ہے کہ یہ اپنی ذات پر رنج نہیں آنے دیتا۔ اور ہمیشہ دوسروں کو مورد الزام ٹھہراتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے دوسرے کی آنکھ کا نمکا تو نظر آتا ہے۔ لیکن اپنی آنکھ کا شہیر نظر نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان چور دروازوں کو بند کرنے کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے جن میں سے ہم چند ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

اول۔ انسانی ذہن میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے ہر عمل سے واقف ہے۔ وہ اس کی ایک ایک حرکت کو دیکھتا اور جانتا ہے انسان کا کوئی ظاہری اور باطنی عمل ایسا نہیں جو اللہ کے احاطہ علم سے باہر ہو۔ پورا قرآن اسی محور پر گھوم رہا ہے۔ ارشاد ہے۔

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ
اور وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے، خواہ تم لوگ کہیں بھی ہو اور وہ تمہارے سبب عالم

الحمدیہ ۲
کو بھی دیکھتا ہے۔ ۲۱۵۷

سورۃ محمد میں ارشاد ہے۔

وَاللَّهُ مَعَكُمْ ذَاتُ
يَتَرَكُكُمْ أَهْمًا لَكُمْ

اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے اعمال میں ہرگز کمی نہ کرے گا۔

۳۵۱۷۷

۳۵ محمد

سورۃ یونس میں ارشاد فرماتے ہیں۔

ثُمَّ اللَّهُ شَهِدَ عَلَيَّ

پھر (سب کو معلوم ہے) کہ اللہ ان سب کے

افعال کی اطلاع رکھتا ہے۔

۳۶ : ۱۰

مَا يَفْعَلُونَ ۝

۳۶۔ یونس

اسی سورت میں ارشاد ہے۔

لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ۝

۱۲۔ یونس

سورة ہود میں ہے۔

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ

عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ ۱۲۲۔ ہود

سورة النعام میں فرماتے ہیں۔

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ

عَمَّا يَحْمَلُونَ ۝ ۱۲۲۔ النعام

اور آپ کا رب ان باتوں سے بے خبر

نہیں ہے، جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو۔

۱۲۳ : ۱۱

اور آپ کا رب ان کے اعمال سے بے خبر

نہیں۔ ۱۳۲ : ۶

سورة النحل میں ارشاد ہے۔

بَلَىٰ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا

كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

۲۸۔ النحل

کیوں نہیں بے شک اللہ تعالیٰ کو تمہارے

اعمال کی پوری اطلاع ہے۔

۲۸ : ۱۶

المائدہ میں فرماتے ہیں

إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا

تَعْمَلُونَ ۝

۸۔ المائدہ

بے شک اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال

کی پوری اطلاع ہے۔

۸ : ۵

التغابن میں ارشاد ہے

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ
خَبِيرٌ

اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی
پوری خبر رکھتا ہے۔

التاب ۸

۸۱۶۴

سورۃ ابراہیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا تَعْمَلُونَ
الْظَّالِمُونَ ۝

اور اللہ تعالیٰ کو ظالموں کے عمل سے بے خبر
نہ جانا

ابراہیم - ۴۲

۴۲۱۱۴

نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ انسان کے اعمال سے باخبر ہے۔ انسان کے ایک ایک لمحہ کی
اسے اطلاع ہے۔ بلکہ وہ انسان کے اعمال کو خود بھی دیکھ رہا ہے۔ تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے
کہ مجھ نے آپ کو غلط اطلاع بہم پہنچائی ہے۔ ارشاد ہے۔
وَاللّٰهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝

آل عمران ۱۶۲

۱۶۲۱۳

سورۃ التاب میں ارشاد ہے۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

اور اللہ تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے

التاب - ۲

۲:۶۴

افرض قرآن اس قسم کے جملوں سے بھرا ہوا ہے اور ہر جملہ میں انسان کے عمل
ہی کو مقصود بالذات قرار دیا گیا ہے۔ کسی مقام پر بھی یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ دارین و موافقین
تمہارے نام جو ایصال کرتے ہیں ہم اس سے بھی واقف ہیں اور جب اس قسم کا کوئی جملہ
نہیں پایا جاتا تو یہ دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو یہ کہ اس فرضی ایصال کا کوئی وجود نہیں
یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناواقف اور غافل ہے۔ یہ دوسری صورت جہاں انسان کو کفر
تک پہنچاتی ہو وہاں اس سے یہ خود ثابت ہو جاتا ہے کہ اس قسم کے اعمال کا کوئی صلہ نہ ملے گا کیونکہ

اللہ تعالیٰ تو ایسی شے کا صلہ دینگا جس سے واقف ہو۔ اور جس شے سے وہ واقف نہ ہو اسکا صلہ کیسے ملے گا اور ایسا خدا جو ہر امور سے واقف نہ ہو وہ مجوسیوں اور شیعوں کا خدا ہے ماسی لئے وہ لفظ خدا استعمال کرتے ہیں جو ایک بھنگی کے لئے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ تو ہر شے سے واقف اور باخبر ہے۔ وہ تو اتنا صاحب علم ہے کہ دل کے پنہاں رازوں کو بھی خوب جانتا ہے۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذٰاتِ الصُّدُوْرِ
اور اللہ دونوں تک کی باتوں کو جاننے والا ہے۔

تغابن: ۴۷

۴: ۷۶

نہ صرف واقف بلکہ روز قیامت ان کا محاسبہ بھی فرمائے گا۔

وَإِنْ تَبَدُّوْا مَآفِیْ أَنْفُسِكُمْ
اور جو باتیں تمہارے نفسوں میں ہیں
أَوْ تَخْفَوْنَ بِهَا سَبْعَ مِائَاتِ
ان کو اگر تم ظاہر کرو گے یا مخفی رکھو گے
بِهِ السَّهْوُ
حق تعالیٰ تم سے حساب لیں گے۔

۲۸۴: ۲

۲۸۴: ۲

دوئم۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ نگران بھی متعین کر دیئے ہیں کہ وہ یہ دیکھتے رہیں کہ انسان کیا کیا افعال انجام دے رہا ہے۔ گویا ہر انسان کے ساتھ جاسوس لگے ہوئے ہیں۔ اور دیکھ رہے ہیں کہ انسان کہیں حکومت الہیہ کے خلاف بغاوت اور سازش میں تو مصروف نہیں۔ کیوں کہ یہ سیاسی دھڑے بندیوں کا ماہر ہے۔

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ
وہ کوئی لفظ نہ سے نہ نکالنے نہیں پاتا

۸۸

۱۸: ۵۰

حکومت الہیہ کے ان جاسوسوں کو کرائی کا تبین کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور یہ انسان کے ذاتی اعمال تحریر کرتے ہیں۔ ارسال کردہ نہیں۔

بِرَّامًا كَاتِبِينَ ۝ يَكْتُبُونَ مَا
مہرز لکھنے والے جانتے ہیں جو تم کرتے

ہو - ۸۲ : ۱۱ - ۱۲

تَفْعَلُونَ ۝ - الانعام - ۱۱ - ۱۲

سوئم :- ان جاسوسوں کے ذمہ جہاں انسانوں کی نگرانی سپرد کی گئی ہے۔ وہاں ان کی ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ انسان کے ہر ہر عمل کو درجہ تحریر میں لایا جائے تاکہ وہ پوری تحریر مجرم کے سامنے پیش کر کے اس سے محاسبہ کیا جاسکے۔

وَلَدَيَا كِتَبٌ يَنْطِقُ بِالْحَقِّ ۝
اور ہمارے پاس ایک ایسی تحریر ہے جو سچ
بولتی ہے۔ اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔
المومنون ۱۲

اس میں جو بات بھی تحریر کی جائے گی وہ حقیقت پر مبنی ہوگی۔ کیوں کہ ہمارے
جاسوسوں میں جھوٹ کا مادہ نہیں پایا جاتا۔

هَذَا كِتَابُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۝
یہ نامہ اعمال ہمارا دفتر ہے جو تمہارے
مقابلے میں ٹھیک ٹھیک بول رہا ہے۔
اور ہم (دنیا میں) تمہارے اعمال کو درجہ
الہامیہ ۲۹

۴۔ ان تمام انتظامات کے باوجود ممکن ہے کہ انسان ان تمام شہادتوں کو اپنی
فطرت کے مطابق جھٹلاوے اور قرآن سے یہ ثابت بھی ہوتا ہے کہ قیامت کے روز
انسان اپنی بد عملی سے صاف کر جائیگا۔ بلکہ اپنی ذمہ داری دوسروں پر ڈالنے کی کوشش
کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا بندوبست بھی فرمایا ہے۔ تاکہ یہ چور دروازہ بھی بند ہو جائے
ارشاد ہے -

الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَ
تُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ
أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝
آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے
اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے
اور ان کے پاؤں شہادت دیں گے

جو کچھ یہ لوگ کیا کرتے تھے . ۲۴ : ۶۵

ایک اور مقام پر ارشاد ہے ۔
يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ
الْاَسْنَةُ وَارْبَعُهُمْ
وَاَرْحَابُهُمْ بِمَا
كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

النور ۲۴

۲۴ : ۶۵

یہ تمام آیات کریمہ آخر کس بات کی شہادت دے رہی ہیں۔ ان میں سے ہر ہر آیت میں یہی ثابت کیا جا رہا ہے کہ ہر انسان کو صرف اپنے ذاتی اعمال کی جزا ملے گی اور دوسرے کے اعمال نہ اس کے دفتر میں لکھے جائیں گے اور نہ ان کے بارے میں اس سے سوال ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے عمل کو مختلف الفاظ میں تحریر فرمایا ہے۔ کبھی اس کیلئے لفظ "عمل" استعمال کیا گیا ہے کبھی لفظ "فعل" اور کبھی لفظ "کسب" اب تک ہم نے جو آیات پیش کی ہیں ان میں بیشتر مقامات پر یہی تینوں الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اب ہم قارئین کو ان آیات کی جانب توجہ دلا رہا ہوں جن میں لفظ "سعی" استعمال کیا گیا ہے۔ ارشاد الہی ہے۔

وَاَنْ لِّیْسَ لِلْاِنْسَانِ
اِلَّا مَا سَعٰ ۝ وَاَنْ
سَعٰیہٗ سَوْفَ یُرٰی
ثُمَّ یُجْزٰہُ الْجِزَاۗءُ
الْاَوَّلٰی ۝

۵۳ : ۳۹ - ۴۱

۳۹ : ۴۱ - ۵۳

پہلی آیت میں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ انسان کو اپنی ذاتی سعی کے علاوہ کچھ نہ ملے گا۔ اور

چوں کہ ایصالِ ثواب کی جتنی بھی صورتیں ہیں ان کا مرنے والے کی سعی سے کوئی تعلق نہیں لہذا ان چیزوں کا مرنے والے کو ہرگز اجر نہ ملے گا دوسری آیت میں یہ وضاحت بھی کی جا رہی ہے کہ وہاں انسان کو صرف اپنی سعی نظر آئے گی۔ اور اسکا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا اب صرف ایک امکانی صورت ایسی باقی رہ جاتی ہے جس سے مرنے کے بعد بھی

انسان کو اس کے عمل کا اجر مل سکے۔ اور وہ صورت یہ ہے کہ انسان کسی ایسے کارِ خیر کی بنیاد رکھے جس کا سلسلہ بعد میں بھی قائم رہے تو یہ صدقہ جاریہ ہوگا۔ جسکا سے اجر ملتا رہیگا یا کسی بات کی وصیت یا کارِ خیر کا حکم کر کے مرے، اور اپنی جانب سے اس کا بندوبست بھی کرے

تو چوں کہ یہ مرنے والے کی سعی ہے۔ اس لحاظ سے اسے اجر ملے گا گویا مرنے والا ایک موکل کی طرح ہے بعد میں جو اس کام کو پورا کر رہا ہے اس کی حیثیت ایک وکیل کی ہے۔ اور وکیل کا فرض ہے کہ موکل نے جو خدمت اسے سپرد کی ہے وہ اسے انجام دے

اس لحاظ سے یہ عمل موکل کے دفتر میں لکھا جائیگا۔ اور چوں کہ وکیل اس کی تکمیل کا ذمہ نہ لے۔ لہذا وہ بھی اپنی سعی کا اجر حاصل کرے گا جیسا کہ کسی کی جانب سے چھوڑ دیا، مرنے والے کی وصیت سے مدرسہ یا مسجد بنانا لیکن اگر مرنے والے کا اس عمل میں کوئی دخل نہیں تو وہ عمل وارث کے دفتر میں تو لکھا جاسکتا ہے۔ لیکن مرنے والے کے کھاتے سے اس کا کچھ بھی تعلق نہ ہوگا۔ پورا قرآن اسی شہادت سے پڑھا ہے۔

اتفاق سے تائید میں پیش کی جانے والی احادیث میں جتنی بھی صورتیں مروی ہیں ان میں مرنے والے کے عمل کا کچھ نہ کچھ دخل موجود ہے۔ لیکن علماء نے تقلید پرستی کے مرض میں مبتلا ہو کر انھیں ہر صورت کے لئے ایک کلیہ تصور کر لیا۔ اور قرآن کی تائید شروع کر دیں۔ اگر وہ احادیث کی چھان بین کرتے اور راویوں کے تمام اختلافی الفاظ کو جمع کر کے دیکھتے تو یہ حقیقت خود بخود ان پر واضح ہو جاتی۔ انشاء اللہ ہم اس کی تفصیل احادیث کے باب میں پیش کریں گے، لیکن جبکا مطمح نظر یہ ہو کہ ہم اہل سنت اس لئے کہلاتے

ہیں کہ سن کر ایمان لائے ہیں۔ اس کا نتیجہ اس کے علاوہ اور کیا نکل سکتا تھا کہ عقل و فہم
سن ہو کر رہ جائیں

ایک اور آیت میں اس سہی "کوان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

وَمَنْ أَرَادَ إِحْبَارَةً وَسَعَى
لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ
فَنَاقِلٌ كَانَ سَعْيُهُمْ
مَشْكُورًا ۝۱

اور جو شخص آخرت (کے ثواب) کی نیت
رکھیں گا اور اس کے لئے عیسائی سعی کرنی پائے
وہی ہی سعی بھی کرے گا۔ بشرطیکہ وہ
شخص مومن بھی ہو۔ سو ایسے لوگوں کی یہ
سعی مقبول ہوگی۔ ۱۴:۱۷

۱۹ بنی اسرائیل

ایک مقام پر نہایت مختصر الفاظ میں یہ طے کیا گیا ہے

لَتَجْزِيَنَّ كُلُّ نَفْسٍ
بِمَا كَسَبَتْ ۝ ط ۱۵-۱۶

تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ مل جائے۔
۱۵:۲۰

یعنی ہر نفس کو اس کی سعی کی جزا ضرور ملے گی۔ غور کیجئے اور سوچئے کہ یہ ایسا بڑا ثواب فائق
خواری اور دیگر اس قسم کے امور کس کی سعی ہیں۔ مرنے والے کی یا اس کے لواحقین کی؟ یہ مردوں
کے نام پر ڈنڈوں کا دیکھو۔ اس کے لئے دولت کس کی خرچ ہوئی ہے؟ ظاہر ہے کہ اس میں
مردے کی سعی کو ذرہ برابر دخل نہیں۔ اسی لئے جس کی سعی ہے اس کے کھاتے میں اسے ڈالا
جائیگا۔ اور دنیا میں بھی یہی ہوتا آیا ہے کہ دعوت ارٹالنے والے دعوت کرنے والے کی تعریف کے
گن گاتے ہیں کہ فلاں نے بہت عمدہ قرعہ مایا کر لیا تھا۔ فلاں نے فلاں کی جو برسی منائی تھی
اس میں اتنا لذت دار کھانا تھا کہ لوگ انگلیاں چاٹتے رہ گئے۔ بلکہ پیٹ میں اتنا ٹھوسا کہ پیٹ
پر ہاتھ پھیرنے پر مجبور ہو گئے۔ یہ سب کچھ سعی کس کی تھی؟ یہ تو آپ کے الفاظ نے خود ظاہر کر دیا
ہے کہ جس کی سعی ہے وہ اسی کے نام لکھی جائے گی۔ اگر ابھی سعی ہے تو وہ بارگاہِ الہی میں ضائع
بھی نہ ہوگی۔

فَمَنْ يُضِلْ بَيْنَ الشَّيْخَيْنِ وَهُوَ
مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ
إِنَّا لَهُ كَاتِبُونَ ۝

الانبیاء- ۹۴

سو جو شخص نیک کام کرتا ہوگا اور وہ
ایمان والا بھی ہوگا۔ سو اس کی محنت
اکارت جائے والی نہیں۔ اور ہم اس
کو لکھ لیتے ہیں۔ ۹۴: ۲۱

تقدیم عمل

بعض مقامات پر ایک نئی اصطلاح استعمال کی گئی ہے یعنی مَأَقَدَ مَتِّ يَدَاہُ دجہ
کچھ تم نے دنیا میں کر کے آگے بھیجا ہے، اسے تقدیم عمل کہہ لیجئے۔ اس کے لئے دو الفاظ استعمال کئے
گئے ہیں یعنی۔ مَأَقَدَ مَتِّ اور مَا أَسْلَفَتْ یعنی تم اپنی دنیاوی زندگی میں جو مال برآمد
کر چکے تھے، اس کا معاوضہ اب تمہیں دیا جائیگا۔ ان میں سے کوئی پارسل ضائع نہیں ہوا
لیکن شرط یہی ہے کہ وہ مال تم نے خود بھیجا ہو۔ کیوں کہ ہمارے یہاں کسی کا معاوضہ
دوسرے کو قطعاً نہیں تھا یا جاتا، کیوں کہ یہ سراسر ظلم ہے۔

ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ يَدَاہُ
ثَوَاتَ اللّٰہِ لَیْسَ بِظُلْمٍ
لِّلْعَبِیْدِ ۝

الحج- ۱۰۰

یہ تیرے ہاتھ کے آگے بھیجے ہوئے کاموں
کا بدلہ ہے۔ اور یہ بات ثابت ہی ہے کہ
اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں

۱۰: ۲۲

یہ ان اعمال کی وجہ سے ہے جو تم نے اپنے
ہاتھوں سے کیے ہیں ۱۰۲: ۱۳

ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ أَيْدِیْكُمْ
۱۰۰ آیت قرآن

تہم کو کچھ بھی اپنے ہاتھوں عمل کیے آگے پہنائی کر دے گئے۔ وہ چیز تمہیں وہاں ضرور ملے گی۔

وَمَا تَقْدِرُوا إِلَّا أَنْفُسُكُمْ مِنْ خَيْرٍ
تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ أَوْ
عَظَمَ أَجْرًا ط

اور جو عمل اپنے لئے آگے (ذخیرہ آخرت بنانا)
بھیج دو گئے اس کو اللہ کے پاس پہنچ کر اس
سے اچھا اور ثواب میں بڑا پایاؤ گے،

المزہ-۳

۲۰ : ۷۳

شرطیں صرف دو ہیں اول یہ کہ وہ عمل غیر مہرہ دوسری شرط یہ ہے کہ اپنی ذات کے لئے انجام
دیا ہو جیسا کہ لفظ لَنْ لِنَفْسِكُمْ اس کی شہادت دے رہا ہے اور جو عمل دوسرے کے لئے
انجام دیا جائے گا اس کا ہمارے یہاں کوئی صلہ نہیں۔ اور نہ قیامت کے روز ایسا عمل
نظر آئے گا۔

يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ
يَدَاهُ

جس دن ہر شخص ان اعمال کو (اپنے سامنے)
حاضر پائے گا جو اس نے اپنے ہاتھوں آگے

بھیجے ہوں گے۔ ۲۰ : ۷۸

المزہ-۳

آخرت میں انسان کو جو نعمتیں ملیں گی وہ بھی اس مال کے عوض میں ملیں گی جو مال دنیا
میں اپنے ہاتھوں سے تیار کر کے روانہ کر چکے تھے۔ اور جو مال انہوں نے بھیجا ہی نہیں اس کے
مساوضے کا کیا سوال

كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا
أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ

کھاؤ اور پشو، مزے کے ساتھ ان اعمال کے صلہ
میں جو تم نے گزشتہ ایام میں کئے تھے۔

۲۴ : ۶۹

المزہ-۳

ہم اتنی آیات قارئین کی خدمت میں پیش کر چکے ہیں۔ لیکن پھر بھی یہ مولوی کے حلق سے
نیچے نہ اتریں گی۔ کیوں کہ اگر اس نے انہیں حلق سے نیچے اتار لیا تو پھر مفت کے شیر مال اور
قورمے کیسے کھانے کو ملیں گے۔ اور ان کی یہ تو نہ پھر کیسے بڑھ سکے گی۔ ہم قارئین کو

سمجھانے کے لئے اور بھی آیات پیش کئے دیتے ہیں۔ اگرچہ حتی الامکان ہم نے یہی کوشش کی ہے کہ کوئی آیت مکرر نہ لائی جائے۔ لیکن اگر ایک ہی مضمون کی آیت متعدد سورتوں میں آگئی ہے تو ہم نے بعض جگہ اسے نقل کر دیا ہے۔

عذاب الہی کے اسباب

ہم منظور بالا میں اشارۃً یہ تحریر کیا تھا کہ عمل خواہ خیر مہ یا شر، نیک ہو یا بد انسان میں سے ہر عمل دو حال سے خالی نہیں۔ یا وہ عمل ظاہری ہوگا جس کا تعلق حواس ظاہرہ یعنی اعضا جسمانی سے ہوگا یا وہ باطنی عمل ہوگا۔ یعنی ذہن و دماغ اور قلبی طور پر انسان اس سے متاثر ہوگا۔ جیسے عقائد ایمانیہ یا عقائد کفریہ، اس قسم کے تمام اعمال نیت سے تعلق رکھتے ہیں اور آخرت میں اعمال باطنہ کے متعلق ہی فیصلہ ہوتا ہے۔ اگرچہ دنیا میں ہر قانون کا تعلق اعمال ظاہرہ سے ہے۔ لیکن بیشتر اعمال باطنہ اعمال ظاہرہ کے محرک ہوتے ہیں۔ اسی لئے یہ کہا جاتا ہے کہ جس کا ظاہر اچھا ہوگا باطن بھی اچھا ہوگا۔ اور بسا اوقات ایسا ہی ہوتا ہے لیکن بعض اوقات انسان کا ظاہر ایک فریب اور دھوکا ہوتا ہے، اور اس عمل کے پیچھے کوئی بدعتی یا بد اعتقادی کار فرما ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ چوں کہ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ہے اس لئے اس کے یہاں ہر عمل میں نیت کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے۔ اسی لئے جب وہ لفظ کسب، سعی، عمل اور فعل وغیرہ کے الفاظ استعمال کرتا ہے تو اس کے نزدیک ہر دو قسم کے افعال و اعمال مراد ہوتے ہیں نہ کہ صرف اعمال ظاہرہ۔ یعنی اس کے کاتین، جہاں اعمال ظاہرہ تحریر کرتے ہیں، وہاں اعمال باطنہ کو بھی تحریر میں لایا جاتا ہے اور قیامت کے روز یہ تمام اعمال پیش کئے جائیں گے اور ان سب کی اچھی یا برے جزا دی جائے گی۔

قرآن جہاں بھی جزا کا ذکر کرتا ہے۔ وہاں کبھی اعمالِ ظاہرہ کو اس کا سبب قرار دیتا ہے کبھی اعمالِ باطنہ کو اور کبھی دونوں کو سبب قرار دیتا ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی مقررہ ایسی نہیں جسے شریعت کی زبان میں عمل نہ کہا جاتا ہو۔ یہی وہ اعمال و افعال ہیں جن پر آخرت کی جزا موقوف ہے۔ اگر ظاہر و باطن شریعت کے مطابق ہے تو وہ عمل صالح ہے اور اگر ظاہر یا باطن یا دونوں شریعت کے خلاف حرکت کر رہے ہیں تو وہ عمل سیدہ ہے۔

قرآن نے ثواب و عذاب، جنت و نار، جزائے خیر اور جزائے بد و دونوں کو عمل پر موقوف کیا ہے۔ خواہ وہ عمل ظاہرہ ہو یا باطنہ۔ ہم سطور ذیل میں اولاً وہ آیات پیش کریں گے جن میں عذاب کو عمل پر موقوف کیا گیا ہے۔ اور بعد میں وہ آیات پیش کریں گے جن میں ثواب اور جنت کو انسان کے ذاتی عمل پر موقوف قرار دیا گیا ہے۔

ہم پہلے یہ عرض کر چکے ہیں کہ قرآن عمل کو مختلف الفاظ سے موصوف کرتا ہے۔ کبھی لفظِ عمل استعمال کرتا ہے۔ کبھی لفظِ فعل، کبھی لفظِ کسب کبھی لفظِ سعی کبھی اس کے لئے مَا قَدَّمْتُ يَدَاهُ اپنے ہاتھوں انجام دے کر آگے روانہ کرنا اور کبھی مَا اسْلَفْتُ کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ اور ان سب کا مقصود وہ عمل ہے جو انسان اپنی دنیاوی زندگی میں انجام دے چکا۔ یہ کوئی ہماری نرالی منطق نہیں بلکہ تمام مفسرین اور ائمہ کرام ان آیات کی تفسیر میں یہی بات بیان کرتے آئے ہیں۔ حتیٰ کہ کفار و روز قیامت اس کی تمنا کریں گے کہ ہمیں دوبارہ عمل کی چھوٹ دی جائے اور اس کے لئے دوبارہ دنیا میں بھیجا جائے تاکہ ہم سے جو کوتاہی ہوئی ہے اس کا ازالہ ہو سکے۔

سورہ فجر میں کفار کا حال ان الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے۔

وَجَاءَ يَوْمَئِذٍ	اور اس روز جہنم کو لایا جاوے گا۔
بِحَبْهِمْ يُومِئِذٍ	اس روز انسان کو سمجھ آوے گی، اور
يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ	اب سمجھ آنے کا موقع کہاں رہا۔ کاش

قَالَ لَهُ الذِّكْرَىٰ ۝
يَقُولُ يٰلَيْتَنِي
وَدِدْتُ لِحَيَاتِي ۝

میں اس زندگی کے لئے کوئی دُنیک عمل
آگے بھیج دیتا۔

۲۳ : ۲۳ : ۸۹

۲۲-۲۳ البقرہ

یعنی اے افسوس ہو گا تو اس بات کا ہو گا کہ اس نے دنیاوی زندگی میں خود
اعمال کیوں انجام نہیں دیئے تھے۔ اے اس امر کی کوئی شکایت نہ ہو گی کہ میرے
لواحقین اور اعز و اقارب میرے مرنے کے بعد تواہل کی پارسل کیوں روانہ نہیں کئے
اور نہ پارسلوں کی وصولی کا وہاں کوئی ذکر ہو گا۔

ان لوگوں کو اس کا افسوس نہ صرف روز قیامت ہو گا۔ بلکہ فرشتہ اجل کو
دیکھتے ہی یہ تمنائیں شروع ہو جائیں گی، حالانکہ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب مرنے
والے کے لواحقین اس کے ارد گرد جمع ہوتے ہیں اور یسین تلاوت کی جاتی ہے۔
لیکن مرنے والا ان تمام امور سے بے نیاز ہو کر دل کی گہرائیوں کے ساتھ کہتا ہے،
رَبِّ ارْحَبْ عَوْنِ لِّعَلَّيْ
اَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا
سَرَكْتُ الْمُؤْمِنُونَ ۹۹-۱۰۰

اے میرے رب مجھ کو واپس بھیج دے
تاکہ جس کام کو میں چھوڑ آیا ہوں اس میں
پھر کاروبار کام کروں۔ ۲۳ : ۹۹-۱۰۰

لیکن بارگاہِ الہی سے جواب ملتا ہے۔

كَلَّا اِنَّهَا كَلِمَةٌ
سَوْفَا بُلُّهَا وَمِنْ
قَدَّ اَبْهَمُ بَرَزَخٍ
اِلَى يَوْمٍ يُبْعَثُونَ ۝

ہرگز (ایسا) نہیں ہو گا۔ یہ اس کی ایک بات
ہے جس کو یہ کہے جا رہا ہے۔ اور ان لوگوں
کے آگے ایک چیز کی آڑ آنے والی ہے (وہ)
اس سے موت ہے، قیامت کے دن تک

۲۳ : ۱۰۰

۱۰۰-المؤمنون

جن مجرمین نے اگے زادِ راہ روانہ نہیں کیا تھا اور پیشگی اعمال انجام نہیں دیے تھے۔ وہ قیامت کے روز سر جھکائے کھڑے ہوں گے۔ اور گڑا گڑا گڑا کر عرض کریں گے۔

رَبَّنَا آتِنَا مِن مَّا رَزَقْنَاهُ
فَاِذْ جِئْنَا لَنَعْمَلْ مِثْلَ
لَمَّا اِذَا مَوْقِنُونَ ۝

اے ہمارے پروردگار بس ہماری آنکھیں
اور کان کھل گئے سو ہم کو بھر بھیج دیجئے۔
ہم نیک کام کریں گے ہم کو پورا یقین

ہو گیا ۳۲ : ۱۲

لیکن جب انہیں جہنم کی جانب دھکیلا جائے گا اور اس کے کنارے پہنچیں گے تو
پھر یہی تمنا ہوگی۔

لَيْسَ أَفْرَدٌ وَلَا تَكْذِبُ يٰٓأَيُّهَا
رَبَّنَا وَتَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

ہم نے کیا اچھی بات ہو کہ ہم پھر واپس بھیج دیئے
جائیں اور اگر الیا ہو جائے تو ہم اپنے رب
کی آیات کو جھوٹا نہ بتاویں۔ اور ہم ایمان
والوں میں سے ہو جائیں۔ ۶ : ۲۸

اور جب اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ جھٹکا رہے کی کوئی صورت نہیں تو اپنے اعمال
بد سے صاف مکر جائیں گے۔ اور اپنے اوپر اسے الزام قرار دیں گے۔

مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوءٍ ۝
بَلَىٰ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ۝

ہم تو کوئی بُرا عمل نہ کرتے تھے۔ کیوں
نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ کو تمہارا
سب اعمال کی پوری خبر ہے۔

۲۸ : ۱۶

المحل ۲۸

یہ تروہ آیات کریمہ تھیں جن میں مجرمین کی تمناؤں کا ذکر کیا گیا ہے کہ کاش ہم دنیا میں کوئی
عمل کر لیتے۔ لیکن کسی آیت میں یہ تمنا بیان نہیں کی گئی کہ کاش ہمارے بھی اعزاء و اقارب
ہمارے نام کی فاتحہ دلوادیتے، یا کم از کم قرآن خوانی کر لیتے۔

اب رہیں وہ آیات جن میں مجرمین کی سزا اور ان کے جرائم کا حال بیان کیا گیا ہے۔

انہیں دنیاوی زندگی میں مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ
وَيَعْلَمُ مَا جَزَخْتُم بِالنَّهَارِ
ثُمَّ يَسْأَلُكُمْ فِيهِ لِيُبْخِشَ
أَجَلٌ مُّسَمًّى ۖ ثُمَّ إِلَيْهِ
مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمُ
بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

اور وہ ایسا ہی ہے کہ رات میں تمہاری روح
کو قبض کر دیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو
اس کو جانتا ہے پھر تم کو جگا اٹھاتا ہے تاکہ
معیاد معین تمام کر دی جائے پھر اسی کی طرف
تم کو جانا ہے پھر تم کو بتلا دے گا جو کچھ تم
کیا کرتے تھے۔ ۶۰ : ۶

یہ آیت ہر قسم کے افراد کے لئے عام ہے۔ اس لئے کہ اس میں زندوں کو مخاطب کیا
گیا ہے جس میں نیک و بد اور مومن و کافر شامل ہیں۔ اور ان ہر قسم کے افراد کو متنبہ
کیا جا رہا ہے کہ تم سب کو بارگاہِ الہی میں جمع ہونا ہے۔ اور وہاں تمہیں تمہارے انجام دینے
پر نئے اعمال سے باخبر کیا جائیگا۔ اور پھر وہ یہ تمنا کریں گے کہ ہمیں دنیا میں دوبارہ بھیج دیا
جائے۔ تاکہ ہم عمل کر کے اپنی کوتاہیوں کا ازالہ کر سکیں۔

لیکن اگر لواحقین کا عمل مرنے والے کو پہنچ سکتا۔ یا اس کا ثواب اسے حاصل ہو سکتا
تو اسے تو یہ عرض کرنا چاہیے تھا کہ لے پروردگار کچھ تو انتظار کیجئے۔ ابھی تو ہماری موت واقع
ہوئی ہے۔ دو تین روز میں ہمارے اعزاء ہمارے نام کی جو دیکھیں چڑھانے والے ہیں۔ ہمارا
تیمبہ، دسواں ادبیلہم بھی ہوگا۔ اور اس میں قرآن خوانی بھی ہوگی۔ پھر رسیوں پر یہی اختلافات
ہوں گے۔ ان سب حرکات کے ثواب ہمارے نام پارسل ہوتے ہیں۔ اور ہمیں ان کو وصول
کرنا ہے۔ ابھی تو ثوابوں کی وصولیابی مکمل نہیں ہوئی۔ ابھی سے سزا و جزا کا کیا مسئلہ اور قیامت
کے روزہ کہنا چاہئے تھا کہ ہمارے نام کی قرآن خوانیاں ہوئیں اور ثواب ایصال کئے گئے۔ وہ کہاں
گئے۔ انہیں بھی جانچ پڑتال میں شامل کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ نے موت کے وقت سے لے کر جہنم میں یا جنت میں داخل ہونے تک ایک ایک حالت بیان فرمائی ہے۔ لیکن کسی مقام پر بھی صراحتاً یا کنا یا تائید یا نہی نہیں کیا کہ وارثین کے اس عمل کا ثواب بھی انہیں ملے گا۔ جو ان کے نام سے انجام دیے گئے تھے۔ بلکہ ہر جگہ مرنے والے کے عمل کو پیش کر کے اسی پر سزا و جزا کا فیصلہ سنایا جا رہا ہے۔ اور ہر جگہ یہ اصول بیان کیا جا رہا ہے کہ تمہیں صرف تمہارے اعمال کی جزا ملے گی۔

ایک مقام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جا رہا ہے۔

وَذَرِ الَّذِينَ تَتَّخِذُ وَاْدِيْنَهُمْ
لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمْ الْغِيْبَةُ
الدُّنْيَا وَّذَكِّرْ بِهِ اَنْ تُبْسَلَ
نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ
لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاِلٰى وَا
شَفِيعٍ جَوَانٌ تَعْدِلُ كُلُّ عَدْلٍ
لَّا يُؤْخَذُ مِنْهَا اَوْ لِيَاكِ
الَّذِيْنَ اٰهْسَلُوْا بِمَا كَسَبُوْا
لَهُمْ شَرًّا بِمَنْ جِيْمُوْا
عَذَابُ الْيَوْمِ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ

اور ایسے لوگوں سے کنارہ کش رہو
جنہوں نے اپنے دین کو لہو و لعب بنا رکھا
ہے، اور دنیاوی زندگی نے ان کو دھوکہ
میں ڈال رکھا ہے۔ اور اس قرآن کے ذریعہ
سے نصیحت بھی کرتا رہ تاکہ کوئی شخص اپنے
کردار کے سبب اس طرح نہ پھنس جائے
کہ کوئی عجز اللہ اس کا نہ مددگار ہو، اور نہ
سفارشگر ہو۔ اور یہ کیفیت ہو کہ اگر دنیا
بھر کا معاوضہ بھی دے ڈالے تب بھی
اس سے نہ لیا جائے یہ ایسے ہی ہیں کہ اپنے
عمل کے سبب پھنس گئے ان کے لئے

«الانعام»

تیز گرم پانی پینے کے لئے ہوگا۔ ۷۰:۶

اس آیت میں عذاب کی اصل وجہ کسب بیان کی گئی ہے۔ کوئی کم فہم یہ اعتراض نہ کر بیٹھے کہ اصل وجہ کفر ہے نہ کہ کسب و عمل۔ کیوں کہ یہاں کفار کا ذکر ہو رہا ہے تو ہم سطور بالا میں یہ صراحت کر چکے ہیں کہ کفر و ایمان اور شرک و توحید یہ سب باطنی

اعمال ہیں۔ اور شریعت کی زبان میں وہ بھی کسب و عمل میں داخل ہیں۔ اس لحاظ سے کفر کسب و عمل کا ایک جزئیہ ہے۔ اس سے خارج نہیں۔

لیکن پھر بھی آپ کا یہ اعتراض سر آنکھوں پر۔ اس کے جواب میں ہم وہ آیات پیش کرنا چاہتے ہیں جن میں اہل جنت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور جن آیات میں صراط کی گئی ہے کہ اہل جنت کو یہ جنت ان کے اعمال کے صلے میں ملے گی۔

”سورة المرسلات میں متقین کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے۔

إِنَّا الْمُتَّقِينَ فِي ظُلُمٍ وَغُيُوثٍ
دَفْوَالِكُمْ مَّا يَشْتَهُونَ هُكُومًا
وَأَشْرَوْا هَنِيئًا كَمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُونَ هَإِنَّا كَذَالِكَ نَجْزِي
الْمُحْسِنِينَ

یقیناً پرہیزگار لوگ سیالوں میں اور
چشموں میں اور مرغوب میوؤں میں ہونگے
(اور ان سے کہا جائیگا) کہ اپنے اعمال کے
صلہ میں خوب مزے سے کھاؤ پیو، ہم
نیک لوگوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں

۴۴ : ۴۱ - ۴۴

المرسلات ۴۱-۴۴

ان آیات میں یہ امر وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ متقین کو جنت کی نعمتیں جو عطا کی جائیں گی یہ ان کے اپنے اعمال کی جزا ہوگی۔ یہ لوگ قرآن خوانینوں کے ڈرائیو اور فاتحہ خوانی کے علودوں کے ذریعے جنت میں نہ جائیں گے۔ بلکہ یہ صرف ان کے اپنے اعمال کی جزا ہوگی اور اسی کا انھیں صلہ ملے گا۔ کیوں کہ ہمارا اصول یہ ہے کہ ہم نیکی کرنے والوں کو نیک صلہ دیا کرتے ہیں۔ ہمارا اصول یہ نہیں کہ نیکی کوئی کرے اور کام کسی اور کے آئے۔

”الحشر میں مومنین کو تلقین کی جا رہی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا
اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا

اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو،
اور ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل (قیامت)

کے واسطے اس نے کیا ذخیرہ آگے بھجا
ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک
اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی سب خبر

قَدْ مَتَّ يَغْنَىٰ وَالْقَوَا
الشَّهَادَاتِ الشَّهَادَاتِ
تَعْمَلُونَ ۝ ۱۸

۱۸۱۵۹

۱۸۱۵۹

یہاں بھی انسان کو اسی کا حکم دیا جا رہا ہے کہ جب تک تم آئندہ زندگی کے لئے اپنے
اعمال کا پیشگی ذخیرہ نہ کرو گے کسی اور کی کوئی سعی تمہارے کام نہ آسکے گی۔
”الواقعہ میں سابقین و مقربین کو جنت میں جو نعمتیں عطا ہوں گی ان کی تفصیل
بیان کی جا رہی ہے۔

اور جو اعلیٰ درجہ کے ہیں وہ تو اعلیٰ درجہ
کے ہیں۔ یہ قرب رکھنے والے ہیں۔ یہ (تقریباً)
لوگ آرام کے باغوں میں ہوں گے۔ ان
کا ایک بڑا گردہ تو ان کے لوگوں میں سے ہوگا
اور تھوڑے پھلے لوگوں میں سے ہوں گے۔
وہ لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے
تختوں پر تکیہ لگائے آئے بہانے بیٹھے
ہوں گے۔ ان کے پاس ایسے لڑکے جو
ہمیشہ ہی لڑکے رہیں گے، یہ چیزیں لیکر
آمد و رفت کیا کریں گے۔ آب خوردہ اور
آفتابے اور ایسا جام مشروب جو بہتی ہوئی
شراب سے بھرا جائیگا۔ نہ اس سے ان
کو درد سر ہوگا اور نہ اس سے عقل میں

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ ۝ ۱۹
لَهُمْ فِي جَنَّاتٍ
بُعِيدَةٍ ثَلَاثُ مَنَازِلٍ
وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۝
عَلَىٰ سُرُرٍ مَّوْضُوعَةٍ ۝ مَّتَّكِينَ
عَلَيْهَا مُتَقَابِلِينَ ۝ يَطُوفُ
عَلَيْهِمْ وِلَدٌ ۝ اِنْ تَخَلَّدُونَ ۝
بِالْكَوَابِ ۝ وَابَارِئُكَ وَكَاسٍ مِّنْ
مَّعِينٍ ۝ لَا يَصَدَّ عَنْهَا
وَلَا يَزِفُونَ ۝ وَفَالَكِهِم مِّمَّا
يَتَخَيَّرُونَ ۝ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا
يَشْتَهُونَ ۝ وَخُورٌ عُثِيرٌ ۝
كَامَالِ الدُّنْيَا الْمَكْنُونِ ۝

میں فتور آئے گا۔ اور میوے جن کو
وہ پسند کریں گے۔ اور ان کے لئے گوری
گوری بڑی آنکھوں والی عورتیں ہونگی،
(حوریں) جیسے (حفالت) سے پوشیدہ رکھا
ہوا موتی۔ ۵۶ : ۱۰ - ۲۳

یہ تمام نعمتیں گناہ کے بعد ان نعمتوں کے ملنے کی وجہ بائیں الفاظ بیان فرماتے ہیں
جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

۵۶ : ۲۳

۲۳ - الباقہ

گویا یہ تمام نعمتیں مقربین کے اپنے اعمال کا صلہ ہیں۔ اگر ان کے اپنے ذاتی عمل میں کوتاہی
ہوتی تو نہ تو وہ مقربین میں داخل ہوتے اور نہ انھیں یہ نعمتیں حاصل ہوتیں انھیں یہ
نعمتیں ایصال کے چکروں سے حاصل نہ ہوں گی۔

سورہ طور میں متقین کا حال ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَعِيمٍ
ظَالِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ رَبُّهُمْ مِنْ
عَذَابِ الْجَحِيمِ ۝ كُلُوا وَاشْرَبُوا
اهْنِئْبًا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝
مُتَّكِئِينَ عَلَى سُرُرٍ مَصْفُوفَةٍ ۝
وَزَوَّجْنَاهُمْ بِحُورٍ عِينٍ ۝ وَالَّذِينَ
آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ
بِإِيمَانٍ آخِذِينَ بِإِصْبَابِهِمْ
ذُرِّيَّتَهُمْ ۝ وَمَا لَنَنْهَاهُمْ مِنْ

متقی لوگ بلاشبہ بہشت کے باغوں اور
سامان عیش میں ہوں گے۔ اور ان کو جو
چیزیں ان کے پروردگار نے دی ہوں گی
اس سے خوش دل ہوں گے، اور ان کا،
پروردگار ان کو عذاب و دوزخ سے محفوظ
رکھے گا۔ خوب کھاؤ اور پیو مزے کے ساتھ
اپنے عملوں کے بدلے میں تیکر لگائے
ہوئے تختوں پر جو برابر بچھائے ہوئے
ہیں۔ اور ہم ان کا گوری گوری بڑی بڑی

مَشَىٰ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَتْ
رَهْنُ ۝

۸۸

آنکھوں والیوں سے بیاہ کر دیں گے۔ اور
جو لوگ ایمان لائے۔ اور ان کی اولاد نے

۱۱۱ طور ۲۱۲

بھی ایمان میں ان کا ساتھ دیا۔ ہم ان
کی اولاد کو بھی (درجہ میں) ان کے
ساتھ شامل کر دیں گے۔ اور ان کے عمل میں
سے کوئی چیز کم نہ کریں گے۔ ہر شخص اپنے اعمال

میں محسوس ہوگا۔ ۵۲ : ۲۱

ان آیات میں بھی یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ متقین کو جو یہ نعمتیں ملیں گی۔ یہ صرف ان کے
اپنے اعمال کا نتیجہ ہوں گی، بلکہ جنت میں کھانے پینے کو بھی جو کچھ ملے گا وہ اپنے اعمال کے صلے
میں ملے گا۔

ساتھ ہی یہ اعلان بھی کیا جا رہا ہے کہ مومنین بذاتِ خود ہوں یا ان کی ذریت
کسی کے عمل میں سے کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ اگر اولاد صاحبِ ایمان اور صاحبِ عمل ہے تو وہ
بھی اپنے آباء کے ساتھ ہوں گے۔ اور یہ بھی نہ ہوگا کہ اگر اولاد نے ایصال کے نام سے
جو اعمال انجام دیئے ہیں وہ مرنے والوں کے نام لکھوائے جائیں۔ اس لئے کہ یہ اسکا عمل
بے اور ہم کسی کے عمل میں کمی نہیں کیا کرتے۔ ہمارے یہاں یہ نہیں ہوتا کہ عمل کوئی کرے
اور لے بھاگے مردہ، قرآن کی تلاوت ہم کریں اور ثواب لوٹے کوئی اور صدقہ ہم کریں اور
لکھا جائے مرنے والے کے کھاتے میں۔ اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ دونوں کے کھاتوں
میں یکہ کرد دونوں کو اجر دیدیا جائے۔ جیسا کہ عام تخفیل پایا جاتا ہے۔ کیوں کہ ہم نے یہ
اصول متعین کر دیا ہے۔

ہر شخص اپنے اعمال میں محسوس ہوگا

مَشَىٰ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَتْ

۵۲ : ۲۱

۲۱-۱۱۱ طور

مَرَّ ۝

وَأَعْنَابًا ۖ وَكَوْاعِبَ الْأَرْبَابِ ۖ
كَأَسَادٍ هَاقَّةٍ لَا يَسْمَعُونَ
فِيهَا الْخَوْقَ ۚ لَا كِبَاءُ فِيهَا وَجُزْءٌ مِّنْ
رَّثِيفٍ عَطَاءٍ حِسَابًا ۖ

النبا ۳۱-۳۶

یعنی (کھانے اور سیر کو) باغ اور انگور
اور ردل بہلانے کو، نو خواستہ ہم عمر
عورتیں اور لبالب بھرے ہوئے جام
شراب، وہاں کوئی نہ یہودہ بات نہیں
گئے نہ جھوٹ، جوان کی نیکیوں کا بدلہ
ملے گا۔ جو کافی النعام ہوگا۔ ۳۶-۳۱

یعنی یہ جزاء حساب کے ساتھ دی گئی ہے۔ جتنے اعمال میں اس کے حساب سے جزا بھی
ہے۔ اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کی گئی۔ سورہ احقاف میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَرَبُّكَ دَرَجَاتٌ مَّا عُلُوُّوا ح وَرَبُّوْ
فِيَّهِمْ أََعْمَالُهُمْ وَهُمْ
لَا يَظْلَمُوْنَ ۝

الاحقاف ۱۹

اور ہر ایک کو ان کے اعمال کی وجہ سے
الگ الگ درجے ملیں گے۔ اور تاک
اللہ تعالیٰ سب کو ان کے اعمال پورے کرنے
اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ ۱۹ ۱۴۶

یعنی ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا۔ نہ صرف یہ بلکہ ان کے اعمال کے سبب ان
کے درجات بھی بلند کئے جائیں گے۔ اُن پر قطعاً یہ ظلم نہ ہوگا کہ ان کے اعمال میں کمی کر دی جائے
کیوں کہ ظلم کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ ایک کا حق کاٹ کر دوسرے کو دیدیا جائے۔ اسی سورت
میں ایک اور مقام پر فرماتے ہیں

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَسَقِلُّ
عَنَّهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا
وَنَجْعَلُ وَزْعَنَ سَيِّئَاتِهِمْ
فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ ۖ كَغَدِّ
الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا

یہ وہ لوگ ہیں جنکے دیک عملوں کو ہم قبول
کریں گے۔ اور ان کے گناہوں سے درگزر
کریں گے۔ اسی طور پر یہ جنت میں سے
ہوں گے۔ اس وعدہ مادہ کی وجہ سے
جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

یہ اللہ تعالیٰ کا ایک سچا وعدہ ہے۔ جس کی غلات ورزی ممکن نہیں کہ انسان کے ذاتی اعمال میں سے صرف اچھے اعمال قبول کئے جائیں گے۔ ہاں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید انعام ہے کہ اچھے اعمال کرنے والوں کی برائیوں سے وہ درگزر فرماتے ہیں۔ یہ درگزر ایصال ثواب کا نتیجہ نہیں ہوتا، بلکہ اس کا سبب اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ ہوتی ہے۔

اسی سورت میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں

اِنَّ السَّٰدِیْنَ قَالُوْا اٰیَّتُ اللّٰهِ
ثُمَّ اَسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ
وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ اُوْلٰٓئِكَ
اَصْحَابُ الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا
حٰزِرًاۤ اَمَّا کَالَّذِیۡ یَعْمَلُوْنَ

جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر مستقیم رہے۔ ان لوگوں پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہ لوگ اہل جنت ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان اعمال کے عوض جو وہ کرتے تھے۔

ان آیات میں بھی جنت اور اس کی نعمتوں کو انسان کے اپنے اعمال کی جزا بیان کیا گیا ہے

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ متقین کو خطاب کرے فرمائیے

یٰۤاَعْبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمْ
اَلْیَوْمَ مَرْوٰۤا اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ
السَّٰدِیْنَ اٰمَنُوْا بِاٰیٰتِیْ وَكَانُوْا
مُسْلِمِیْنَ ؕ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
اَنْتُمْ وَاَزْوَٰجُکُمْ
تَحْزَرُوْنَہٗ یُسٰطٰٓفُ لَکُمُ
بِصَحَافٍ مِّنْ ذَّهَبٍ وَّ
اَکْوَابٍ وَّ فِیْہَا

اے میرے بندو تم پر آج کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہو گے۔ یعنی وہ بندے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے تھے۔ اور فرمانبردار تھے۔ تم اور تمہاری بیویاں خوش بخوش، جنت میں داخل ہو جاؤ۔ ان کے پاس سونے کی رکابیاں اور کلاس لائے جائیں گے اور وہاں وہ چیزیں ملیں گی، جن کو جی چاہے گا اور جن سے آنکھوں کو لذت ہوگی۔ اور

مَا شِئْتُمْ بِهِ آلَ نَفْسٍ
وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِ
مُتُّوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ

ان سے کہا جاوے گا کہ یہ وہ جنت ہے
جس کے تم مالک بنادیئے گئے۔ اپنے (نیک)
اعمال کے عوض میں۔

۴۳، ۶۸، ۷۲

الرنخوت . ۶۸ - ۷۲

یہ جنت انسان کی میراث ہے۔ لیکن یہ میراث انسان کو اپنے اعمال کے بدلہ میں حاصل
ہوتی ہے۔ اگر اپنے پاس اعمال نہ ہوں تو یہ میراث قطعاً حاصل نہ ہو سکے گی۔ خواہ اعتراض
اقارب مرنے والے کے لئے کتنا ہی سرپیٹے رہیں۔ اور خواہ اپنے بیوی بچوں کا پیٹ کاٹ
کر مردوں کے نام سے یاروں کو کتنا بھی چماتے رہیں۔ جس شخص کی یہ میراث نہیں ملے
کیسے حاصل ہو جائے گی۔

ایک مقام پر ارشاد ہے۔

وَمَا تَجْزُواْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ
تَعْمَلُونَ ۝

الصفت ۳۹

کا جو تم کیا کرتے تھے۔ ۳۹: ۳۷

یہ آیت وضاحت کے ساتھ یہ اعلان کر رہی ہے کہ انسان کو اس کے اپنے اعمال کے علاوہ کسی اور
چیز کی جزا نہ ملے گی۔ اتنی وضاحت کے بعد بھی یہ دعویٰ کہ ایک کے عمل کا ثواب دوسرے کو مل
سکتا ہے۔ یہ نہایت مہمل دعویٰ ہے اور اگر یہ دعویٰ قبول بھی کر لیا جائے تو اس آیت کی رو سے
یہ تو تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ ثواب لغو ہوگا کیوں کہ اس کی جزا ہرگز نہ ملے گی۔ اور جب جزا ملے گی،
تو ثواب کیا معنی رکھتا ہے۔ کیوں کہ ثواب تو نام ہے اچھی جزا کا۔ اور اس کی نفی کر دی گئی۔
تو ایسی صورت میں وہ کوئی فرضی موہو مٹے ہوگی جس کا کوئی وجود نہ ہو۔

سورہ یٰسین میں ارشاد ہوتا ہے۔

پھر اس دن کسی شخص پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا
اور تم کو بس (صرف) انہی کاموں کا بدلہ
ملے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

قَالِيَوْمَ لَا تَنْفَعُكُمْ نَفْسٌ
شَيْئًا وَلَا تَنْجِيَنَّكُمْ إِلَّا
مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

۵۴ : ۱۲۶

۵۴ - یٰسین -

اس آیت میں بھی اسی امر کا اعادہ کیا گیا ہے۔ ساتھ ساتھ اس کی نفعی بھی کی گئی کہ کسی پر ذرا
برابر ظلم نہ کیا جائے گا۔ اور بیشتر مقامات پر اس کا اعادہ بھی کیا گیا ہے کہ یہ بھی ایک ظلم ہے کہ کسی
کا عمل دوسرے کے سپرد کر دیا جائے۔

سورة السجده میں جنت کی نعمتوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

سو کسی کو خبر نہیں جو جو آنکھوں کی ٹھنڈک
کا سامان ایسے لوگوں کے لئے خزانہ غیب

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ
لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ ۝

میں موجود ہے۔ یہ ان کو ان کے اعمال کا صلہ
ملا ہے تو کیا جو شخص مومن ہو گیا وہ
اس شخص جیسا ہر جادوئے کا جو بے حکم ہو وہ
آپس میں برابر نہیں ہو سکتے جو لوگ ایک ان لائے
اور انہوں نے اچھے کام کئے۔ سو ان کا ہمیشہ
کا ٹھکانہ جنتیں ہیں جو ان کے اعمال کے

جَزَاءُ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ أَفَنُ
كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا
لَّا يَسْتَوُونَ ۝ أَمَّا السَّادِقُ
أَمَنَّا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
فَلَهُمْ حَبِطَتِ السَّادِقُ
فَلَهُمْ حَبِطَتِ السَّادِقُ

بدلہ میں بطور ان کی مہمانی کے ہیں۔ ۱۹ : ۱۶ : ۱۷

۱۹ - السجده

جنت کی جتنی بھی نعمتیں ہیں۔ یہ سب اعمال کے عوض حاصل ہونگی۔ دلاں کی مہمانی
بھی اسی کو حاصل ہوگی۔ جس کے پاس اپنے اعمال ہونگے۔ مانگے ہوئے اعمال سے کوئی کام
نہ چلے گا۔

العنکبوت میں ارشاد ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
لَنُؤْتِيَنَّهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِي
 مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ
 فِيهَا بِإِذْنِ اللَّهِ الْعَلِيِّ

النکبت ۵۸

اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل
کئے۔ ہم ان کو جنت کے بالا خانوں میں
جگہ دیں گے۔ جن کے نیچے نہریں چلتی
ہوں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ کام
کرنے والوں کا کیا اچھا اجر ہے۔

۵۸:۲۹

یہ خوبصورت اور حسین بالا خانے اور یہ بل کھاتی ہوئی نہریں۔ انہی لوگوں کو حاصل ہو سکتی
ہیں جن کے پاس اپنا اچھا عمل موجود ہو۔ کیوں کہ اسی سورت کی ابتدا میں ایک کلمہ بیان فرمایا تھا
اور جو شخص محنت کرتا ہے وہ اپنے (نفع)
کے لئے محنت کرتا ہے۔ درنہ اللہ تعالیٰ کو تمام
جہاں والوں میں کسی کی حاجت نہیں! اور
جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے
ہیں۔ ہم ان کے گناہ ان سے دور کر دیں گے۔

النکبت ۵۹

اور ان کے اعمال کا (استحقاق سے) زیادہ

یعنی دنیا میں انسان جو بھی عمل انجام دیتا ہے وہ اپنی ذات کے فائدے کے لئے انجام
دیتا ہے اور عالم بقا میں اس کو اپنے اعمال ہی کے صلہ میں جزا ملے گی۔ اور جو شخص دوسرے کیلئے
عمل انجام دے وہ تو انتہائی درجہ کا محقق ہے کہ اپنی مزدوری اپنے لمحوں ضائع کر رہا ہے۔
کیوں کہ انسان کی کوشش تو اپنی ذات کے لئے ہونی چاہیے۔ لہذا جو بھی عمل انجام دیتا ہے۔
وہ مرنے سے قبل اپنی ذات کے لئے انجام دے لے جو وقت مردوں کے پیچھے برباد کر رہے ہو،
وہ وقت زندوں کے لئے صرف کرو۔ کیوں کہ زندوں کے جو حقوق تم پر عائد کئے گئے ہیں۔
وہ بھی تمہارا عمل ہے۔ مردوں کا حق تو کفن و دفن کے علاوہ صرف اتنا ہے کہ ان کے لئے دعا
معفرت کی جائے۔

سورہ النمل میں ارشاد ہوتا ہے۔

هَلْ تَجْزُونَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُونَ ۝

تم کو ان ہی عملوں کی جزا دی جا رہی ہے
جو تم (دنیا میں) کیا کرتے تھے۔

۹۰:۲۷

النمل ۹۰

یعنی اپنے اعمال کے علاوہ کسی اور کے عمل کی جزا ملنی ایک امر محال ہے۔ کیوں کہ اگر اس کا امکان ہوتا تو صرف استفہامیہ یعنی حرف کھل استعمال نہ کیا جاتا۔ یہ ایک سوالیہ جملہ ہے کہ کیا تم کو تمہارے اعمال کے علاوہ کسی اور چیز کی جزا دی جا رہی ہے؟ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ اس سوال کا جواب نفی کے علاوہ کچھ اور ممکن نہیں۔ اب ہمیں معلوم نہیں کہ اگر ہمارے ملاؤں سے یہ سوال ہوا تو وہ اس کا جواب اثبات میں دیں گے، یا نفی میں۔ یا اللہ تعالیٰ کو بھی کوئی روایت یا پیروں کی کوئی کہانی سنا کر قائل کرنے کی کوشش کریں گے۔

سورہ النور میں اصحابِ عمل کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لِيَجْزِيََهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا
لَا يَزِيدُهُمْ هُمْ مِنْ فَضْلِهِ

اور یہ ہوگا کہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہت
اچھا بدلہ دے گا۔ (یعنی جنت) اور
(علاوہ جزا کے) ان کو اپنے فضل سے اور

النور ۳۸

بھی زیادہ دے گا۔ ۳۸:۲۷

سورہ بنی اسرائیل میں یہ مضمون ایک عجیب پیرائے میں بیان فرماتے ہیں۔

وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيًا
وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ مِنْهُمْ مَجَازٍ

اور جو شخص آخرت کے ثواب کی نیت رکھے
گا۔ اور اس کے لئے جیسی سعی کرنا چاہیے ویسی
ہی سعی بھی کرے گا بشرطیکہ وہ شخص مومن
بھی ہو۔ سوائے لوگوں کی یہ سعی مقبول ہوگی

بنی اسرائیل ۱۹

یعنی انسان دنیا میں جو کچھ بھی سعی و محنت کرتا ہے بشرطیکہ اس سے آخرت مقصود ہو

تو آخرت میں اس کی بھی سعی کام آئے گی۔ اس کے علاوہ کچھ اور کام نہ آئے گا۔ جس طرح وہ سعی و ہاں کام نہ آئے گی جس کی عرض و غایت دنیا ہو، جیسے رسومات، اسی طرح دوسرے کی سعی بھی لا حاصل محض ہوگی۔ اس کا کچھ فائدہ اگر حاصل ہوگا تو سعی کرنے والے کو حاصل ہوگا نہ کہ جس کے لئے سعی کی جارہی ہے۔ جیسا کہ دنیا میں اگر کوئی شخص کسی کی ہدایت کے لئے سعی کرے تو اسے اس سعی کا اجر ملے گا لیکن جس کے لئے سعی کی جارہی ہے۔ اس کا اس کے اجر سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن اگر وہ ہدایت پا جاتا ہے تو جہاں اسے اپنے عمل کا اجر ملے گا وہاں سعی کرنے والے کو بھی اس کا اجر ملے گا۔ کیوں کہ اس کی بنیاد اسی نے رکھی ہے جبکہ لیا لیا ثواب کی صورت میں سعی کرنے والے کا عمل دوسرے کے نام کر دیا جاتا ہے۔ ایسی ہی منطق ہے جو خلافتِ عقل بھی ہے۔ اور خلافتِ کتاب اللہ بھی۔ سورۃ النحل میں ارشاد ہوتا ہے

مَا عِنْدَكُمْ قَدْ
وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ
وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِينَ صَبَرُوا
أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ
مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ
مَنْ عَمِلْ مَا لِحَاقَتِ
ذَكَرَ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُدًى
مُّؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ
حَيٰوةً طَيِّبَةً وَ لَنُجْزِيَنَّهٗمْ
أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا
كَانُوا يَعْمَلُونَ

اور جو کچھ تمہارے پاس (دنیا میں) ہے
وہ ختم ہو جاوے گا۔ اور جو کچھ اللہ کے پاس
ہے۔ وہ دائم رہیگا۔ اور جو لوگ ثابت قدم
ہیں ہم ان کے پیچھے کاموں کے عوض میں
ان کا اجر ان کو ضرور دیں گے۔ جو شخص
کوئی نیک کام کرے گا۔ خواہ مرد ہو یا عورت
ہو۔ بشرطیکہ صاحبِ ایمان ہو تو ہم اس
شخص کو بالطفِ زندگی دیں گے اور
ان کے عوض میں ان کا اجر دیں گے۔

یہ آیات ثابت کر رہی ہیں کہ ان کو صرف اپنے اچھے اعمال کی جزا ملے گی خواہ وہ مرد ہو

یا صورت۔ اس اگر اس نے ایمان قبول نہیں کیا تو پھر کسی اچھے عمل کی جزا نہ ملے گی۔ اسی صورت میں ایک مقام پر قرب موت اور بعد الموت کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے کہ متقین کی اس وقت کیا کیفیت ہوگی اور ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائیگا۔

اور جو لوگ تعمیری اختیار کرتے ہیں ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا چیز نازل فرمائی ہے۔ وہ کہتے ہیں بڑی چیز نازل فرمائی ہے۔ جن لوگوں نے نیک کام کئے ہیں ان کے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے۔ اور عالم آخرت تو اور زیادہ بہتر ہے اور وہ متقین کا اچھا گھر ہے۔

وہ گھر ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن میں یہ داخل ہوں گے۔ ان باغوں کے پھل سے ہمیں جلدی ہوں گی جس چیز کو ان کا جی چاہے گا۔ وہ وہاں ان کو ملے گی۔ اسی طرح کاجر اللہ تعالیٰ متقین کو دلیگا۔ جن کی روح فرشتے اس حالت میں قبض کرتے

ہیں کہ وہ (شرک سے) پاک ہوتے ہیں وہ فرشتے کہتے جلتے ہیں، سلام علیکم، تم جنت

میں چلے جانا اپنے اعمال کے سبب

۳۲-۳۱-۱۱

ان آیات میں یہی چیز بیان کی گئی کہ وہاں جو کچھ بھی ملے گا وہ انسان کے اپنے عمل

وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلَكُمْ رَبُّكُمُ مِنَ الْخُبْرَاتِ
لِلَّذِينَ أَحْنَأُ فِي هَذِهِ
اللَّهُ نَبَأًا خَيْرًا مِمَّا لَكُمُ
مِّنَ الْآخِرَةِ خَيْرٌ وَلَنِعْمَ
رَبُّ الْمُتَّقِينَ مَجْنُوعَاتٍ
يَذُحُّ خُبْرَهَا تَجْدِي مِن
تَحْتِهَا أَلْزَنْحَرُ لَهَا
فِيهَا مَا يَشَاءُونَ كَذَلِكَ
يَجْزِي اللَّهُ الْمُتَّقِينَ هَٰذَا
يُنْزِلُ إِلَيْكُمْ لِكَيْ تَتَّقُوا
كَيْتَبِينَ يَقُولُونَ
سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ

۳۱-۳۲-۱۱

کے سبب ملے گا۔

سورہ ہود میں ارشاد ہوتا ہے

وَأَن كَذَّبَ ثُمَّ تَابَ لِيُؤْتِيَهُم مِّن ذِكْرِكَ

أَعْمَالَهُمْ ذَاتِهَا يَمَيعُونَ

حَنِيفٌ

ہود - ۱۱۱

اور بالیقین سب کے سب ایسے ہی ہیں
کہ آپ کا رب ان کو ان کے اعمال کی جزا
کا پورا پورا حصہ دے گا۔ وہ بالیقین

ان کے سب اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے

یعنی وہاں ہر شخص کو اس کے اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا۔ اگر بالعسر و
کسی کو اپنا دہاں کوئی عمل یاد نہ رہے تو فکر کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ
لوگوں کے اعمال سے خود باخبر ہے۔

سورت التوبہ میں اہل مدینہ اور اس کے قرب و جوار کے باشندوں کو کچھ ہدایات

دینے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ ہدایات اس لئے دی جا رہی ہیں کہ

يَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا

كَانُوا يَعْمَلُونَ

التوبہ - ۱۲۱

اچھا بدلہ دے۔ ۱۲۱: ۹

یہ لفظ احسن خود اس امر کی شہادت دے رہا ہے کہ اس آیت اور سابقہ آیات میں گناہوں

کا کوئی ذکر نہیں۔ بلکہ تمام رنگ و نغمہ اعمالِ حسنہ کے سلسلہ میں ہو رہی ہے کہ وہاں انسان کو صرف
اپنے اعمال کی جزا ملے گی۔ یاروں کے اعمال اس کے سپرد نہ کئے جائیں گے۔

یہ اصول جزائے اعمال کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ درجات کی بندی بھی

اپنے اعمال کے سبب ہوتی ہے۔

وَكُلِّدَ رَجُلٌ مِّمَّا عَمِلُوا مَا

رَبُّكَ بِعَاصٍ فِی عَمَلِهِمْ لَعَلَّ

الانعام - ۱۳۲

اور ہر ایک کے لئے درجے ہیں ان کے

اعمال کے سبب اور آپ کا رب ان کے

اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔ ۱۳۲: ۶

بکدولایت بھی انسان کے اپنے عمل پر موقوف ہے۔

لَهُمْ دَرَارُ السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّهِمْ
وَهُوَ وَيَسْأَلُهُمْ مَّا كَانُوا
يَعْمَلُونَ

ان لوگوں کے واسطے ان کے رب کے
پاس سلامتی کا گھر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان
سے محبت رکھتا ہے۔ ان کے اعمال کی وجہ

۱۲۸ : ۶ سے۔

الانعام - ۱۲۸

یعنی اللہ کی دوستی بھی انسان کے اپنے اعمال پر موقوف ہے تو جو شخص بھی اعمال
صالحہ انجام دینگا۔ وہ ولی اللہ ہے۔ ولی ہونے کے لئے اعمال صالحہ شرط ہیں اس کے لئے
گیرے رنگ کے کپڑوں، لمبے لمبے جُبیوں اور کراستوں کا ڈھونگ رچانے کی ضرورت نہیں
نہ اس کے لئے کسی پیر کا مرید ہونا ضروری ہے نہ گدی نشیں ہونا۔ اور نہ تعویذ گنڈے
کرنے اور نہ قبروں کی عبادت اختیار کرنا۔ یہ تو ایک نفع تعلق ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں
سے ہوتا ہے اور جبکہ علم اس دنیاوی زندگی میں بلاوہی محال ہے۔ کیوں کہ وحی کا دروازہ
بند ہو چکا ہے۔ اسی لئے صوفیاء نے کشفواہام کے نام سے جی کے چور دروازے کھول رکھے
ہیں تاکہ عوام کو بے وقوف بنایا جاسکے۔

جو تھے پارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

أُولَٰئِكَ حَبْرَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ
مِّنْ رَبِّهِمْ وَجَنَّتْ بَجْرَىٰ مِنْ
تَحْتِهَا الْأَشْجَارُ أَذْهَابٌ نِّبْهَا
وَبَعَثَ آجُرُ الْعَمِلِينَ ۝

ان لوگوں کی جزا بخشش ہے ان کے رب
کی طرف سے باغ ہیں کہ ان کے نیچے سے
نہریں چلتی ہوں گی اور یہ اچھا بدلہ ہے
ان عمل کرنے والوں کا۔

۱۳۶ : ۳

۱۳۶ - آل عمران

یعنی یہ مغفرت الہیہ اور یہ جنت کی لازوال نعمتیں انسان کے اپنے ان اعمال کا صلہ ہیں
جو اس نے اپنی دنیاوی زندگی میں انجام دیئے تھے۔ اتنی لاتعداد آیات کی موجودگی میں بھی اگر کوئی

یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی اس کے نام ثواب کے سیرنگ پارسل روانہ کئے جاسکتے ہیں تو ہم یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ اس نے قرآن کو کچھ نہیں سمجھا۔ اور نہ قرآن کی کوئی قدر کی۔ بلکہ قرآن کے مقابلے پر روایات، اندھی تقلید اور اپنی ذاتی رائے کو ترجیح دی۔

اس قسم کی تمام آیات جمع کی جائیں تو وہ سیکڑوں سے تجاوز ہوں گی۔ اور کتاب ایک طویل سفر اختیار کر لے گی۔ اس لئے ہم اسی پر اکتفا کرتے اور بطور تکمیل آخر میں سورۃ بقرہ کی ایک آیت پیش کرتے ہیں۔

وَمَا تَقْصِدُ مِنَ الْإِنْفُسِ كُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُ فِيهِ عِنْدَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ
اور جو نیک کام بھی اپنی بھلائی کے واسطے آگے جمع کرتے رہو گے حق تعالیٰ کے پاس پہنچ کر اسے پالو گے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کئے ہوئے کاموں کو دیکھ بھال رہے ہیں۔ ۱۱۰ : ۲

۱۱۰-البقرہ

یہ آیت صاف طور پر یہ بیان کر رہی ہے عالم آخرت میں صرف وہی پارسل کام آسکیں گے جو انسان اپنی اس دنیوی زندگی میں مرنے سے قبل روانہ کر چکا تھا۔ کیوں کہ انسان کے مرتے ہی اس کا دفتر لپیٹ دیا جاتا ہے۔

اب اگر کسی انسان کی بیشتر زندگی خواب غفلت میں گزری ہے تو اس کا حل یہ نہیں کہ اس کے مرنے کے بعد وارثین خود ساختہ ذرائع سے غفلت گزاری کے ازالہ کی کوشش شروع کر دیں بلکہ اس مسئلہ کو کوئی دوسرا حل نہیں کر سکا کیونکہ یہ سکا ذاتی معاملہ ہے جس میں اخلاقی کا کسی کو حق حاصل نہیں۔ اس کا حل خود قرآن نے متعدد مقامات پر بیان کیا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا آمَنُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَاسْلُكُوا جِهَاتٍ
ہاں مگر جو لوگ توبہ کر لیں اور اپنے اعمال کی اصلاح کر لیں سو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والے رحمت کرنے والے ہیں۔ ۸۹ : ۲۳

۸۹-آلہ عمرہ

ایک اور مقام پر تفصیلی طور پر اس کی وضاحت فرماتے ہیں۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ
لِلَّذِينَ يَصْلَحُونَ الشُّرُوءَ
بِحَالِهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ
قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ
اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ
اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝
وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ
يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا
حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي
تُبْتُ إِلَهُنَّ وَلَا الَّذِينَ يَتُوبُونَ
وَهُمْ كَفَّارَةٌ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ
عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝

توبہ جس کا قبول کرنا اللہ کے ذمہ ہے
وہ تو ان ہی کی ہے جو حماقت سے کوئی
گناہ کر بیٹھتے ہیں۔ پھر قریب ہی وقت
میں توبہ کر لیتے ہیں۔ سو ایسوں پر تو
اللہ تعالیٰ توجہ فرماتے ہیں اور غربت مانتے
ہیں، حکمت والے ہیں اور ایسے لوگوں کی
توبہ نہیں جو گناہ کرتے سہتے ہیں۔ یہاں
تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے
موت ہی اکھڑی ہوئی تو کہنے لگا کہ میں
اب توبہ کرتا ہوں۔ اور نہ ان لوگوں کی
جن کی حالت کفر پر موت آجاتی ہے ان
لوگوں کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار

کر رکھا ہے۔ ۱۸-۱۷-۱۶

النسا-۱۷-۱۸

یعنی توبہ کے لئے شرط اول یہ ہے کہ اس میں عجلت سے کام لیا جائے موت کے
وقت تک۔ اسے موخر نہ کیا جائے۔ کیوں کہ عالم نزع کی توبہ قبول نہیں۔ اگر کسی
نے توبہ کو نزع کے وقت تک موخر کر دیا تو اس کی توبہ لغو ہے۔ اس کے لئے
تو کفار کی طرح دردناک عذاب ہے۔ بالفاظ دیگر توبہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ
اس پر زندگی کا کچھ ایسا وقفہ بھی گزرنا چاہیے جس میں وہ اعمال خیر کی انجام
دہی کر سکے۔ جیسا کہ سابقہ آیات میں گزرا ہے کہ انسان کے گناہوں کا کفارہ
خود اس کے اپنے ذاتی عمل سے ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کا کوئی اور

ذریعہ نہیں لہذا یہ ضروری ہے کہ جہاں گناہوں کو ترک کیا جائے وہاں نیک اعمال بھی انجام دیئے جائیں۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ گناہ کبیرہ اعمال صالحہ سے معاف نہیں ہوتے تاوقتیکہ ان سے توبہ نہ کی جائے۔ اس وقت تک یہ امید کہ دیگر اعمال صالحہ سے یہ معاف ہو جائیں گے۔ اس کی حیثیت خود فریبی سے زیادہ نہیں۔ ارشاد ہے۔

اِنْ تَجْتَنِبُوا الْاَلْبَابَ اِنَّكُمْ اَمْتٌ
عَنْهُ تُكْفِرُ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ
وَنُدْخِلْكُمْ مَشْدُ خَلَاكِ دِيْمَاہ

اگر تم ان بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے
جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے۔ ہم تمہاری
برائیاں دور کر دیں گے اور تمہیں عمدہ
ٹھکانے میں داخل کریں گے۔

۳۱ : ۴

۳۱ : ۴

ایک مقام پر ارشاد ہے۔

اِنَّ مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا
صَالِحًا فَاُولَٰئِكَ يُسَدِّدُ اللّٰهُ
مَسٰیلتِهِمْ حَسَنًا مَّا كَانُوا
فَعَلُوْا رَحِيْمًا ۝ وَ مَنْ
تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهُ
يَسْتَوِبُ اِلٰی اللّٰهِ مَنَابًا ۝

مگر جو توبہ کر لے اور ایمان لے آئے اور
نیک کام کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ ایسے
لوگوں کو گناہوں کی جگہ نیکیاں عطا
فرمائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اغفور رحیم ہے
اور جو شخص توبہ کرے اور نیک کام کرتا
ہے تو وہ اللہ کی طرف خاص طور پر جبرئیل

کر رہا ہے۔ ۴۰ : ۲۵ - ۴۱

۴۰ : ۲۵ - ۴۱

توبہ سے متعلق قرآن میں اور بھی متعدد آیات پائی جاتی ہیں۔ اور ان سب کا
حاصل یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی میں گناہوں سے تائب ہو کر نیک عمل انجام دے تو
اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے گا۔ گویا اس عمل کا تعلق بھی دنیاوی زندگی سے ہے،

اور دیگر اعمال کی طرح یہ بھی ایک عمل ہے۔

ان تمام آیات سے نتیجہ یہی ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کے کام صرف اسی کما عالیٰ ہیں۔ دوسرے کا عمل کسی کے کام نہ آئے گا۔ علماء کرام سے میری درخواست ہے کہ اگر میں کسی غلط فہمی کا شکار ہوں تو وہ اپنے دلائل سے میری غلطی کا ازالہ فرمائیں۔ اور مجھے اس سے متنبہ فرمائیں۔ اور اگر ان کے دلائل صحیح اور معقول ہوں گے تو میں انہیں دل و جان سے قبول کرنے کے لئے تیار ہوں۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ آیات قرآنیہ کا ترجمہ ہم نے از خود نہیں کیا۔ بلکہ مولوی اشرف علی تھانویؒ کے ترجمہ سے نقل کیا ہے۔ تاکہ ہم پر کوئی یہ الزام نائد نہ کر سکے کہ ہم نے ترجمہ میں غلطی سے کام لیا ہے۔ یا متعارف ترجمہ کو چھوڑ کر غیر متعارف ترجمہ اختیار کیا ہے اسی لئے ہم نے اپنا ذاتی ترجمہ نہیں کیا۔ اب اگر ان تراجم سے کسی کو اختلاف ہے تو اس کی ذمہ داری ہم پر عائد نہیں ہوتی۔

یہ ذہن میں رہے کہ ہم نے مولانا کا لفظ استعمال نہیں کیا کیونکہ ہم لفظ مولانا کو اللہ کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں۔ اور کسی اور کے لئے استعمال ہمارے نزدیک صریح کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ انت مولینا۔ آپ ہی ہمارے مولیٰ ہیں۔ لہذا اب کسی اور کو مولیٰ کہنا اللہ تعالیٰ کی مولایت میں شرکت ہے جو عین شرک ہے۔

دعا برائے میت

بعض حضرات کو یہ کہتے سنا ہے کہ دعا بھی ایصالِ ثواب ہے۔ بلکہ اچھے خاصے علماء سے بھی یہ بات سننے میں آئی ہے۔ یہ بات اس لئے کہی جاتی ہے کہ اپنی بے راہ روی کے لئے کچھ نہ کچھ وجہ جواز تلاش کی جاسکے اور ملت اسلامیہ کو فریب دیا جاسکے۔ حالانکہ ایصالِ ثواب سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ ایصالِ ثواب کا مفہوم تو یہ ہے کہ ہم اپنی اس قرآن خوانی، اپنے اس صدقے اور اپنے فلاں عمل کا اجر فلاں مردے کو اپنی مرضی سے بخشتے ہیں۔ شاید اس لئے کہ کرنے والے کے لئے یہ عمل ضرورت سے زیادہ تھا جب کہ دعا میں اللہ تعالیٰ سے یہ التماس اور درخواست کی جاتی ہے کہ اے اللہ فلاں کی مغفرت فرمادیکھے اپنے کسی عمل کے منتقل کرنے کا دعا سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اگر دعا اور ایصالِ ثواب ایک شے ہیں تو ایصالِ ثواب مردوں کے ساتھ ہی کیوں مخصوص سمجھا جاتا ہے جب کہ دعا زندہ اور مردہ دونوں کے لئے عام ہے۔ بلکہ ہر انسان پر یہ لازم کیا گیا ہے کہ وہ ہمہ وقت اللہ سے دعا کرتا رہے۔ خواہ اپنے لئے یا دوسروں کے لئے۔

فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ

تم خالص اعتقاد کر کے اسی کو پکارو

۶۵: ۲۰

بلکہ ایک مقام پر تو اپنے لئے دعا نہ کرنے والوں کو عذابِ جہنم کی تنبیہ کی گئی ہے

ارشاد ہے۔

مجھ ہی کو پکارو! میں تمہاری درخواست پوری کروں گا۔ جو لوگ صرف میری

اُدْعُونِي اَسْتَجِبْ لَكُمْ
اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ

عَنْ عِبَادِ قِي سَيِّدِ خُلُوقِ
جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ۝

۱۰۵

اس عبادت سے گریز کرتے ہیں۔ وہ
عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں

۱۰۶ المؤمن

گئے۔ ۶۰: ۴۰

ان آیات کی رو سے دعا فرض ہے جب کہ ایصالِ ثواب کے قائلین اسے صرف
جواز کا درجہ دیتے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کو عبادت فرمایا ہے۔ اور عبادت
کے لئے شرط ہے کہ وہ خاص اللہ کے لئے ہو۔ جب کہ ایصالِ ثواب عبادت ہے اور نبی کریم
اللہ کی رضا کے لئے ہوتا ہے بلکہ یہ عمل غالب مردے کے لئے اور لوگوں کے دکھاوے کی خاطر
کیا جاتا ہے تو گویا نہ یہ عبادت ہے اور نہ اس سے غرض اللہ ہے۔

اگر دعا سے ایصالِ ثواب کا جواز تلاش کرنے کی کوشش کی گئی تو ہم سے زیادہ ایصالِ ثواب
کے قائلین کے لئے یہ دعا ایک مصیبت بن جائے گی۔ کیوں کہ دعا کی ایک قسم بد دعا بھی کہلاتی ہے۔
اور وہ شرعاً بعض حالات میں بعض قسم کے انسانوں کے لئے جائز بھی ہے تو جب دعا اور ایصالِ ثواب
ایک شے ہوگی تو بد دعا اور ایصالِ عذاب بھی ایک شے ہوگی، حالانکہ ہمارے علماء بد دعا کے
جواز کے تو قائل ہیں۔ لیکن ایصالِ عذاب کے قائل نہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خود
ان حضرات کے نزدیک ایصالِ ثواب اور شے ہے اور دعا اور شے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ دعا کا حکم اولاً زندوں کے لئے ہے سلام اور جواب بھی دعا ہے۔
ہماری بول چال میں یَرْحَمُكَ اللَّهُ، بَارَكَ اللَّهُ اور يُغْفِرُ اللَّهُ وغیرہ کے
الفاظ، یہ سب دعائیں جملے ہیں۔ جو صرف زندوں کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ نماز میں اور بعد
از نماز موجود عائیں ہیں وہ بھی زندوں سے متعلق ہیں۔ کیا یہ سب کچھ ایصالِ ثواب ہے۔
قرآن کی بیشتر دعاؤں کو۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ادعیہ مسنونہ ملاحظہ
کیجئے تو معلوم ہوگا کہ تمام تر زندوں کی اپنی ذات سے متعلق ہیں۔ اس سے صاف ظہور
ظاہر ہو جائے گا کہ اولاً اپنے لئے ایصالِ ثواب کیا جائے۔ بعد میں دیگر زندوں کے لئے اور

مرنے والوں کا نمبر تو سب کے بعد آئے گا۔

یہی وجہ ہے کہ جہاں جہاں مرنے والوں کے لئے دعا کی تعلیم دی گئی ہے وہاں ولادت و زندگی کی ذات کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ بعد میں ضمناً مرنے والوں کا ذکر کیا گیا اور یہ صورت بھی آپ کو چیدہ چیدہ دعاؤں میں نظر آئے گی۔ نہ کہ تمام دعاؤں میں۔
مثلاً حضرت نوح علیہ السلام دعا فرماتے ہیں۔

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ
مَنْ دَخَلَ بَيْتِي مُؤْمِنًا
وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ
۲۸ نوح

اے میرے رب مجھ کو اور میرے ماں باپ
کو اور جو مومن ہونے کی حالت میں میرے
گھر میں داخل ہیں ان کو اور تمام مسلمان
مردوں اور تمام مسلمان عورتوں کو بخش

دیجئے۔ ۲۸ : ۱

یہاں اولاً اپنی ذات کے لئے دعا ہے، بعد میں والدین کے لئے۔ بشرطیکہ اس دعا کے وقت والدین کا انتقال ہو چکا ہو۔ ورنہ یہ دعا بھی خالص زندوں کے لئے ہوگی۔ لیکن اگر والدین کا انتقال ہو چکا تھا تب یہ دعا زندوں اور مردوں دونوں کو شامل ہوگی۔ یہی طریقہ کار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اختیار کیا۔ انہوں نے دعا کی۔

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ
وَالْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ
الْحِسَابُ ۵ ۳۱ ابراہیم

اے میرے رب، میری، اور میرے ماں باپ
کی اور کل مومنین کی مغفرت کر دیجئے حساب
قائم ہونے کے دن ۳۱ : ۵

اس میں بھی یہ احتمال ہے کہ جس وقت یہ دعا کی گئی ہو اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدین حیات ہوں۔ کیوں کہ قرآن اس کی شہادت دے رہا ہے کہ جب انھیں اس کا یقین ہو گیا کہ ان کے باپ کافر سے ہٹنا ممکن نہیں تو وہ اس سے بے زار ہو گئے۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ
پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ وہ خدا

اس لحاظ سے یہ دعا بھی زندوں کے ساتھ مخصوص ہوئی۔ اب قرآن میں صرف ایک دعا ایسی باقی رہ جاتی ہے جس میں مرنے والوں کے لئے ہمیں دعا کی تعلیم دی گئی ہے۔ اور وہ سورۃ حشر کی یہ دعا ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا

الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ

وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا

لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ

رَؤُوفٌ رَحِيمٌ ۝

۱۱۴: ۹

اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے۔ وہ ان

مذکورین کے حق میں دعا کرتے ہیں کہ

ہمارے پروردگار ہم کو بخشدیدے۔ اور ہمارے

ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا

چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں

کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجئے۔ اے

رب آپ بڑے شفیق رحیم ہیں۔ ۱۰: ۵۹

اس سے پہلی آیات میں مہاجرین و انصار کا ذکر ہے۔ اس کے بعد آنے والی نسلوں

کا اور ان کی جانب سے یہ دعا نقل کر کے انھیں یہ تعلیم دی گئی کہ تم صحابہ کرام اور اسلاف

کے لئے دعائے مغفرت کہتے رہو۔ اور ان کی جانب سے دل میں کسی قسم کا کینہ نہ رکھو، کیوں کہ

اللہ تعالیٰ بھی جانتا تھا کہ میری مخلوق میں ایک ایسا طبقہ بھی پیدا ہوگا جو مہاجرین و انصار پر

تبرکریگا۔ اسی لئے مومنین کو اس کے جواب میں یہ دعا تسلیم دی گئی۔ لیکن اس آیت میں بھی پہلے

اپنی ذات کے لئے دعا ہے۔ اس سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ دعا کا اصل اصول یہ ہے کہ اولاً اپنی

ذات کے لئے دعا کیجائے اور بعد میں مرنے والوں کے لئے یعنی ہر صورت میں زندوں کا

حق مزدوں پر مقدم ہے یہی اصول نماز جنازہ کی صورت میں بھی اختیار کیا گیا ہے اور یہ دعا

تعلیم دی گئی ہے۔

اللهم اغفر لجنا وميئنا ۱۰۸

شاهدنا وغائبنا وصغيرنا
وكبيرنا وذكرنا وانسانا اللهم
من احبته منا نأحيه
على الاسلام ومن
توفيته منا فتونه
على الايمان

اے اللہ ہمارے زندوں، ہمارے مرنے والوں،
ہمارے موجود لوگوں، ہمارے غائب لوگ،
ہمارے چھوٹوں، ہمارے بڑوں، ہمارے
مردوں اور ہماری عورتوں کی مغفرت
فرما۔ اے اللہ آپ ہم میں سے جسے زندہ
رکھیں اسے اسلام پر زندہ رکھ۔ اور جسے
ہم میں سے وفات دے دیں اسی ایمان پر وفات دیں

یہ الفاظ خود اس امر کی شہادت دے رہے ہیں کہ دعائیں زندہ اور مردہ دونوں ہی
شرکیں ہیں اور دعائیں زندوں کا حق مردوں پر مقدم ہے۔ اگر دعا اور ایصالِ ثواب ایک شے
ہیں تو اولاً زندوں کے لئے ایصال کیجئے۔ اور سب سے پہلے یہ علماء اپنے لئے ایصالِ ثواب
کی غرض سے فاتحہ خوانی کرائیں۔ یہیں اس قسم کے ایصال پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ ہاں اس
ایصال میں ہمیں ضرور یاد رکھنیے گا لیکن ہماری جانب سے اس قسم کی کوئی توقع ہرگز وابستہ
نہ کریں۔

یہ یاد رکھئے کہ دعا اور شے ہے اور ایصال اور شے ہے۔ دعا بارگاہِ الہی میں درخواست
ہے۔ اور ایصالِ ثواب نام ہے اپنا ثواب دوسرے کے نام منتقل کرنے کا جیسے مکان اور زمین
منتقل کی جاتی ہے۔ دعا کے وقت نہ برادری کو جمع کیا جاتا ہے۔ نہ اس کے لئے دینگیں چڑھائی جاتی
ہیں۔ اور نہ اس کے لئے کسی دن کا تعین ہے۔ وہ تو ہمہ وقت انفرادی طور پر کی جاسکتی
ہے۔ بلکہ اس کے لئے سب سے بہتر وقت تہجد کا وقت ہے یا دورانِ نماز کا

اگر ایصال اور وعام معنی لفظ ہیں اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ تو اس سے
ہمارا تو کچھ بھی نقصان نہ ہوگا۔ لیکن ایصال کے وعویداروں کی تعمیر کردہ تمام عمارت زمیں
بوس ہو جائے گی اور لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ ہم قسم کھا کر یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ ان

ایصال پرستوں کے نزدیک بھی دعا اور ایصال میں بہت بڑا فرق ہے۔ لیکن زبان سے جو یہ دعویٰ کیا جاتا ہے وہ ڈوبتے کے لئے تنکے کا سہارا ہے۔ کیوں کہ ان کے پاس اس کے جواز کے صرف دو ہی سہارے ہیں۔ یا تو چند روایات جو مخالفت قرآنی کے باعث ناقابلِ عمل قرار پاتی ہیں۔ یا وہ عا کا نام لے کر عوام کو دھوکہ دینا۔

جہاں تک قرآنی دلائل کا تعلق ہے وہ ہم نے اتنی تعداد میں پیش کر دیئے ہیں کہ ان روایات پرستوں کا منہ بند کرنے کے لئے کافی ہیں۔ لیکن اگر روایات پر ہم کوئی تبصرہ کریں تو روایت پرست طبقہ ان روایات کا سہارا لے کر قرآن کی تاویل کر کے عوام کو بے وقوف بناتا رہے گا۔ اس لئے ہم آئندہ سطور میں روایات پر محدثانہ بحث کریں گے، لیکن اس بحث سے قبل ہم یہ بتانا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اپریل ۱۹۸۸ء میں میرے محترم دوست سعید اللہ کاظمی صاحب نے اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے ایک مراسلہ مولوی محمد سرفراز خان صاحب شیخ الحدیث مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ کی خدمت میں ارسال کیا تھا۔ مولوی صاحب مذکور علمائے دیوبند میں مشہور ہیں اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ میں نے خود ان کی متعدد کتابوں سے استفادہ کیا ہے جن میں احسن الکلام اور راہِ سنت نامی کتابیں واقفانِ قابلِ تعریف ہیں

مولوی صاحب نے مراسلہ کا جواب نصف عربی اور نصف اردو میں ارسال کیا اور چوں کہ میرے دوست اور رفیق کا سعید اللہ کاظمی صاحب عربی سے واقف نہیں ہیں انہوں نے مجھے اس کا جواب لکھنے کا حکم دیا۔ میں نے مولوی سرفراز صاحب کو ان کے دلائل کا جواب مختصر طور پر تحریر کیا۔ اس امید پر کہ مولوی صاحب علومِ حدیث پر اچھی نگاہ رکھتے ہیں میرے ذہن پر یہ تاثر ان کی کتاب "احسن الکلام" دیکھ کر ہوا تھا۔ لیکن میں فسوس کے ساتھ یہ عرض کرنے پر مجبور ہوں کہ میرے ذہن میں ان کی علمیت کا جو تاثر قائم ہوا تھا اسے ان کے جواب نے اس حد تک مٹا دیا کہ اس کا کوئی اثر تک باقی نہیں رہا جس کا مجھے از حد افسوس

ہے اسی لئے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ قارئین کی خدمت میں وہ تمام خط و کتابت بھی پیش کر دوں تاکہ قارئین کو بھی اندازہ ہو جائے کہ ہمارے علمائے جلیلہ کس قدر ہوتے ہیں تو وہ کس قسم کا طریقہ کار اختیار کرتے ہیں

جب سے یہ خط و کتابت ہوئی تھی۔ اس وقت سے میرے دوست سید اللہ صاحب اور دیگر اہل درس کا تقاضا تھا کہ میں اس مسئلہ پر قلم اٹھاؤں لیکن دیگر علمی کاموں کے باعث یہ ارادہ ملتوی ہوتا رہا حتیٰ کہ مئی ۱۹۸۶ء آگیا۔ یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ مولوی سرفراز خاں صاحب کا پہلا خط ماہ مئی میں وصول ہوا۔ اور اس کے جواب میں یہ کتاب بھی مئی میں شروع کی گئی۔

آئندہ سطور میں بعض مقامات پر مولوی سرفراز صاحب کو مخاطب تصور کر کے علماء کے دلائل کا جواب دیا گیا ہے۔ ہمارے قلم سے اگر کوئی نازیبا لفظ نکل گیا ہو تو ہم اس کے لئے علماء سے بھی معذرت خواہ ہیں اور مولوی سرفراز صاحب سے بھی ہماری تحریر میں جو تنقیدی پہلو پایا جاتا ہے۔ اسکی وجہ بھی یہی خط و کتابت ہے۔ اور ہم اس پر مجبور بھی ہیں۔ اس لئے کہ یہ دین کا معاملہ ہے ورنہ ذاتی طور پر ان حضرات سے ہمیں کوئی بخشش نہیں بلکہ اگر دین کا معاملہ نہ ہوتا تو ہم یہ کتاب تحریر کرتے اور نہ یہ مراسلت شائع کرتے۔

آخر میں یہ بھی عرض کر دوں کہ مولوی سرفراز صاحب وہ پہلی ہستی ہیں جنہوں نے مجھ پر بلا دلیل منکر حدیث ہونے کا الزام لگایا۔ ورنہ آج تک علماء دیوبند میں سے کسی نے مجھ پر یہ الزام قائم نہ کیا تھا۔ حتیٰ کہ میری متعدد کتابوں پر علامہ ظفر احمد عثمانی مرحوم، مفتی اعظم مفتی شفیع صاحب مرحوم، علامہ محمد یوسف بنوری مرحوم اور دیگر علماء کی تقریظات شائع شدہ موجود ہیں۔ ان حضرات نے جہاں میری تحریرات سے اتفاق کیا ہے وہاں میرے لئے دعا خیر بھی فرمائی ہے۔

مجھ پر یہ الزام کہاں تک عائد ہوتا ہے یہ تو قارئین آئندہ سطور میں خود ملاحظہ فرمائیں گے لیکن میں اللہ کو حاضر و ناظر تسلیم کرتے ہوئے یہ بات کہنے کے لئے تیار ہوں کہ میرے ذہن کے کسی

گوشہ میں کبھی بھی یہ سوا نہیں سمایا۔ لیکن جس روایت کو خود متقدمین اور محدثین نے مجروح قرار دیا ہو۔ میں اس پر اپنے ایمان کی بنیاد قطعاً قائم نہیں کر سکتا۔ اور نہ کسی صورت میں حد کو قرآن پر ترجیح دے سکتا ہوں۔

ہاں مجھے اپنے علماء سے یہ شکایت ضرور ہے کہ جب فروعی مسائل کا معاملہ آتا ہے مثلاً فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر، رفع یدین اور آٹھ رکعت تراویح اس وقت تو ہمارے علماء خواہ وہ مقلد ہوں یا غیر مقلد رجال اور جرح و تعدیل کے سب دفتر کھول کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور صحیح سے صحیح روایت پر بھی تنقید جائز ہوتی ہے۔ لیکن دیگر مسائل میں یہ حرمت کا درجہ اختیار کر لیتی ہے۔ لہذا کچھ تو انصاف سے کام لیجئے۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر یہ حضرات کسی روایت پر بحث کریں تو وہ قطعاً جائز، لیکن اگر ان کی لابی سے باہر کا کوئی فرد تنقید کرے تو وہ مجرم۔ اس کا فیصلہ تو اللہ کے روبرو ہوگا کہ ہم میں سے مجرم کون ہے۔ ہم نے آج تک کسی روایت پر اس وقت تک تنقید نہیں کی، جب تک اس پر ابتدائی دور کے محدثین نے تنقید نہ کی ہو، ہم اسلاف کے طریقہ کار سے آج تک ایک قدم باہر نہیں گئے۔ اندرون خانہ ہمارے علماء کیا کیا کاروائے نمایاں انجام دیتے ہیں۔ اور انہی من مانی کارروائیوں کے لئے کیا طریقے اختیار کرتے ہیں۔ ہم اس کپڑا کرنا نہیں چاہتے۔ اس لئے کہ علماء نے اولاً تو اپنے اس طرز عمل سے عوام میں خود ہی اپنا تاثر قہم کر دیا ہے۔ اور ہم یہ قطعاً پسند نہیں کرتے کہ بچا کچھا تاثر بھی ختم ہو کر رہ جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ سب کو ہدایت عطا فرمائے۔ آمین۔

مراسلت

محترمی و مکرمی جناب مولوی سرفراز خان صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب کی کتاب ”راہ سنت مطالعہ میں ہے، نہایت کارآمد کتاب ہے جس سے مسائل سمجھنے اور سمجھانے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ لیکن اس میں ایک مسئلہ ایسا بھی درج ہے جو کہ خلش کا باعث بنا ہوا ہے۔ اور جسے عقل تسلیم کرنے سے گریزاں ہے۔ والا جناب نے، تحریر فرمایا ہے کہ مالی عبادت کا ثواب میت کو ایصال کیا جاسکتا ہے۔ اور وہ میت کو پہنچتا ہے یعنی عمل ہم کریں اور ہماری فرمائش پر اللہ تعالیٰ کے یہاں ثواب کسی مردے کے کھاتے میں لکھا جائے تاکہ گناہوں کے مقابلے میں ثواب کا تناسب زیادہ سے زیادہ ہو جائے اور وہ منفرت کا حقدار بن جائے۔ دل کو اطمینان اس لئے بھی نہیں ہو رہا ہے کہ قرآن مجید میں کہیں بھی ایصال ثواب کا ذکر نہیں ملتا۔ بلکہ یہ ملتا ہے کہ ایک کا بوجھ دوسرا نہ اٹھائے گا۔ قیامت میں کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔ اور یہ کہ صرف ہمارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ بلکہ زیادہ دیا جائے گا۔

ناقص معلومات کے مطابق احادیث مبارکہ میں کہیں بھی صراحتاً ثواب کی منتقلی بیان نہیں کی گئی۔ جن طریقوں سے ہم مردوں کے نام ایصال ثواب کرتے ہیں۔ ان طریقوں کا استعمال نہ تو صحابہ کرام میں پایا جاتا ہے اور نہ تابعین و تبع تابعین اور بعد کے لوگوں میں ملک عرب میں تو ایصال ثواب کا طریقہ نہ پہلے کبھی رائج رہا ہے اور نہ اب ہے۔ اتنے

مفید عمل سے اہل عرب کا ناواقف رہنا تعجب خیز سی بات ہے۔ یہ بھی ممکن نہیں کہ یہ حضرات واقف تو ہوں لیکن عمل کوئی نہ کرتا ہو۔ اگر ہم ایصالِ ثواب کے اصول کو صحیح تسلیم کر لیتے ہیں تو پھر یہیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ گناہ بھی ایصال ہو سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں مردوں کو جنت و دوزخ میں داخل کرنا ہماری اختیاری بات ہو جائے گی۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ پر دباؤ ڈالنا نہ کہلائے گا کہ ایصالِ ثواب کے ذریعہ میزانِ عدل میں نیکیوں کی بھرمار کر کے اللہ تعالیٰ کو مغفرت پر مجبور کیا جائے۔ یہ منطق بھی سمجھ میں نہیں آرہی ہے کہ اگر مالی عبادت کا ثواب منتقل کیا جاسکتا ہے تو بدنی عبادت کا کیوں منتقل نہیں کیا جاسکتا۔

اس مسئلہ میں آپ جیسے بعض علماء سے جو کچھ سننے میں آیا ہے "اس سے اور ان احادیث

کے مضامین سے جو عام طور پر تائیداً پیش کی جاتی ہیں۔ پتہ صرف اس قدر چل رہا ہے کہ میت کو دوسروں کے اعمال کا فائدہ صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جبکہ ان افعال میں میت کی کسی نہ کسی طرح شرکت رہی ہو۔ مثلاً مرنے والا وصیت کر گیا ہو۔ یا نیت کی ہو۔ لیکن عمل نہ کر کا ہو اور فوت ہو گیا ہو۔ جس کی تکمیل و رثاء وغیرہ نے مردے کے مال سے کر دی ہو۔ چنانچہ سعد بن عبادہؓ والی حدیث جسکو عموماً مسند کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اسی قسم کی ہے۔ ان کی والدہ نے مال خرچ کرنے کی نیت کی تھی۔ وہ ارادہ پورا کرنے سے قبل فوت ہو گئیں حضور نے ان کے اس ارادے کو اللہ کا قرض قرار دیا چونکہ قرین کی ادائیگی و رثاء کے ذمہ لازم ہوتی ہے۔ اس لئے من جانب والدہ کنواں کھود۔ نے وغیرہ کی اجازت دیدی گئی منت والدہ کی تھی، مال بھی انہیں کا چھوڑا ہوا تھا۔ والدہ کی جانب سے صرف کنواں کھودنے یا کھدوانے کا کام حضرت سعد بن عبادہؓ نے انجام دیا۔ ایک حدیث مبارکہ ایسی بھی نظر سے گذری ہے جس میں یہ درج ہے کہ صحابہ نے حضور اکرمؐ سے دریافت فرمایا کہ ہم اپنے مرنے والوں کو کس طرح فائدہ پہنچا سکتے ہیں تو جواب یہ مرحمت فرمایا گیا کہ دعائے مغفرت کی جائے۔ اس سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ

ایصالِ ثواب قائمہ مند عمل ہرگز نہیں ہے۔ فائدہ مند ہوتا تو حضور ضرور ارشاد فرماتے
سو دند ہوتے ہوئے بیان ذکر کیا۔ اخفائے دین بن جائیگا۔ جو کہ ایک نبی سے ممکن نہیں
دریں حالات اس سلسلہ میں جو تشویش پیدا ہو گئی ہے۔ براہ کرم اس کو قرآن و
احادیث صحیحہ کی روشنی میں رفع فرمائیں۔ اور صحیح صورت حال سے روشناس کرائیں
تو نوازش ہوگی۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے گا

والسلام
بندہ عاصی
سعید اللہ کاظمی

نقل خط من جانب مولوی سرفراز خان صاحب شیعہ الحدیث
مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ

باسمہ سبحانہ و تعالیٰ۔

من جانب ابن الزاہد۔

صاحب ام بركاتہم

الی محترم المقام جناب

وعلیکم و علی من لدیکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا طویل گرامی نامہ موصول ہوا، یاد آوری، کرم فرمائی، حسن ظنی اور ذرہ نوازی

کاتہ دل سے صد شکریہ، ورنہ من آنم کہ من وانم

محترم۔ راقم انیم بے عدم صرف رہتا ہے اور بڑھاپا اور علالت اس پر مستزاد ہے

مسائل کے جوابات ادارے کے مفتی صاحب ہی لکھا کرتے ہیں، اس وقت وہ یہاں موجود نہیں ہیں جھپٹی پر گھر گئے ہوئے ہیں۔ اس لئے راقم انیم ہی چند اشارات کئے دیتا ہے آپ نے بزمِ خویش احادیث سے ایصالِ ثواب کی ثابت شدہ حبلہ موتوں کی یہ فرما کر پیش بندی کر دی ہے کہ وصیت وغیرہ نہ ہو، معاف رکھنا اس طرح کی قیود لگا کر مطالبہ کرنے سے قرآنِ کریم اور صحیح حدیث سے یکجا کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ثابت کرنا بھی مشکل ہو جائے گا۔ ہم نے قرآنِ کریم اور حدیث شریف کے علاوہ اُمت کے تسامع کو بھی دیکھا ہے۔ بایں ہمہ وصیت کے بغیر بھی ایصالِ ثواب کا ثبوت صحیح احادیث میں موجود و مذکور ہے۔ چنانچہ حافظ ابن القیم تحریر فرماتے ہیں۔
 وَاَمَّا مَوْلَى ثَوَابِ الصَّدَقَاتِ
 الصَّيْحَانِ عَنِ عَائِشَةَ رَضِيَ
 اللَّهُ عَنْهَا اَنْهَا قَالَتْ يَا
 رَسُولَ اللَّهِ اِنْ اَصْحَابُ قُلُمْتِ
 لَفَسَّهَا وَلَمْ تَوْصِ وَ اَطْلَعَهَا لَوْ
 تَكَلَّمْتَ تَصَدَّقْتَ اَفْلَهَا اَجْرُ
 اَنْ تَصَدَّقْتَ عَنْهَا قَالَتْ لَغَم
 اور صدقہ کے ثواب کا پہنچنا صحیحین
 میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے
 مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا
 یا رسول اللہ میری ماں اچانک مر گئی
 اس نے کوئی وصیت نہ کی تھی اور میرا
 گمان ہے کہ اگر وہ کلام کرتی تو صدقہ ضرور
 کرتی۔ اگر میں اس کی جانب سے صدقہ
 کروں، کیا اسے اجر ملے گا۔ آپ نے
 فرمایا ہاں۔

اس روایت میں تصریح ہے کہ متوفاة نے وصیت نہیں کی تھی صرف زندہ بزرگ اپنی رائے اور ظن کا ذکر فرما رہے ہیں۔ لیکن بایں ہمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نعم فرما کر اس کا اثبات فرمایا۔

وفی صحیح مسلم عن ابی ہریرۃ صحیح مسلم میں ابو ہریرہ سے مروی ہے

ان رجلا قال للنبی صلی اللہ
 علیہ وسلم ان ابی مات و
 ترک مالک و لم یومض فہل یکنی
 عنہ ان تصدق عنہ قال
 نعم۔ کتاب الروح ص ۱۳۵

کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ
 علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرا
 باپ مر گیا ہے۔ اور اس نے
 مال چھوڑا ہے۔ لیکن کوئی وصیت
 نہیں کی اگر میں اس کی جانب سے
 صدقہ کروں۔ کیا اس جانب
 سے وہ کافی ہوگا۔ آپ نے فرمایا ہاں

اس صحیح روایت میں بھی تصریح ہے کہ مرنے والے نے وصیت نہیں کی تھی۔
 اور زندہ اس کی طرف سے صدقہ کرنا چاہتا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا
 اثبات فرمایا۔

شکوہ ۱۲۸ میں منہاج، ابو داؤد، ابن ماجہ، ترمذی، اور واری کے حوالہ
 سے روایت ہے کہ آپ دو منیڈ سے قربان کیا کرتے تھے۔ ایک اپنی طرف سے اور ایک
 امت کے ان افراد کی طرف سے جو قربانی نہیں کر سکتے تھے بعض الفاظ یہ ہیں۔

اللہم هذا عنی وعنہم
 اے اللہ یہ میری جانب سے اور میری
 امت کے ان لوگوں کی جانب سے جنہوں
 نے قربانی نہیں کی۔

اور اس میں بجز ایصال ثواب کے اور کچھ نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ دعوات
 صالحات میں نہ بھولیں۔ بفضلہ تعالیٰ راقم انیم بھی دعا گو ہے۔ والسلام
 ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۷ھ

۸ مئی ۱۹۸۰
 احقر ابو الزاہد محمد سرفراز گلگڑ

الجواب

من جانب حبیب الرحمان کاندھلوی
 الیٰ محترم المقام جناب مولوی سرفراز صاحب دام فیوضہ
 باسمہ سجادہ و تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایصالِ ثواب کے سلسلہ میں آنجناب کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ آنجناب نے از خود جو جواب
 تحریر فرمایا اس سے مجھے مسرت حاصل ہوئی۔ اس لئے کہ فدوی کی عرض تحقیق ہے حصول
 فتویٰ نہیں اس لئے کہ میرے نزدیک اصل مفتی انسان کا قلب سلیم ہے بشرطیکہ انسان
 صاحب علم ہو کیوں کہ ارشادِ رسول ہے۔

دع ما یریبک الیٰ مال الابر
 جو چیز تجھے شک میں ڈالے اسے چھوڑ کر وہ
 چیز اختیار کر جو شک میں نہ ڈالتی ہو۔
 یریبک
 اور

اتق ما حاث فی الصدور

جوابات دل میں کھٹکے اس سے بچ

آنجناب بھی اس بات کا بخوبی علم رکھتے ہیں کہ علماء نے زیادہ سے زیادہ ایصالِ ثواب
 کا جواز ثابت کیا ہے۔ کوئی شخص بھی اس کے وجوب یا سنت کا قائل نہیں اور یہ بھی آپ کے علم
 میں ہے کہ اگر کسی شے کے سنت اور بدعت ہونے میں اختلاف ہو تو اسے بدعت ہی تصور
 کیا جائے گا، اور اس اصول کو آنجناب نے ”راہِ سنت“ میں بیان فرمایا اس اصول سے بہت سے
 مسائل بھی حل فرمائے ہیں۔

یہ بھی آپ کے علم میں ہے کہ کلام اللہ میرا یہاں ثواب کا اشارہ تک نہیں پایا جاتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ثواب و جزا کو انسان کے اپنے ذاتی عمل پر موقوف فرمایا ہے۔ ارشاد ہے۔

حَزَّاءُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

لَسَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ
..... البقرہ ۱۲۸

یہ ان کے اعمال کی جزا ہے۔

وَلَا تَحْزَنُوا إِنَّا لَكُنْتُ مُنْعِمُونَ ۝

النہل ۵۴

ان کے لئے ان کی کمائی ہے۔ اور تمہارے لئے تمہاری کمائی۔ ۲ : ۱۲۸

اور تم جزا نہیں دیئے جاؤ گے۔ مگر ان اعمال کی جو تم کیا کرتے تھے۔ ۳۶ : ۵۴

یہ تمام آیات عام ہیں اور خبر واحد کے ذریعے قرآن کی تخصیص احسان کے نزدیک قطعاً جائز نہیں بلکہ ان کے نزدیک یہ تخصیص بھی ایک قسم کا نسخہ ہے۔ اور خبر واحد کے ذریعہ قرآن کو نسخہ نہیں کیا جاسکتا۔

جہاں تک تعامل کا مسئلہ ہے تو اگر صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین کا اس پر تعامل ہوتا تو مجھے اس دلیل کے قبول کرنے میں کوئی اشتباہ واقع نہ ہوتا۔ لیکن مجھے اس میں ان حضرات کا کوئی تعامل نظر نہیں آتا۔ اور موجودہ دور میں اسے ایک لازمہ دین تھو کر لیا گیا ہے جس کے غالباً آنجناب بھی قائل نہ ہوں گے۔

جہاں تک آپ کی بیان کردہ احادیث کا تعلق ہے تو اس میں سب سے بہترین حدیث حضرت عائشہؓ کی ہے جو اکثر کتب حدیث میں مروی ہے۔ لیکن اس حدیث کے جواہر آنجناب نے نقل فرمائے ہیں وہ قابلِ غور ہیں۔ اس لئے کہ امام مالک اور امام بخاری نے اس روایت کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

عُرِّ عَائِشَةُ أَنَّ رَجُلًا قَالَ
لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ إِنَّهُ أَفْتَلَتْ نَفْسَهَا

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری ماں اچانک مر گئی اور میرا خیال ہے کہ اگر اسے

واراھا لو تکلمت تصدقت
 افا تصدق عنها قال رسول
 اللہ صلی علیہ وسلم نعم
 کلام کرنے کا موقع ملتا تو وہ صدقہ کرتی کیا میں
 اسکی طرف سے صدقہ کر سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا
 ”ہاں“

میچ بخاری جلد اول ۲۸۶، مؤطا مع کشف المغلط ۱۳۸

امام مالک اور امام بخاری کی روایت میں یہ الفاظ قطعاً نہیں پائے جاتے کہ
 مرنے والی نے کوئی وصیت نہیں کی تھی۔ بلکہ مذکورہ الفاظ سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگرچہ
 اچانک موت کے باعث وہ مر گئیں۔ لیکن اگر انہیں موقع ملتا تو ضرور وصیت کرتیں۔ ان
 کے صاحبزادے کو یہ تخمین کیسے پیدا ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس کا کچھ نہ کچھ پس منظر ہوگا۔ اور
 کچھ نہ کچھ اس کے اسباب ضرور پائے جاتے ہوں گے۔ ممکن ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی
 میں اسکا تذکرہ کیا ہو۔ اور آپ ہی کا پیش کردہ اصول ہے۔

صاحب البیت ادری مافیہ گھر والا گھر کے حالات کو زیادہ جانتا ہے۔
 ثواب اس نیت کو صاحبزادے علی جامہ پہناتا چاہتے ہوں۔ اسی لئے یہ الفاظ
 کہنے پر عبور ہوئے ”کہ اگر میری“ ماں کو موقع ملتا تو ضرور صدقہ کرتیں۔ اس صورت میں
 یہ عمل ان کی والدہ کا سمجھا جائیگا۔

امام مالک نے جو الفاظ روایت کئے ہیں وہی الفاظ امام حماد بن زید، امام یحییٰ بن
 سید العطان، علی بن مسہر، شعیب بن اسحاق، روح بن القاسم اور جعفر بن عون
 بھی بیان کر رہے ہیں۔ اور آنجناب نے ابن القیم کے حوالہ سے جو الفاظ نقل کئے ہیں۔ وہ
 صرف ابواسامہ کی روایت کے الفاظ ہیں جو تمام روایت کی روایت کے خلاف ہیں اتفاق
 سے ابواسامہ مدلس ہے اور آخر عمر میں وہ دوسروں کی کتابوں سے روایات بیان
 کرنے لگا تھا۔ اور اگر یہ ثقہ بھی ہو، تب بھی امام مالک، حماد بن زید اور یحییٰ بن العطان
 جیسی ہستیوں کے مقابلے میں اس کی روایت کسی صورت میں حجت نہیں ہو سکتی

کیوں کہ ایک ثقہ راوی جب اپنے سے زیادہ ثقہ راویوں کی مخالفت کرے تو وہ روایت منکر کہلاتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آنجناب نے اس حدیث کی خود تحقیق نہیں فرمائی۔ بلکہ مقلدانہ طور پر کلیتہً علامہ ابن القیم کے حوالہ پر اعتماد فرمایا۔ اس حدیث میں ایک غور طلب امر یہ بھی ہے کہ شیب اور جعفر بن عون تو یہ الفاظ نقل کر رہے ہیں۔

افلہا اجر کیا اسے اجر ملے گا؟

جب کہ بقول امام مسلم بقیہ تمام روایات کے یہ الفاظ ہیں۔

افلی اجر کیا مجھے اجر ملے گا؟

ایسی صورت میں اس حدیث کا ایسا الٰہی ثواب سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں رہتا

بلکہ وارث اپنے اجر کے لئے یہ عمل کر رہا ہے۔

جہاں تک حدیث ابو ہریرہؓ کا تعلق ہے تو یہ حدیث مسلم و نسائی وغیرہ میں موجود

ہے۔ لیکن ان کتابوں میں آپ کا پیش کردہ یہ جملہ

فہل یکفی عنہ کیا یہ صدق اس کی طرف سے کافی ہوگا۔

ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کے بجائے یہ الفاظ ہیں

فہل یکفر عنہ ان الصبی اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں کیا یہ

اس کی طرف سے کفارہ ہو جائے گا۔

علامہ ابن القیم کی یہ دوسری بھول ہے اور ان دونوں الفاظ کے مفہوم میں نیز

آسمان کا فرق ہے۔ یہ الفاظ تو یہ ثابت کر رہے ہیں کہ کسی کفارے کا معاملہ تھا۔

جو مرنے والے کے ذمہ واقع ہو گیا تھا۔ لیکن راوی صحیح طور پر اس واقعہ کو نقل

نہ کر سکا۔

نیز اس حدیث کے راوی علاء بن عبد الرحمن کے بارے میں محدثین کا اختلاف

ہے۔ بعض اسے ثقہ اور بعض ضعیف کہتے ہیں۔ لیکن اس کی بیان کردہ حدیث کو کوئی حجت نہیں مانتا۔ ایسی صورت میں یہ حدیث قطعاً دلیل نہیں بن سکتی۔ اور علماء کے علاوہ کوئی اسے روایت نہیں کرتا۔

رہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امت کی جانب سے قربانی۔ اسے بھی قطعاً ایصالِ ثواب نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ اس قربانی میں زندہ افراد بھی شامل ہیں۔ اور اربوں ایسے افراد بھی شامل ہیں جو اس وقت عالم وجود میں نہ گئے تھے۔ بلکہ اس میں ایسے لاتعداد افراد بھی داخل ہیں جو بحال ظہور پذیر نہیں ہوئے۔ اور اس کا کوئی قائل نہیں کہ زندہ افراد یا پیدا ہونے والی نسلوں کو بھی ایصالِ ثواب کیا جاسکتا ہے۔

ہاں شیعوں کے بقول جعفر بن محمد نے اپنی ہی زندگی میں اپنا کونڈا کر لیا تھا۔ اگرچہ ۱۹۰۳ء تک کسی نے بھی ان کی سنت پر عمل نہیں کیا۔ ۱۹۰۳ء میں امیر مینیائی کے خاندان کے ایک فرد نے یہ کہانی وضع کر کے جعفر بن محمد کی جانب منسوب کر دی۔

کیا ان دونوں صورتوں یعنی زندوں کے لئے ایصالِ ثواب اور آنے والی نسلوں کے لئے ایصالِ ثواب پر بھی تعامل پایا جاتا ہے؟ اس صورت میں اس حدیث کا ایصالِ ثواب سے کیا تعلق ہے۔ وہ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔

حضور نے امت کے ان افراد کی جانب سے جو قربانی نہ کر سکیں اس لئے قربانی اور افرادی کہ حضور پوری امت کے دلی اور داشت تھے : ارشاد الہی ہے :-

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ
أَنْفُسِهِمْ ۚ الْأَحْزَابُ ۶
نبی مومنین کے ان کی جانوں سے زیادہ
حقدار ہیں۔ ۶ : ۳۳

اور حدیث میں بھی ہے
أَنَا أَوْلَىٰ الْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ
میں مومنین کا ان کی جانوں سے زیادہ

حقدار ہوں

یہی وجہ ہے کہ آپ نے ہر اس شخص کا قرضہ اپنے ذمہ لے لیا تھا۔ جو قرضہ
مرا ہوا، اور مرتے وقت کچھ مال نہ چھوڑا ہوا، اسی طرح جن لوگوں نے قربانی نہیں کی یا
آئندہ قربانی نہ کر سکیں۔ ان کی ذمہ داری بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذمہ لیتے ہوئے
بطور نیابت ان سب کی جانب سے قربانی ادا فرمائی۔ کیوں کہ آپ امت کے باپ تھے
ویسے بھی آنجناب نے اس روایت کو نقل کرنے میں دو مخالطے کھائے ہیں۔

اول بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی زندگی میں صرف ایک بار انجام دیا تھا
نہ کہ ہر سال جیسا کہ آپ نے دعویٰ کیا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آئندہ آپ ہر سال کا بہانہ
بنا کر بیسوں اور عرسوں کو بھی دین میں داخل فرمائیں گے۔ حضرت جابر کے الفاظ ہیں،
شَهِدْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى

اللہ علیہ وسلم الا ضحیٰ فی
المصلیٰ فلما قضیٰ خطبۃ

نزل من منبرہ واتی بکبش فذبح

وَسَوَّلَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْدَهُ

وَقَالَ بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهِ!

أَكْبَرُ هَذَا عَنِّي وَعَمَّنْ لَمْ

يَضْحِكُ مِنْ أَمْتِي

ابوداؤد ج ۲ ص ۳۲ ترمذی ۱۷۹

آنجناب کی دوسری غلطی یہ ہے کہ جس سال یہ قربانی انجام دی

گئی۔ اس سال صرف ایک مینڈھا ذبح کیا گیا تھا۔ اور یہ مینڈھا آپ نے اپنی اور امت کو

ان افراد کی جانب سے قربان کیا۔ جو قربانی نہ کر سکیں۔ جیسا کہ خط کشیدہ الفاظ سے

عیاں ہے۔ اور ابن ماجہ کی جن روایات میں دو مینڈھوں کا ذکر ہے۔ یہ ہمیشہ

امت کی جانب سے قربانی کا ذکر ہے۔ وہ تو اپنے ضعف کے باعث قابلِ اعتنا بھی نہیں۔ صحابہ کرام اور ائمہ فقہاء و محدثین نے اس حدیث سے جو نتیجہ اخذ کیا کہ وہ آپ کے اخذ کردہ نتیجے کے بالکل خلاف ہے۔ امام ترمذی وغیرہ نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

کان الرجل یضغی بالشاة عند
وعن اهل بيته فياكلون و
يطعون حتى تباهي الناس
فصارت كاتري
آدمی اپنی اور اپنے گھروالوں کی جانب سے
ایک بکری ذبح کیا کرتا تھا۔ اسے خود بھی
کھاتے اور دوسروں کو بھی کھلاتے حتیٰ
کہ لوگ قربانی پر فخر کرنے لگے۔ اب صورت
حال تم خود دیکھ رہے ہو۔

اس کے بعد امام ترمذی فرماتے ہیں۔

والعمل على هذا بعض اهل العلم
وهو قول احمد واسحاق واحبا
بحدیث النبی صلی اللہ
علیہ وسلم انه صحی بکیش
فقال هذا عمن لم یضمن
امت
اور اسی حدیث پر بعض علماء کا عمل ہے یہی
قول ہے امام احمد بن حنبل اور امام اسحق
بن راہویہ کا اور انہوں نے بطور دلیل
یہ حدیث پیش کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم نے ایک مینڈھا قربان کیا۔ اور فرمایا
یہ میری اور امت کے ان افراد کی جانب سے
ہے جنہوں نے قربانی نہیں کی۔

ترمذی ج ۱ ص ۲۱۴

گویا ان حضرات نے اس حدیث سے ایصالِ ثواب کے بجائے پورے گھر
کی جانب سے ایک قربانی کا جواز ثابت کیا۔ ایسی صورت میں اس حدیث سے ایصال
ثواب ثابت کرنا کیسے درست ہوگا۔ جب کہ صحابہ کرام ایک ہی جانور میں اپنے گھروالوں
کو بھی شامل کر لیا کرتے تھے تو کیا وہ اپنے زندہ گھروالوں کے لئے ایصالِ ثواب کیا

کرتے تھے۔ بیٹو! توجرو!

والسلام
حبیب الرحمن کاندھلوی

جواب منجانب مولوی محمد سرفراز صاحب

باسمہ سبحانہ و تعالیٰ

منجانب ابی الزہرہ

الٰہی محترم المقام جناب... .. زید لطفہ

ہدیہ مسنونہ اسلام کے بعد گزارش ہے کہ آپ نے محض الحجاؤ کا طریق اور منکرین حدیث کا ذہن جس طرح پہلے خط میں اختیار کیا تھا، آپ کے اسی جواب کی جو جناب محترم کاندھلوی صاحب کے نام سے ارسال کیا گیا ہے۔ توقع تھی کہ جب الگ الگ سیاق کی تمام حدیثوں کو توڑ مروڑ کر اپنی مرضی کی زنجیر سے جکڑ دیا جائے اور صحیحین کے مسلم اور فقہ راویوں میں کیشے نکالے جائیں۔ اور اکابر کے دامن کو ترک کر دیا جائے اور اپنی تحقیق اور قلم ہی پر بھروسہ ہو۔ اور اعجاب کل ذی رائی برائے کا مظاہرہ ہو تو معاف رکھنا قرآن و حدیث سے کلمہ توحید بھی یکجہا ثابت کرنا کار دارد

چوں کہ راقم عمر اور علیل ہے اور یکم شعبان سے آخر رمضان دورہ تفسیر بھی بفضلہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ اور فرصت بالکل نہیں ملتی۔ اس لئے آپ کسی فارغ البال سے رابطہ قائم کر لیں تاکہ وہ آپ سے الجھتا رہے۔ راقم اٹیم بالکل معذور ہے اور آئندہ آپ کے کسی خط کا جواب نہیں دیگا۔ انشاء اللہ العزیز نیک دعاؤں میں نہ بھولیں۔ راقم بھی دعا گو ہے۔

والسلام

من جانب ابی الزاہر محمد سرفراز از گکھڑ - ۳۰ رجب سنہ ۱۴۰۰ھ

۱۴ رجب سنہ ۱۹۸۰ھ

ان خطوط سے قارئین کرام کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اصل سوالات سے مولوی سرفراز صاحب نے کس طرح راہ فرار اختیار کی ہے۔ جواب نہ ہونے کی صورت میں ہم پر الزامات کی پوچھا کر دی۔ اور ہم پر یہ الزام قائم کر دیا کہ ہم بخاری مسلم کے فقہ راویوں میں کیڑے نکالتے ہیں۔ حالانکہ خود مولوی سرفراز نے اپنی کتاب ”احسن الکلام“ میں مسلم کے متعدد راویوں میں کیڑے نکالے ہیں۔ اور امام بخاری کو بھی ہدف بنایا ہے بلکہ محاورے سے ہٹ کر انہوں نے امام بخاری کی ذات میں اچھے خاصے کیڑے بھر دیئے ہیں۔ حیرت ہے کہ جو کام ان کے لئے جائز ہے وہ ہمارے لئے حرام ہے تفصیلی جوابات تو آپ آئندہ صفحات میں ملاحظہ کریں گے، لیکن میں قارئین کی اس جانب توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں کہ مولوی صاحب مذکور نے کیڑے نکالنے کا محاورہ اتفاقاً کسی سے سن لیا ہو گا۔ ورنہ فارغ البال ہونا اور بالکل معذور ہونا یہ بھی محاورات ہیں۔ جن کا مولوی صاحب نے قطعاً غلط استعمال کیا ہے۔ معذور تو اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے ہاتھ پاؤں جواب دیدیں مصروف کے معنی میں معذور استعمال نہیں ہوتا۔ اور فارغ البال اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے بیوی بچے نہ ہوں غیر مصروف انسان کو فارغ البال نہیں کہتے۔

خط کی ابتدا میں مولوی صاحب نے زید لطف لکھ کر ہمیں یہ دھوکا دینا چاہا ہے کہ وہ ہماری مزید مہربانیوں کے طلب گار ہیں غالباً یہ جملہ سمجھنے کے بعد خیال آیا کہ یہ طلب نہیں بہت مہنگی پڑے گی۔ اس لئے ۵۰ بعد میں عدم لطف کے طلب گار بن کر ہم سے خط و کتابت سے بھی گریزاں ہیں۔

صدقہ جاریہ

دعا کے علاوہ مردے کو فائدہ پہنچانے کی ایک صورت اور بھی ہے۔ اور وہ صدقہ جاریہ ہے جس کی صورت یہ ہے کہ مرنے والا اپنی زندگی میں کوئی ایسا عمل کر کے جس کا اجر اسے بعد میں بھی ملتا رہے۔ مثلاً مسجد و مدرسہ و عیضہ کی تعمیر یا کوئی ایسا کام کر کے کرنا جس سے اس کے مرنے کے بعد زندوں کو فائدہ پہنچتا رہے۔ مثلاً ضرورت مندوں کے لئے کوئی ہسپتال تعمیر کرنا۔ یا دین کی تعلیم دینا۔ کتابیں وقف کرنا۔ اولاد کو نیک تربیت دینا وغیرہ سب صدقہ جاریہ ہیں۔

اگر کوئی انسان اپنی زندگی میں یہ امور انجام نہ دے سکا تھا۔ لیکن اس نے اپنے دنیا کو یہ وصیت کی تھی کہ میرے تہائی مال سے میرے لئے تعلیم قرآن کا مدرسہ کھول دینا۔ یہ تمام امور صدقہ جاریہ ہیں۔ اگرچہ فقہی نقطہ نگاہ سے اس عمل یا وصیت کا تعلق مال سے ہے

اس حدیث کے الفاظ پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر ورنہ ایسا اس کا مال اسے کچھ فائدہ پہنچا سکتا تو یہ دونوں چیزیں بھی عمل کی طرح اس کے ساتھ رہتیں یعنی یہ بھی ساتھ میں دفن ہوتیں یعنی اس کام کے لئے ”ستی“ کی رسم موزوں رہتی۔ اور جب اسلام میں اس رسم کا کوئی وجود نہیں تو اب وارث بچارہ اپنے عمل سے اسے کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے

اگر کسی قسم کے مال سے مرنے والے کو فائدہ پہنچتا اور اس صورت کا شریعت میں کوئی وجود ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس استثنائی صورت کی بھی ضرور وضاحت فرماتے۔ لیکن حضور نے اس کا کوئی تذکرہ نہیں فرمایا جو اس امر کا ثبوت ہے کہ اس قسم کی کوئی صورت اسلام میں نہیں پائی جاتی۔

اس کی تائید مزید ایک اور حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت ابو ہریرہؓ کے ذریعہ ان الفاظ میں مروی ہے۔

اذا مات الانسان القطع عله	جب انسان مرتا ہے تو اس کا عمل منقطع
الامن ثلثة من صدقة	ہو جاتا ہے۔ مگر تین قسم کا عمل، صدقہ
حاربة وعلم ينتفع به وولد	جاریہ، علم جس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے
صالح يدعوله	اور نیک لڑکا جو اس کے لئے دعا کرے۔

مسلم ج ۲ ص ۲۸۱ سنن ج ۲ ص ۲۸۱ ابوداؤد ج ۲ ص ۲۸۱

اس حدیث نے حتمی طور پر یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ مرنے کے بعد انسان کو صرف تین ذرائع سے فائدہ پہنچ سکتا ہے اور ان تین ذرائع کے علاوہ شریعت اسلامیہ میں کوئی اور طریقہ موجود نہیں۔ جن روایات سے کوئی ایسا اور ذریعہ ثابت ہوتا ہے تو ان روایات میں سے بیشتر تو ناقابل اعتبار ہیں اور جو ثقہ راویوں کے ذریعہ مروی ہیں تو اول تو ان کے الفاظ میں اختلاف ہے جس کی وضاحت ہم آئندہ صفحات میں کریں گے، ثانیاً وہ مخالف قرآن ہونے کے باعث ناقابل قبول ہیں اور پھر یہ احادیث بھی اس کی نفی کر رہی ہیں۔

ہمارے اس دعوٰی کی تائید میں متقدمین کے وہ الفاظ پیش کئے جاسکتے ہیں جو انہوں نے اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے کہے ہیں۔ جلال الدین سیوطی "زہر الری شرح لسانی" میں لکھتے ہیں

قال الشيخ ولی الدین انما
اجری علی هؤلاء الثلاثہ
بعد موتهم بوجود ثلث
اعمالهم بعد موتهم
کما کافت موجودۃ فی حیاتهم

شیخ ولی الدین (مصنف مشکوٰۃ) کہتے
ہیں کہ لوگوں کے مرنے کے بعد ان تین امور
کے جاری رہنے کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ ان
اعمال کا ثمرہ ان کی موت کے بعد بھی اسی
طرح جاری رہتا ہے جن طرح انہی زندگی
میں جاری تھا۔

قال القاضی عیاضی ان عمل
المیت منقطع بموتہ لکن
بعض الاشیاء لکان ہو
سببها من التسايد الولد
وبثه العلم عند من
حمله عنه اذ ایداعه
تالیفاً بقى بعده والیافه
هذه بقیة له اجودها

قاضی عیاض فرماتے ہیں مرنے والے
کا عمل موت کے ساتھ منقطع ہو جاتا ہے
لیکن چوں کہ ان امور کا مدی سبب تھا یعنی
اولاد کے نیک بننے میں اس کی کوشش کو
دخل تھا۔ علم کو پھیلانے میں کہ لوگ اس سے
علم حاصل کریں یا کتاب لکھنے میں جو اس
کی موت کے بعد باقی رہے اس لئے ان
چیزوں کا اجر بھی باقی رکھا گیا۔

نہ ۲۷۲

امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں۔

قال العلماء من الحدیث
ان عمل المیت ینقطع بموتہ
وینقطع تجدد والیاف له

علماء کہتے ہیں اس حدیث سے یہ ثابت
ہوتا ہے کہ مرنے والے کا عمل موت کے ساتھ
منقطع ہو جاتا ہے اور ثواب کا اجر ابد ہر جاتا

آلاف هذه الاشياء الله

شأنه لكونه كان سببها

فان الولد من كسبه و

كذا العلم الذي خلفه من

تصنيف او تعليم وكذلك العقد

المجارية وهي الوقت سلم ج ۲ ص ۳۴

کامرنے والا سبب تھا۔

بخاری نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے نقل کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا۔ تم میں سے کون شخص ایسا ہے جو وارث کے مال کو اپنے مال سے زیادہ محبوب

رکھتا ہو۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ میں تو صرف اپنا مال محبوب ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا

یقیناً اس کا مال تو وہ ہے ان مالہ ما قدم و مال

وارثہ ما اخر

بخاری ج ۲ ص ۹۵۳

بھیج دیا۔ اور جو پیچھے چھوڑ کر

مرادہ اس کے وارث کا مال،

ہے

یعنی انسان نے اپنی زندگی میں جس چیز کا صدقہ کر دیا وہ تو اس کا ہے۔ اور جو پیچھے

چھوڑ کر مر گیا۔ وہ اس کا مال نہیں۔ بلکہ وہ تو وارث کا مال ہے اور انسان کو اپنے مال پر

حق ہوتا ہے نہ کہ غیر کے مال پر۔ لہذا متروکہ مال تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ صرف

وہی مال فائدہ پہنچا سکتا ہے جو انسان اپنی زندگی میں اگے روانہ کر چکا ہے۔ یہ حدیث بڑی

قرآن کی ان آیات کی تفسیر ہے جن میں لفظ ما قدمت استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً:

ذات بمقامت یہ تو وہ اعمال ہیں جو تم نے اپنے ہاتھوں

اگے روانہ کئے تھے۔ ۱۸۲: ۳

امیدیکہ آل عمران ۱۸۲

امام بخاری نے ”الادب المفرد“ میں حضرت ابو اسید الفزاری سے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ کسی شخص نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں اپنے ماں باپ کی موت کے بعد اُن سے کس طرح بہتر سلوک کر سکتا ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا

حُصَالُ الرِّبِّ الدُّعَاءُ لَهَا دَالُ
سُتُغْفَارُ لَهَا دَالُ فَازَعِدْ
هَذَا كَلَامُ صَدِيقِهَا وَ
صَلَاةُ لِرَحِمِ التِّي رَحِمَ لَهَا
مَنْ قَبْلُهَا۔

چار باتوں میں۔ ان کے لئے دعا کرنا ان
کے عہد کو پورا کرنا۔ ان کے دوست کی
تکریم کرنا۔ اور ان لوگوں سے صلہ رہمی
کا سلوک کرنا جن سے تیرا رجمی تعلق ان سے
پہلے سے ہے۔

الادب المفرد

یعنی مرنے والے ماں باپ کے ساتھ اگر بھلائی کرنی مقصود ہے تو وہ
فاتحہ اور قرآن خوانی کے ذریعہ ممکن نہیں۔ بلکہ اس کی چند ہی صورتیں ہیں جن پر شاید
ہی کوئی عمل پیرا ہوتا ہو۔

ایک حدیث میں ارشاد رسول ہے کہ مرنے کے بعد میت کے درجے بلند ہوتے
رہتے ہیں۔ جب کوئی درجہ بلند ہوتا ہے تو مرنے والا سوال کرتا ہے۔

اِذَا رُبَّ اِي شَيْءٍ
هَذَا

اے میرے پروردگار یہ درجہ کی بلندی
کیسے ہوئی۔

بارگاہِ الہی سے جواب آتا ہے

وَلَدْتُكَ اسْتَغْفِرُ
لَكَ

بتیری اولاد نے تیرے لئے دعائے مغفرت
کی۔

یہ ہے وہ اصل ایصال جس سے درجات بلند ہوتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ مفید اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک اولاد زندہ رہتی ہے۔ اور اس کے لئے دعا کرتی رہتی ہے اور کہتی رہتی ہے

رَبِّ ارْحَمْهُمْ اِنَّمَا اَرْسَلْتَنِي
فَمَا جَسَ طَرَحَ اَنْهَوْنَ نَعِيْطِيْنَ مِيْنُ مَجْدٍ
۱۳۱/۱۷۷ بد مہربانی کی تھی۔

افسوس تو یہ ہے کہ شہادتیت نے مردوں کو خاندہ پہنچانے کا جو طریقہ وضع کیا تھا۔ اسے تو پس پشت ڈال دیا گیا۔ اور ہم نے ایصالِ ثواب کے اصول وضع کر کے پوری زندگی کا سودا صرف نتیجے کے دن اٹھا کر بے فکر بن گئے اللہ تعالیٰ کسی کو ایسی ناخلف اولاد نہ دے۔

پھر یہ سودا اتنا آسان کہ نہ پھٹکری نہ کوئی پیسہ خرچ ہو اور نہ قرض لینے کی ضرورت پیش آئے۔ بلکہ جسے ایک فقیر اور سائل بھی انجام دے سکے بے شک اس طریقہ سے برادری میں ناک ضرور کٹ جاتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسے ناک ہے جو ہزار بار کٹتی اور ہزار بار جڑتی ہے۔ اگر اس کا کٹنا اور اسکا جڑنا اتنا ہی سہل عمل ہے تو پھر تو یہ صنعت بہت فائدہ رساں ہے۔ لیکن اصل ناک جب قیامت کے دن کٹے گی تب حقیقت کھلے گی اور حیب یہ سوال ہوگا کہ تمہاری نظروں میں ہماری کتاب اور ہمارے احکام سے زیادہ برادری کی وقعت تھی۔ تم ہم سے زیادہ برادری اور رسم و رواج سے خائف تھے۔ اور ہم ہر اس عمل سے بے نیاز ہیں جس میں ہمارے ساتھ کسی اور کو شریک کیا جائے تو جاؤ جو کچھ طلب کرنا ہے۔ وہ اپنے برادری نامی الہ سے طلب کرو۔

أَرَأَيْتَ مَنْ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَؤُلَاءِ الْفِرْقَانِ ۚ

۱۳۳

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس

نے اپنی خواہش کو اپنا الہ بنا لیا ہے ۲۲:۲۵

ہمارے یہاں اس شخص کے لئے کچھ نہیں جو ہمارے احکامات پر اپنی دنیا کو ترجیح دے
لیکن جس نے سرکشی کی اور دنیاوی زندگی
کو ترجیح دی تو وہ دنخ اس کا ٹھکانہ ہے

الْبَاحِیْنِمَ هَی الْمَأْوِی ۝ الْاَدْعَاۃُ ۲۴-۲۹

۲۴-۲۹

امام مسلم نے مطرف سے نقل کیا ہے کہ میرے والد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی
خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اَلْعَاثُ الْتَکَاثُ تِلَاوَت فرمائی اور اس کے بعد
ارشاد فرمایا۔ انسان ہر وقت یہ رٹ لگاتا رہتا ہے۔ میرا مال یعنی ہر بات پر یہی
کلمہ روزِ زبان رہتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔

ذَهَلْ لَكَ يَا ابْنَ آدَمَ مِنْ
مَالِكَ اَلَا مَا اَكَلْتَ مِنْ
فَنِيْتٍ اَوْ لَسْتَ فَا
بَلِيْتٍ اَوْ تَصَدَّقْتَ
فَا مَضِيْت

اور اے ابنِ آدم تیرا مال کیا ہے! تیرا
مال تو صرف وہ ہے جو تو نے کھا کر فکا کر لیا
یا بہن کر پرانا کر دیا۔ یا صدقہ کر کے اگے
بھیج دیا۔

۲۳ ج ۲ صفحہ ۲۳

یعنی انسان کا اصل مال وہی ہے۔ جو اس نے صدقہ کر کے اگے جمع کر دیا ہے۔ یہ
مال تو اس کا آخرت میں کام آئے گا۔ اور کھاپی کر اور بہن کر جو کچھ ختم کر دیا وہ دنیا میں
کام آگیا اور بقیہ مال اس کا مال نہیں جو اس مال سے اسے کوئی فائدہ پہنچ سکے۔ اور دوسرے
کے مال پر نظر رکھنا یہ خود غرضوں کا شیوہ ہوتا ہے۔ اور جب یہ دنیاوی زندگی میں جا کر
نہیں تو آخرت میں یہ خود غرضی اسے کیا فائدہ پہنچا سکتی ہے۔

اسی مضمون کی ایک اور حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے بایں الفاظ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ بندہ ہر وقت یہ کہتا رہتا ہے میرا مال میرا مال۔

ان مالہ من مالہ ثلاث ما انسان کے مال میں سے اس کا مال صرف تین

قسم کا ہوتا ہے۔ وہ مال جو کھا کر انسان فنا اکل فاقی اولیس فابلی او

کندے۔ پن کر پانا کر دے یا کسی کو دیکر اعطی فاقتی ما سوا ذلک

ذخیرہ کر دے اس کے علاوہ تمام مال جائے فہو ذاہب وقارکہ للناس

والا ہے۔ اور اسے دوسروں کے لئے چھوڑ

کر چلا جانا ہے۔ مسلم ج ۵ ص ۴۰

سطور بالا میں گزر چکا ہے کہ مرنے کے بعد صرف تین چیزیں کام آتی ہیں صدقہ جاریہ یعنی وقف وغیرہ، نیک اولاد جو مرنے والے کے لئے دعا کرے۔ اور وہ علم جس سے لوگ مستفید ہوتے رہیں۔ یہی تین امور ہیں جو ایصال اور پارسل کئے بغیر مرنے والے کو خیر و بخیر پہنچتے رہتے ہیں۔ بقیہ پارسل تو الہی ڈاکٹے راہ ہی میں ضائع کر دیتے ہیں

ہم جو لوگوں کو قرآن و سنت کی دعوت دے۔ ہے ہیں یا جو کچھ تحریر کر رہے ہیں توجیب تک روئے زمین پر ایک انسان بھی اس پر عمل کرتا رہیگا۔ اس عمل کا اجر نیز کسی ایصال کے ہیں حاصل ہوتا ہے گا۔ نہ صرف ہیں بلکہ ان تمام حضرات کو بھی جنہوں نے ہماری کتابوں کی اشاعت میں مالی و جہانی معاونت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

ابن اجہ نے حضرت معاذ بن انسؓ کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان

نقل کیا ہے۔

من علم علما فله اجر جس شخص نے علم کی تعلیم دی۔ اس کے لئے

من عمل بہ لا ینقص اس شخص کا اجر ہے جو اس پر عمل کرے

من اجر العامل اور عمل کرنے والے کے اجر میں بھی کوئی

کی نہ کی جائے گی۔

ابن ماجہ مترجم ج ۱ ص ۱۱۱

یہ ہے اصل ایصالِ ثواب جو انشاء اللہ تاقیامت جاری رہے گا۔ یار لوگ تو یہ جانتے ہیں کہ مرے کو صرف ایک پیچھے ایک چالیسویں اور ایک برسی پر بڑا خادیں بلکہ اس میں بھی اصل مقصد برادری کی خوشنودی اور دکھاوا ہوتا ہے۔ ہمیں ایسے مٹھانے والے عمل کی ضرورت نہیں کہ وہاں تو قورما اور بوٹیاں منے لے لے کر کھائیں اور گھر جا کر کہیں کہ قورمے میں گوشت تو صرف نام کو تھا۔ ہمیں ایسے بوٹیاں نوچنے والے تہیوں کی کوئی ضرورت نہیں ہیں تو دوا ہی عمل کی ضرورت ہے۔ اور ہم اسی کی دعوت دیتے ہیں۔

امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ شلو نقل کیا ہے۔

من دعا الی ہدی کان	جس نے لوگوں کو ہدایت کی دعوت دی تو اسے
لہ من الاجر مثل اجور	ان لوگوں کا اجر بھی ملے گا۔ جو اس کی اتباع
من تبعہ لا ینقص ذلک	کریں۔ اور ان کے اجر میں بھی کوئی کمی نہ
من اجورہم شیئا و	کی جائے گی۔ اور جس نے گمراہی کی دعوت
من دعا الی ضلالتہ	دی تو اس پر ان لوگوں کا گناہ بھی ہوگا،
کان علیہ من اللثم	جنہوں نے اس گمراہی میں اس کی اتباع
مثل اثمہ من تبعہ لا	کی اور ان کے گناہوں میں بھی کوئی کمی نہ
ینقص ذلک من اثمہم	کی جائے گی۔
شیئا۔	

مسلم ج ۲ ص ۲۱۱۔ ابن ماجہ ج ۱

مشائخ ترمذی ج ۲ ص ۱۰۱۔ ابوداؤد ج ۲ ص ۲۸۵

ہمارے علماء تو صرف اس بات کے دعوے کرتے تھے کہ ایصالِ ثواب ثابت ہے

لیکن اس حدیث سے تو ایصالِ عذاب بھی ثابت ہو گیا۔ لیکن یہ ذہن میں رہے کہ ثواب و عذاب بغیر ارسال کئے اسے حاصل ہوتا رہتا ہے اس کے لئے کسی بزرگی ضرورت پیش نہیں آتی۔

حضرت جریر بن عبد اللہ الجلی کا بیان ہے کہ اعراب رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ لوگ اون کا لباس پہنے تھے۔ آپ نے ان کی صورتیں دیکھ کر ان کی فاقہ مستی اور خراب حالت کا اندازہ لگایا آپ نے لوگوں کو صدقہ کی ترغیب دی۔ لیکن لوگوں نے اس جانب کوئی خاص توجہ نہ دی۔ جس کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رونے مبارک پر ناگواری کے آثار پیدا ہوئے۔ اتنی دیر میں ایک انھاری ایک تھیلی لے کر آیا جس میں چاندی کے سکے تھے پھر دوسرا بھی کچھ لے کر آیا پھر تو لگا تا رہا ایک تسلسل قائم ہو گیا حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی سے کھل گیا۔ آپ نے اس وقت ارشاد فرمایا۔

من سن فی الاسلام حسنة	جو اسلام میں نیک طریقت کی ابتداء کرے
حسنة فعمل بها بعدہ	اور اس پر بعد میں عمل ہوتا رہے۔ تو اس
کتب لہ مثل اجر من	کے لئے بن عمل کرنے والوں کا اجر بھی
عمل بها ولا ينقص من	لکھا جائیگا۔ اور ان کے اجر میں کوئی کمی
اجور هم شیئ ومن سن	نہ کی جائے گی اور جس نے اسلام میں
فی الاسلام حسنة سیئة	برے طریقے کو پھیلا یا اور اس پر لوگوں نے
فعمل بها بعدہ کتب علیہ	عمل کیا تو بن کا گناہ بھی اس کے ذمہ لکھا
مثل او زار من عمل بها	جائے گا۔ اور ان عمل کرنے والوں کے
ولا ينقص من او زار هم شیئ	گناہوں میں بھی کمی نہ کی جائے گی۔

مسلم ج ۲ ص ۳۳۳ - ابن ماجہ ج ۱ ص ۲۱

اگر کوئی شخص ان ایصال پرستوں سے یہ کہے کہ جتنا پیسہ آپ اس خاتہ اور تھجہ نامی ڈزروٹی پارٹی پر خرچ کر رہے ہیں۔ وہ کسی ضرورت مند کو خاموشی کر دیجئے۔ اگر مردے کو ثواب نہ ملے گا تو آپ ہرگز بھی ثواب سے محروم نہ رہیں گے یا کسی دینی تعلیم میں لگا دیجئے۔ تو اس کے لئے کوئی شخص بھی تیار نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ انہیں قونام و نمود اور رسم مطلوب ہے۔ خدا پرستی کا دعویٰ تو ایک فریب ہے۔ یہ تو از ابتدا اتانہا منہم پرستی میں مبتلا ہیں۔

بجائے اس کے اگر یہ حضرت اپنے بچوں کو دینی تعلیم دیتے تو اسکا ایصال ثواب انہیں خود بخود دھتا رہتا ہے۔ لیکن اس کی دنیا پرستی کا تو یہ حال ہے کہ کوئی شخص اپنے ایک بچہ کو بھی دینی تعلیم دلانے کے لئے تیار نہیں اور اسی بے دینی کے باعث یہ ہتھکنڈا بھی اختیار کیا گیا ہے۔

از روئے اسلام مردے کو صرف تین چیزیں سہتی ہیں۔ ابو قتادہ انصاری کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

خیر ما یخلف الرجل من بعدہ	تو ہی اپنے بعد تین چیزیں بہتر چھوڑ کر
ثلاث ولد صالح یدعو لہ	جاتا ہے نیک لڑکا جو اس کے لئے دعا
ومصدقته تجری یملغہ	کرے صدقہ جاریہ کہ اسے اس کا اجر
اجرہا و علم یعمل بہ	ملا رہا اور علم جس پر اس کے بعد عمل
من بعدہ۔	کیا جائے۔

ابن ماجہ ترجمہ ۱۱۱۱

یہی تین چیزیں ہیں جن کا اجر انسان کو مرنے کے بعد ملتا رہتا ہے۔ اس کے لئے نہ کسی دن کے تعین کی ضرورت ہے اور نہ وقت کی نہ اس کے لئے برادری اور احباب جمع کرنے کی ضرورت ہے اور نہ پیسہ برباد کرنے کی۔

ایک اور حدیث میں اس کی تشریح ان الفاظ میں فرماتے ہیں
 ان مما يلحق المؤمن من عمله وحسناته بعد موته
 علمه ونشره وودعه
 صالحا وتركه ومصحفا
 ورثه او مسجد البناء
 او نصر اجراء او صدقته
 اخرجه من ماله في محبة
 وحياته يلحقه من بعد موته -

ابن ماجہ ۱۱۱۱

ایسے جتنے بھی اعمال ہیں جن کا اجر مردے کو پہنچتا ہے یہ تمام خود مردے کے اعمال ہیں۔ یا اس نے ان کی ابتداء کی تھی۔ ان تمام احادیث میں کسی ایسے عمل کا قطعاً ذکر نہیں ملتا جس میں مردے کے عمل کو دخل نہ ہو۔ اور پھر اس سے عمل کا حصہ بھی کہلائے یہ بھی ذہن میں رہے کہ صدقہ جاریہ صرف مالی صدقہ کا نام نہیں۔ بلکہ اگر کسی کو علم سکھایا اور دین کی راہ پر ڈالا تو یہ بھی صدقہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

افضل الصدقة ان

بہترین صدقہ یہ ہے کہ انسان اپنے مسلمان بھائی کو دین کی تعلیم دے۔ پھر وہ دوسرے کو تعلیم دے۔

تعليم المسلم المسلم
 ثم يعلمه اخاه المسلم

ابن ماجہ ۱۱۱۱

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ ایک ضرورتمند رسول اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس کے لئے لوگوں کو صدقہ کی ترغیب دی۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میری جانب سے اتنا مال ہے۔ ابوہریرہ کا بیان ہے کہ مسجد میں کوئی شخص باقی نہ رہا۔ جس نے کچھ نہ کچھ اسے مال نہ دیا ہو۔ حضور نے یہ صورت حال دیکھ کر شاد فرمایا۔

من استغنٰی فاستغنٰی بہ کان
لہ اجرہ کاملًا ومن اجور
ہم الاستغنٰی بہ ولا ینقص
من اجورہم شیئًا ومن
استغنٰی منہ سیئۃ فانا
ستن بہ فعلیہ وزرّٰہ
کاملًا ومن اوزارنا را لہ ذی
استغنٰی بہ ولا ینقص من
اوزارہم شیئًا۔

جس نے بھلے کام کی دعوت دی اور
لوگوں نے اس پر عمل کیا تو اسے اس کا
پورا اجر بھی ملے گا اور ان لوگوں کا اجر
بھی ملے گا جنہوں نے اس دعوت
پر عمل کیا۔ اور ان عمل کرنے والوں
کے اجر میں بھی کمی نہ کی جائے گی اور
جس نے برے کام کی دعوت دی، اور
لوگوں نے اس پر عمل کیا تو اس پر اس
کا بھی پورا گناہ ہوگا۔ اور ان عمل کرنے
والوں کا گناہ بھی ہوگا۔ اور ان کے گناہوں
میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔

ابن ماجہ ج ۱۰، دارمی ج ۱۰

حضرت انس بن مالک اور حضرت ابو جحیفہؓ نے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ
ارشاد نقل کیا ہے۔

ایجاداع وعلالی منلالۃ
فاتبع فان لہ مثل؛ اوزا
رمن اتبعہ ولا ینقص

جو بھی دعوت دینے والا گمراہی کی دعوت
دے گا پھر لوگ اس کی اتباع کریں
تو اسے ان تمام اتباع کرنے والوں کا

گناہ ملے گا۔ اور ان کے گناہوں میں کمی
 کمی نہ کی جائے گی اور جو شخص ہدایت
 کی دعوت دے گا۔ پھر لوگ اس کی
 اتباع کریں۔ تو ان اتباع کرنے والوں
 کا سے اجر ملے گا۔ اور ان کے اجر میں
 کوئی کمی نہ کی جائے گی۔

من اوزارهم شیئا وایما
 داع دھا الی ہدی فاتبع
 فان له مثل اجر من
 اتبعه ولا ینقص من
 اجرهم شیئا۔

ابن ماجہ ج ۱ ص ۲۸۱ - ترمذی ج ۲ ص ۲۸۱

ابو داؤد ج ۲ ص ۲۸۱

حضرت عمرؓ بن عوف المزنی بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل

کرتے ہیں۔

جس نے میری ایسی سنت کو جو مرہمی
 ہو۔ پھر زندہ کیا اس کے لئے اس پر تمام
 عمل کرنے والوں کا اجر ہوگا۔ اور ان کے
 عمل میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ اور جس
 نے کوئی ایسی بدعت جاری کی جسے اللہ اور
 اس کا رسول پسند نہیں کرتا۔ اس کے لئے
 ان تمام لوگوں کا گناہ ہے جنہوں نے اس
 پر عمل کیا اور ان کے گناہ میں کوئی کمی
 نہ کی جائے گی۔

من احیا سنۃ من سنتی
 قد اتمیت بعدی فان
 له من الاجر مثل اجر من
 عمل بها من الناس
 لا ینقص من اجر من
 شیا ومن ابتدع بدعت
 لا یرضاها اللہ ورسولہ
 فان علیہ مثل اثم من
 عمل بها من الناس

ابن ماجہ ج ۱ ص ۲۸۱

ترمذی ج ۲ ص ۲۸۱

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔

چار چیزیں ہیں جو انسان کو اس کے مرنے کے بعد بھی دی جاتی ہیں۔ وہ تہائی مال جو صدقہ کرے۔ بشرطیکہ اس مال کے حصول میں وہ اللہ کا تابع و راہبہ ہو۔ نیک لڑکا جو اس کے لئے اس کی موت کے بعد دعا کرے۔ نیک طریقہ جو وہ جاری کرے اور لوگ اس پر اس کی موت کے بعد عمل کریں۔ اور سوا افراد جو اس کی نماز جنازہ پڑھیں۔ اور اس کی مغفرت کی شفاعت کریں۔ تو یہ شفاعت قبول کی جاتی ہے۔

الرَّجُلُ يُعْطَاهَا الرَّجُلُ بَعْدَ
مَوْتِهِ ثَلَاثُ مَالٍ
إِذَا كَانَ فِيهِ قَبْلَ ذَلِكَ
لِلَّهِ مَطِيعًا وَالْوَلَدُ
الصَّالِحُ يَدْعُو مِنْ بَعْدِ
مَوْتِهِ وَالسَّنَةُ الْحَسَنَةُ
يُسْنِيهَا الرَّجُلُ فَيَعْمَلُ بِهَا
بَعْدَ مَوْتِهِ وَالْمِائَةُ إِذَا
اشْفَعُوا لِلرَّجُلِ شَفَعُوا فِيهِ
دَارِ جِ ۱۸

ان تمام احادیث سے یہ امر ثابت ہو جاتا ہے کہ مرنے والا اگر کسی ایسے نیک عمل کی بنیاد رکھ کر مرے جس پر بعد میں بھی عمل جاری رہے یا ایسی کتاب لکھ کر مرے جس سے لوگ مستفید ہوتے رہیں یا کسی کو دین کی راہ پر لگا کر مرے تو اس کا اجر مرنے والے کو ہر صورت میں خود بخود ملتا رہے گا۔ یہ وہ اصل ایصالِ جو قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی ایصال کو پیش نظر رکھتے ہوئے فرمایا، میں قیامت کے روز سب سے بڑے اجر کا مالک ہوں گا۔ میرے لئے میرا بھی اجر ہوگا۔ اور ان لوگوں کا اجر بھی ہوگا جو میری اتباع کریں۔

أَنَا أَكْثَرُ أَجْرٍ الْيَوْمَ الْقِيَامَةِ
أَنَا أَكْثَرُ أَجْرٍ الْيَوْمِ
الْقِيَامَةِ لَأَنِّي أَجْرِي
وَمَثَلُ أَجْرٍ مِنَ التَّعْبِ

دَارِ جِ ۱۸

اس ایصال کے تو ہم بلا شک و شبہ قائل ہیں۔ اور اسکا آج تک کوئی منکر نہیں ہوا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ہم اس کے بھی قائل ہیں کہ اگر کسی نے گناہ کی بنیاد رکھی۔ دینی تعلیم کے بجائے ناچ گانے کی تعلیم دی، مدرسہ و مسجد کے بجائے کلبوں اور رقص گاہوں میں پیسہ لگایا تو جب تک اس کا سلسلہ جاری رہے گا، اس وقت تک مرنے والے کو اس کا گناہ ملتا رہے گا۔ جب پاکستان میں بی ڈی چلتا رہے گا اور اس کے ذریعہ آوارگی اور عیاشی پھیلتی رہے گی، اس وقت تک اس کے جاری کنندہ کو بھی اس کا گناہ ملتا رہے گا۔ ارشاد الہی ہے۔

لِيُحِبُّوا أَوْزَارَهُمْ كَمَا
مَلَنُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ
مِنْ أَوْزَارِ الدِّينِ
يُفْضِلُونَهُمْ بِغَيْرِ
عِلْمٍ وَلَا سَأَلٍ مَا
يَزِرُونَهُ

ہم کہ وہ قیامت کے دن اپنے بھی پرے
گناہ اٹھائیں۔ اور ان لوگوں کے گناہ
بھی اٹھائیں جنہیں انہوں نے اپنی لا
علمی کے باعث گراہ کیا۔ یہ گناہ اٹھانے
والے کتنے برے ہیں۔

۲۵ : ۱۶

داخل - ۲۵

اسی پر تمام غلط امور کو قیاس کر لیجئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو
ان الفاظ میں بھی بیان فرمایا ہے
لَيْسَ مِنْ نَفْسٍ تَقْتُلُ ظُلْمًا
الْاَكَانَ عَلٰى ابْنِ اَدَمَ اِلَّا
وَلَا تَقْتُلُ مِنْ دَمِهَا
لَا سَنَ الْقَتْلُ اَوَّلًا

کوئی جان ایسی نہیں جو ظلم قتل کی جائے
اس کا گناہ آدم کے پہلے بیٹے پر ضرور ہوگا
جس نے اول قتل کی بنیاد رکھی۔

بخاری ج ۱ ص ۲۵۱

ایسے مرنے والے کے لئے آپ خواہ کتنا بھی ایصال کریں۔ وہ عقلاً بھی بے سود

ہے۔ اس لئے کہ آپ تو سال بھر میں ایک بار ایصال کریں گے۔ لیکن گناہ کی بنیاد رکھنے کے باعث کروڑوں انسانوں کے گناہوں کا بھی اس کے لئے ایصال ہوتا رہے گا۔ عقل کا قصاص تو یہ ہے کہ اگر آپ مردے کو کچھ فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں تو اس اپنی زندگی میں جن جن لوگوں کو گمراہی کی راہ پر ڈالا ہے اور شریعت اسلامیہ میں اس نے جرح و تحریب کاری کی ہے۔ اولاً اس کا تدارک کیا جائے۔ ہماری نظر میں اس سے بڑھ کر مرنے والے کے لئے کوئی چیز سودمند نہیں۔

حاصل کلام یہ کہ اس قسم کا ایصال جس کی بنیاد مرنے والے نے خود رکھی ہو یا اس کی وصیت کر کے مرا ہو۔ اسے برابر خود بخود ہوتا رہتا ہے خواہ عمل کا تعلق کارِ خیر سے ہو۔ یا کارِ شر سے۔ اگر یہ عمل خیر ہے تو ایصال ثواب ہو گا۔ اور اگر شر ہے تو ایصال عذاب ہو گا۔ اس میں وارثین کے کسی ارادے اور عمل کو کوئی دخل نہیں یہ ایصال تو قدرتِ الہیہ کی جانب سے ہو رہا ہے۔ لیکن ہمارے بھائی اسی اصل ایصال کو نظر انداز کئے ہوئے ہیں۔ بلکہ ان کے نزدیک اس وقت تک ایصال ہوتا ہی نہیں جب تک لوگوں کی دعوت نہ کی جائے اور لوگوں کا قیمتی وقت اور روپیہ ضائع نہ کیا جائے۔

نذر و منت

ان چند صورتوں کے علاوہ ایک صورت یہ بھی ہے کہ مرنے والے نے نذر مانی تھی اور وہ اسے پورا نہ کر سکا۔ اور اس کی موت واقع ہو گئی۔ اب اگر وہ اس کی نذر پوری کرنا چاہتے ہیں۔ تو شریعت اسلامیہ نے اس کی اجازت دی ہے۔ اسی طرح مرنے والے کے ذمہ روزے یا حج وغیرہ باقی رہ گیا ہے۔ تو روایات سے بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی ہے۔ اگرچہ یہ مسئلہ در صحابہ سے آج تک مختلف فیہ چلا آ رہا ہے۔ لیکن اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے نفسِ مسکونہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیوں کہ مرنے والے کی جانب سے جو زح و روزہ وغیرہ ادا کیا جاتا ہے یا اس کا کفارہ دیا جاتا ہے۔ اس کا مقصد بھی قطعاً ایصالِ ثواب نہیں ہوتا۔ بلکہ مرنے والے پر جو قرض باقی رہ گیا ہے اس کی ادائیگی مقصود ہوتی ہے تاکہ وہ اس گناہ سے محفوظ ہو سکے۔ اور اس فریضہ کے ترک پر اس سے مواخذہ نہ ہو۔ اس سے مقصود قطعاً ایصالِ ثواب نہیں ہوتا بلکہ یہ فعل انجام دینے والے کے ذہن میں بھی یہ تاثر قطعاً نہیں ہوتا کہ میں اسے ثواب پہنچا رہا ہوں، اور نہ اس کام کے لئے وہ استہمام کرتا ہے جو ایصالِ ثواب کی صورتوں میں اختیار کرتا ہے۔

دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وارث جو یہ کام مرنے والے کی جانب سے انجام دے رہا ہے۔ اس کی حیثیت صرف ایک وکیل کی ہے جو موکل کی جانب سے یہ کام انجام دے رہا ہے۔ اور وکیل جو فعل انجام دیتا ہے وہ وکیل کا فعل

تصور نہیں کیا جاتا۔ بلکہ موکل کا فعل تسلیم کیا جاتا ہے۔ اب اگر کسی کے ذہن میں یہ اشکال واقع ہو کر جب اسے موکل نے وکیل نہیں بنایا تو اسے وکیل کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر موکل کے ذمہ قرض ہوتا تو وارث ہونے کے لحاظ سے یہ قرض وارث کے ذمہ لازم ہوتا ہے یہ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ وارث مرنے والے کا وکیل ہوتا ہے۔ اس وکالت کو کتب فقہ میں نیابت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ صرف ہمارا ذہنی تحلیل نہیں۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تقریباً اس کی ہی وجہ بیان فرمائی ہے۔ اور عبادت کو قرض پر قیاس کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری مال کا انتقال ہو گیا ہے۔ اور اس کے ذمہ ایک ماہ کے روزے باقی ہیں۔ کیا میں ان روزوں کی قضا کروں آپ نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

لو کان علی امك دين اگر تیری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تو اسے
لکنت قاضیہ ادا کرتا۔

اس نے عرض کیا جی ہاں اس کا قرض ضرور ادا کرتا۔ آپ نے اس پر ارشاد فرمایا۔

فدين الله الحق تو اللہ کا حق ادا کرنے کے زیادہ لائق ہے
ان یقضی

۲۶۳
۱۶۲۳ ہجری ج ۱ ص ۲۶۳

گویا یہ ایک قسم کا قرض ہے۔ اور قرض کی ادائیگی وارث کے ذمہ ہے۔ اس صورت میں وارث جو قرض ادا کرے گا وہ قطعاً اس کا فعل تصور نہ کیا جائے گا بلکہ اس کی حیثیت ایک نائب اور وکیل کی ہوگی، کیوں کہ یہ قرض جس کے ذمہ واقع ہوتا تھا وہ تو مر چکا۔

گویا اصل نسل کا بانی مرنے والا ہے۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ اگرچہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں لیکن اس روایت میں زبردست اختلاف ہے۔ کسی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرنے والی ماں تھی۔ کسی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے والی کے ذمہ رمضان کے روزے تھے۔ کسی سے معلوم ہوتا ہے کہ نذر کے روزے تھے۔ کسی روایت میں ذکر ہے کہ ایک ماہ کے روزے تھے۔ کسی میں دو ماہ اور کسی میں پندرہ دن کا ذکر ہے۔ اس طرح اس حدیث میں زبردست اضطراب پایا جاتا ہے۔ اور مضطرب حدیث محدثین کے نزدیک قابل قبول نہیں ہوتی۔

پھر لطف یہ ہے کہ ابن عباسؓ جو اس حدیث کے راوی ہیں ان کا فتویٰ یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کی جانب سے روزے نہ رکھتے اور صحابی جب کوئی حدیث روایت کرتا اور پھر اس کے خلاف فیصلہ دیتا ہے تو وہ اس حدیث کے منسوخ ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔ کیوں کہ کوئی صحابی عمداً بلا وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت نہیں کر سکتا۔

لیکن اس حدیث اور دیگر احادیث سے یہ مزور ثابت ہوتا ہے کہ حضور نے مرنے والے کے متروک عمل کو قرض سے تشبیہ دی اور ظاہر ہے کہ قرض تو مرنے والے کے ذمے تھا اور جب اس کے ذمہ تھا تو اس کا بانی بھی وہی ہے یہ امر جدا گانہ ہے کہ یہ روزے قضاء رمضان سے متعلق تھے یا یہ نذر کے روزے تھے۔ خود عبد اللہ بن عباسؓ وہی روایت میں فرماتے ہیں کہ اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری ماں مر گئی۔ اور اس کے ذمہ نذر کے روزے تھے کیا میں اس کی جانب سے روزے رکھوں آپ نے

ارشاد فرمایا

ارایت لو کان علیہ صلوٰۃ۔ ذرا سوچ کہ اگر تیری ماں پر قرض ہوتا تو

دین فقہیہ اکابر یودی
ذلت عنہا۔

مسلم ج ۱ ص ۲۶۱

یطر ز استدلال آپ اس لئے اختیار فرما رہے ہیں کہ انسانوں کا جو مالی قرض مرنے والے کے ذمہ ہوتا ہے تو قرآن نے اس کے متروکہ مال میں سے اس کی ادائیگی کا حکم دیا ہے۔ لیکن اگر بالفرض مرنے والا کوئی مال نہیں چھوڑتا تو قرآن و سنت نے اس قرض کو کسی پر لازم نہیں کیا۔ بلکہ اس معاملے میں دلی خود مختار ہے خواہ وہ قرض ادا کرے یا نہ کرے، اسی لئے مرنے والے کے ذمہ لازم ہے کہ وہ اس سلسلے میں کسی کو وصیت کر کے مرے، اور عدم وصیت کی صورت میں اس کی ادائیگی حکومت اسلامیہ کے ذمہ لازم ہوتی ہے۔ اسی لئے حضور یہ سوالات و جوابات فرماتے ہیں کہ اگر مرنے والے کے ذمہ قرض ہوتا تو کیا اسے ادا کرتا، جب وہ اسکا اقرار کر لیتا ہے تب دوسری بات فرمائی، یعنی اگر وہ قرض کی ادائیگی سے انکار کر دیتا ہے تو یہ جواب بھی ہرگز نہ دیا جاتا۔ کیوں کہ یہ جواب تو پہلی شرط پر موقوف تھا۔ اور جب شرط مفقود ہو جاتی ہے تو مشروط بھی باقی نہیں رہتا۔

حضرت بریدہ کا بیان ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک عورت آئی اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے ایک باندی اپنی ماں کو بطور صدقہ دی تھی۔ اب میری ماں مر گئی، میں اس باندی کا کیا کروں؟ آپ نے فرمایا تجھے تیرے صدقے کا اجر مل چکا اور از روئے وراثت وہ باندی بھی تیرے پاس لوٹ آئی۔ اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ اس کے ذمہ ایک ماہ کے روزے تھے کیا میں وہ روزے رکھوں، آپ نے فرمایا ہاں۔ اس نے عرض کیا وہ حج بھی رکھتی تھی کیا میں اس کی جانب سے حج کروں، آپ نے فرمایا۔

اس کی جانب سے حج کر

حجی عنہا۔

سہ ماہ ۳۶۲

لیکن اس روایت میں وہی دشواری درپیش ہے کہ کوئی راوی حج اور روزے دونوں کا ذکر کرتا ہے۔ کوئی صرف روزوں کا۔ کوئی ایک ماہ کے روزے بیان کرتا ہے اور کوئی دو ماہ کے اس لحاظ سے یہ روایت بھی مضطرب اور قاضی عیاض نے شرح مسلم میں، ابن عباسؓ اور بریدہؓ دونوں کی روایات کو مضطرب قرار دیا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ واقعہ ایک ہی ہو۔ دو واقعے نہ ہوں۔ اس صورت میں مزید اختلاف پیدا ہو جائے گا۔

پھر لطف یہ ہے کہ ان احادیث کے موجود ہوتے ہوئے صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کا مسلک اس کے خلاف رہا ہے۔ جمہور علماء اس کے قائل ہیں کہ دوسرے کی جانب سے نماز اور روزہ ادا نہیں کئے جاسکتے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وذهب الجمهور إلى أنه لا يصام عن ميت لا نذر ولا غيره، حكاه ابن المنذر عن ابن عمر و ابن عباس وعائشة ورواية عن الحسن و الزهري و به قال مالك و ابو حنيفة قال القاضى عياض وغيره

اور جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ مرنے کی وجہ سے قطعاً روزہ نہ رکھا جائے نہ نذر کا اور نہ کوئی اور روزہ یہ قول ابن المنذر نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن عباسؓ اور عائشہؓ سے نقل کیا ہے یہی قول حسن بصری اور زہری کا ہے یہی فتویٰ مالک اور ابو حنیفہ کا ہے۔ قاضی عیاض وغیرہ کہتے ہیں یہی جمہور علماء کا قول ہے۔

هو قول جمهور العلماء

مسلم ج ۱ ص ۳۳

مولانا احمد علی سہارنپوری بخاری کے حاشیہ میں لکھتے ہیں۔ اس مسئلے میں کہ میت کی جانب سے روزہ رکھا جائے یا نہیں۔ تو محدثین، تو ان روایات کی وجہ سے اس کے جواز کے قائل ہیں۔ اور امام شافعی کا قدیم قول بھی یہی ہے۔

دوسرا مسلک یہ ہے کہ دلی میت کی جانب سے مسکین کو کھانا کھلائے۔ یہ قول امام زہری اور امام مالک کا ہے اور امام شافعی کا جدید قول بھی یہی ہے۔ اور یہ حضرات اس مسئلہ میں متفق ہیں کہ کوئی شخص دوسرے کی جانب سے روزہ نہ رکھے۔ لیکن امام مالک کے نزدیک اس کھانا کھلانے میں شرط یہ ہے کہ مرنے والا وصیت کر کے مرا ہو۔

کرانی لکھتے ہیں کہ اس مسئلے میں امام شافعی کے دو قول ہیں مشہور قول یہ ہے کہ مردے کی جانب سے روزہ نہ رکھا جائے۔ امام احمد ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہیں لیکن اکثر ائمہ اس پر متفق ہیں کہ کوئی شخص دوسرے کی جانب سے روزہ نہ رکھے اور ان حضرات نے روزے کو نماز سے تشبیہ دی ہے۔ یہ حضرات اس روایت کی تاویل کرتے ہیں جس میں روزہ رکھنے کا ذکر ہے کہ میت کی جانب سے کھانا کھلایا جائے اس طرح کھانا روزے کے قائم مقام ہو جائے گا۔

تیسرا مسلک یہ ہے کہ ہر روزے کے عوض نصف صاع گندم کھانے کے طور پر دیا جائے، یہ قول امام ابو حنیفہ کا ہے، لیکن ان کے نزدیک بھی شرط یہ ہے کہ مرنے والا اس کی وصیت کر کے مرا ہو اگر مرنے والے نے وصیت نہیں کی تو کھانا بھی نہیں کھلایا جائیگا۔ اور احادیث کی دلیل وہ حدیث ہے جو نسائی نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لا یصلی احد عن احد
و لكن یطعم عنہ
کوئی شخص دوسرے کی جانب سے نماز
نہ پڑھے لیکن اس کی جانب سے کھانا کھلایا
جائے۔

نیز حضرت عبداللہ بن عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل فرماتے ہیں
من مات وعليہ صوم
شہر فلیطعم عنہ کل
یوم مسکینا
اگر کوئی شخص مر جائے اور اس کے ذمہ ایک
ماہ کے روزے ہوں تو اس کی طرف سے ہر روز
ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔

قرطبی نے شرح مؤطا میں اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

امام عینی حنفی عمدۃ القاری شرح بخاری میں فرماتے ہیں جن حضرات نے حضرت
عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ زندہ مردے
کی جانب سے روزے رکھ سکتا ہے۔ انہوں نے حق اللہ کو حق العباد پر قیاس کیا ہے
حالانکہ خود ان دونوں صحابہ نے اس کے خلاف فتویٰ دیا ہے اور احناف کا اصول
یہ ہے کہ جب کوئی صحابی ایک حدیث بیان کرے اور پھر اس کے خلاف فتویٰ دے
تو یہ اس حدیث کے منسوخ ہونے کی دلیل ہوتی ہے کیوں کہ کوئی صحابی فرمان
رسول کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ اور نہ فرمان رسول کے مقابلہ میں اپنا اجتہاد پیش کر سکتا
ہے۔ یہی یہ دلیل کہ حق اللہ کو حق العباد پر قیاس کیا جائے تو یہ سوال کہ کیا تو اس کا
قرض ادا نہ کرتی یا نہ کرتا۔ خود اس کی دلیل ہے کہ ماں کا قرض ادا کرنا اولاد پر واجب
نہیں۔

ابن عبد الملک مالکی فرماتے ہیں اس حدیث میں زبردست اضطراب ہے
اسی باعث اس حدیث کو معلول (عیب دار) قرار دیا گیا ہے۔ اور قرطبی لکھتے ہیں
کہ امام مالک نے ابن عباسؓ کی اس حدیث کے مطابق چند وجوہات کے باعث فتویٰ نہیں دیا

اولیٰ یہ کہ اہل مدینہ کا علی اس حدیث کے خلاف تھا۔ دوئم اس حدیث کی سند اور متن میں اختلاف ہے۔ تیسرے یہ قرآن کے اس حکم کے خلاف ہے۔

الْبَزْزُورَةُ وَزُرْ أُنْزِلَ بِهٖ ۲ کوئی شخص کسی کا گناہ پلٹے اور پیسے ملے
یہ تمام بحث وہ ہے جو محدث احمد علی سہارنپوری نے معجم بخاری کے حاشیہ ۲۸:۵۳

برابر عباس کی روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھی ہے۔ دیکھئے معجم بخاری ج ۱ ص ۲۵
اور خزین مفسر قرطبی کا حوالہ پیش کیا ہے۔ ہم امام قرطبی کی عبارت ان کی تفسیر سے پیش کرتے ہیں۔

اگر کوئی شخص مرجائے اور اس کے ذمہ
رمضان کے روزوں کی قضا باقی رہ گئی ہو
تو ائمہ کرام کا اس میں اختلاف ہے مالک،
شافعی اور ثوری کہتے ہیں کہ کوئی شخص دوسرے
کی جانب سے روزہ نہ رکھے۔ احمد اسحق
ابو ثور، بیہق، ابو عبیدہ اور اہل ظاہر کا
قول یہ ہے کہ مرنے والے کی جانب سے روزہ
رکھا جائے۔ لیکن وہ نذر کے ساتھ

مخصوص قرار دیتے ہیں۔ شافعی کا بھی
ایک قول یہی ہے۔ احمد اور اسحاق کہتے ہیں
رمضان کی قضا میں کھانا کھلایا جائے
جو ائمہ روزہ رکھنے کے قائل ہیں وہ
اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو
مسلم نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے

واختلفوا فمن مات و

عليه صوم من رمضان

لم يقضه فقال مالك و

الشافعي والثوري لا

يصوموا احد عن احد

فقال احمد واسحاق

والبو تير والبيهقي و ابو

عبيد و اهل الظاهر

يصومونه الا انهم

حظوه بالنذر و

مثله عن الشافعي و

قال احمد واسحاق في

رمضان يطعمونه و

احتج من قال بالصوم

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اگر کوئی شخص مر جائے اور اس کے ذمہ کوزے ہوں۔ تو اس کا وارث اس کی جانب سے روزے رکھتے یہ روایت عام ہے۔ اور اس کی تخصیص ابن عباسؓ کی اس حدیث سے ہوتی ہے۔ جو مسلم نے نقل کی ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میری ماں مر گئی اور اس کے ذمہ نذر کے روزے تھے ایک روایت میں ہے کہ ایک ماہ کے روزے تھے۔ کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھوں۔ آپ نے فرمایا اگر تیری ماں پر قرض ہو یا کیا تو ماں کی جانب سے ادا کرتی۔ اس نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا اپنی ماں کی جانب سے روزہ رکھ۔

امام مالک اور وہ اکابر جو اس مسئلے میں ان سے متفق ہیں۔ وہ دلیل میں اللہ تعالیٰ کے ارشادات پیش کرتے ہیں کہ ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھا سکتا۔ نیز ارشاد الہی ہے ”اور انسان کے لئے اس کی سعی

بحار واه مسلم عن عائشة
ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ
علیہ وسلم قال من
مات وعليہ صیام صام
عنہ ولیہ۔ الا ان هذا
عام یخصصہ ما رواہ
مسلم ایضا عن ابن عباس
قال جاءت امرأة الى
رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم ان الہی قدما
وعلیہا صوم نذرونی
روایتہ صوم مشہرا فا
صوم عنہا قال اذایت
لو کان علی امک دین
فقضیت۔ اکان تودی
فلک عنہا قالت نعم
قال فصومی عن امک
اجتمع مالک ومن وافقہ
بقولہ سبحانہ ولدتہ
وایزہ وذر لخری وقولہ
ان لیس بل لہ مسان الا ما

سَعَى. وَقَوْلُهُ وَلَا
تُكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا
وَبِمَا فَرَجَهُ النَّاسِيُّ عَنْ
ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ
قَالَ لَا يَصِلُ أَحَدٌ عَنْ
أَحَدٍ وَلَا يَصُومُ أَحَدٌ
عَنْ أَحَدٍ وَلَكِنْ يَطْعَمُ
عَنْهُ مَكَانُ كُلِّ يَوْمٍ مَدَا
مِنْ حِظَّةٍ

کے علاوہ کچھ نہیں ہے، نیز ارشاد ہے "اَوْ
بِرَفْسٍ جَمْعٌ كَقَمِيحٍ كَمَا يَكْنَى لَهُ اِسْمِي كَمَا
اَتَى كَاثِرٌ بِرَأْسِهِ دَلِيلٌ فِي ابْنِ عَبَّاسٍ كِي وَ
حَدِيثٌ مِثْلُ كَرْتِي فِي جَرَسَانِي نَعْنِي رَوَا
كِي سَيِّدِ كَتَبِي كَرِيم عَلَيَّ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعْنِي ارشاد فرمایا
نہایت سے اور نہ روزے رکھتے۔ بلکہ ہر روز سے
کے برائے ایک مدگندم بطور کھانا دیا جائے۔

تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۲۸۲

امام قرطبی کی اس عبارت سے یہ امر واضح ہو گیا کہ امام مالک اور امام ابو حنیفہ وغیرہ
جو مرنے کی جانب سے روزہ رکھنے یا نماز پڑھنے کو جائز نہیں کہتے ان کی اصل دلیل
قرآن ہے جو صراحتاً اس کی مخالفت کر رہا ہے۔ رہا روزے کی جگہ کھانا کھانا تو امام
ابو حنیفہ اس میں بھی مزید دو شرطیں لگاتے ہیں۔ اول مردہ وصیت کر کے مراحمہ۔
ثانیاً مرنے والے کے مال سے یہ کھانا کھلایا جائے۔

حاصل کلام یہ کہ یہ روزہ اور حج وغیرہ سب نیابت دوکالت ہے اور بقول
امام ابو حنیفہ جب تک مرنے والا وصیت نہ کرے تو یہ نیابت بھی بے کار ہوگی اور
جب تک اس پر مرنے والے کا مال دلگایا جائے تو خود احناف کے نزدیک اس کا
ایصال کیسے ممکن ہوگا۔ اور ہندوستان میں جو صورت حال پائی جاتی ہے وہ
تو بالکل اس کے برعکس ہے یعنی بغیر کسی وصیت کے وارث اپنے مال سے یہ تمام ایصال

کے چکر چلاتا ہے۔

یہ قائم مقامی اور نیابت اصلاً تو زندہ کی جانب سے ہونی چاہئے جیسا کہ حضرت
عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر ایک عورت نے عرض کیا یا رسول
اللہ میرا پاپ بہت بڑھا ہے۔ سواری پر سوار نہیں ہو سکتا! اور اللہ نے اس پر حج فرض
کر دیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا
فحجی عنہ
تو اس کی جانب سے حج کر۔

بخاری ج ۲۵، مسلم ج ۴

اس حدیث میں زندہ کی نیابت کا سوال کیا جا رہا ہے جو اور معاملات میں قطعاً جائز
ہے۔ لیکن کیا عبادات میں یہ ممکن ہے۔ محنت احمد علی سہارنپوری اس حدیث کی
شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فیه جواز النیابة عن
العاجز قال اصحابنا من
قدر علی الحج ببدره
لم یجزل له ان یحج عنہ
غیره ولو عجز عنہ عجز
لا یزول مثل الرماة
والعمی ہا زان یحج عنہ
وان کان یزول کالمرض
والحبس فان استم الی
الموت یحجزہ وان زال
لا یحجزہ ویلزمہ

اس حدیث سے عاجز کی جانب سے نیابت
کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے ائمہ
دینی احناف کہتے ہیں کہ جو شخص حج کرنے
کی جسمانی طاقت رکھتا ہو۔ اس کے لئے
یہ جائز نہیں کہ دوسرا اس کی طرف سے
حج کرے اور اگر وہ ایسا عاجز ہو جائے کہ
اس کا عجز دوسرا ممکن نہ ہو۔ مثلاً بالحد
پاؤں سے منور ہونا یا نایا ہونا تو اس کی
جانب سے حج جائز ہوگا۔ لیکن اگر مجبور بنی ایسی
ہے جو زائل ہو سکتی ہے مثلاً مرض یا قید
تو اگر یہ مرض یا قید وغیرہ اس کی موت تک

حُجَّۃُ الاسلام

عمدة القاری - ج ۱

طویل ہو جائیں تو حج جائز ہو گا۔ اور اگر
یہ چیزیں ذائل ہو جائیں تو یہ جائز نہ ہو گا
اور اس پر حجۃ الاسلام لازم ہو گا

مگر ہمارے ائمہ کے نزدیک یہ نیابت مشروط ہے۔ بلا عذر یہ نیابت قطعاً جائز
نہیں۔ اور عذر کی صورت میں بھی صرف اس وقت جائز ہے جب کہ اس عذر کا رفع ہونا ممکن
نہ ہو۔ رہ گیا مردے کی جانب سے حج کرنا یہ مسئلہ بھی ائمہ میں مختلف فیہ ہے۔ امام نوری شافعی
شارح مسلم اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ہمارا (شافعیہ) اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ عاجز کی
جانب سے حج جائز ہے۔ مثلاً ہاتھ پیر کا بڑا ٹپا اور بڑا ٹپا وغیرہ
کے باعث۔ لیکن امام مالکؒ، یس بن سعد اور جن بن صالح
دشاکر والی ضیفہؒ کہتے ہیں کہ کوئی شخص دس کی جانب
حج ادا کرے، یا اس میت کی جانب سے حج کر سکتا ہے
جس سے حج فرض ادا نہ کیا ہو، قاضی عیاض فرماتے ہیں
امام ابراہیمؒ بھی (اسناد الاصابہ ضیفہؒ اور بعض
اسناد سے مروی ہے کہ کسی کی جانب سے حج دیت نہیں خواہ

مذہبنا و مذہب
الجمہور قال القاضی
وحکی عن النخعی وبعض
السلف انه لا یصح الحج
عن المیت ولا غیرہ وہی
روایۃ عن مالک وان اذنی
مسلم ج ۱

وہ زندہ ہو یا مردہ، اور امام مالکؒ بھی ایک روایت بھی ہے، ان حضرات کے نزدیک خواہ مرد یا عورت
کی ہوتی بھی جائز نہیں۔

امام نوری کی اس عبارت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ دو تابعین و تبع تابعین میں یہ
مسئلہ بھی مختلف فیہ تھا۔ اور امام ابراہیمؒ بھی جو بہت بڑے درجہ کے تابعی اور امام ابو حنیفہؒ
کے استاد و استاد ہیں وہ دوسرے کی جانب سے حج کو جائز نہ سمجھتے تھے۔ قرطبی نے امام
مالکؒ کی مسکت بیان کیا ہے کہ زندہ کی جانب سے حج نہیں کر سکتا۔ لیکن مردے کی جانب

سے جو کیا جاسکتا ہے مگر امام محمد نے اپنی موطائیں امام مالک کا یہ قول نقل کیا ہے۔

وَقَالَ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ لَا
أَرَىٰ أَنْ يَنْجَحَ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ
إِذَا كَانَ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ كَيْتَ هُنَا
نَهْنِ سَجَّاتُ كَوْنِي شَخْصٍ دُوسَرِے كَا جَانِبِ

موطا امام محمد ص ۲۱۳ سے حج کرے۔

امام مالک کا یہ قول زندہ اور مردہ دونوں کو عام ہے۔ یعنی امام مالک کسی کی جانب سے

حج کرنے کو جائز نہیں سمجھتے۔ خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ۔

اگر ان تمام احادیث و روایات کو فقہی بحثوں میں اچھے بغیر من و عن بھی قبول کر لیا جلتے تب بھی ان سے صرف نیابت ثابت ہوگی۔ نہ خود ساختہ ایصالِ ثواب اور پہلے تمام ائمہ نے ان روایات کو مسئلہ نیابت ہی میں پیش کیا ہے۔ کسی نے اس سے ایصالِ ثواب ثابت نہیں کیا۔ اور اس کا سب سے بڑا اور اہم ثبوت یہ ہے کہ ان تمام روایات میں حرف عَنْ آرہا ہے۔ جو نیابت پر دلالت کرتا ہے ایک بار پھر تمام روایات پر نظر ڈال دیجئے اور تمام ائمہ کے اقوال کو پڑھ لیجئے ہر مقام پر قارئین کو یہ حرف عن نظر آئے گا جس طرح میت کے ساتھ اس لفظ کا استعمال کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح زندہ کے ساتھ بھی اس کا استعمال کیا گیا ہے۔ حالانکہ اگر دوسرے کو ثواب پہنچانے کی غرض سے کوئی عمل کیا جاتا تو اس کے لئے حرف لام لایا جاتا۔ جیسا کہ قرآن میں ہے۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَا
ان کے لئے ان کی کمائی ہے اور تمہارا ہے

لئے تمہاری کمائی۔

كَسَبْتُمْ

لیکن ہماری نظر سے آج تک کوئی ایسی حدیث یا روایت نہیں گزری۔ جس میں سائل نے یہ سوال کیا ہو۔ افا حج لہ۔ (کیا میں اس کے لئے حج کروں) افا تصدق لہ (کیا میں اس کے لئے صدقہ کروں) بلکہ ہر جگہ الفاظ نظر آئیں گے۔ افا حج عندہ (کیا میں اس کی جانب سے حج کروں) افا تصدق عندہ (کیا میں اس کی جانب سے صدقہ

کروں، یعنی اس قسم کے جتنے بھی سوالات و جوابات ہو رہے ہیں ان کا تعلق نیابت سے ہے۔ ایصالِ ثواب سے ان کا دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہیں تو وہ حدیث صحیحہ دکھائیے جس میں زندہ نے مرنے والے کے لئے یہ سوال کیا ہو۔ انا تصدق لہا۔ (کیا میں اس کے لئے صدقہ کر سکتا ہوں) انا جحطھا (کیا میں اس کے لئے حج کر سکتا ہوں) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق فرمائی ہو یہ تمام غلط فہمی محاورات کے نہ سمجھنے کے باعث ہو رہی ہے۔ اسی باعث ہمارے علماء البیہار ثواب کے ثبوت میں وہ روایات پیش کرتے ہیں جن کا تعلق نیابت سے ہے اور جن میں وصیت، نذر اور قضا وغیرہ کا ذکر ہے۔ اور جب ان امور پر اعتراضات کئے جاتے ہیں تو جواب ہو کر فتوے صادر کرنے لگتے ہیں۔ جیسا کہ مولوی سرفراز صاحب کے خطوط سے قارئین کرام نے اندازہ کر لیا ہو گا۔ کہ انھوں نے اپنی بے بسی کا کس طرح اظہار کیا ہے۔ قربان جائیے شیخ الحدیث کی بے بسی پر کہ ایک صفحہ کے مضمون پر ہی بے بس ہو گئے۔ نہ معلوم اس کتاب کی اشاعت کے بعد ان کا کیا حال ہو گا۔

حالانکہ یہ علماء یہ نہیں سوچتے کہ متعدد احادیث میں زندہ کی جانب سے حج کی اجازت طلب کی جا رہی ہے۔ اور وہ سوال بھی حرفِ عن کے ذریعہ کیا جا رہا ہے۔ کیا زندوں کے لئے بھی ایصالِ ثواب ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر ہمارے علماء اولادِ زندوں کے لئے ایصالِ ثواب کریں۔ کیوں کہ زندہ مردوں سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ جتنے بھی حقوق العباد میں بجز کفن، دفن اور نمازِ جنازہ وغیرہ کے سب زندوں کو متعلق ہیں۔ آخر زندوں نے ایسا کیا قصور کیا ہے کہ پاک و ہند کے لوگوں نے ان کو نہ صرف ہر نعمت سے محروم کیا بلکہ ان کے حقوق پر ڈاکے ڈالنے شروع کر دیئے۔ اگر مولوی سرفراز صاحب زندوں کے لئے ایصالِ ثواب کا فتویٰ دیں گے تو ہم سب سے پہلے ان کے لئے ایصال کر لے کے لئے تیار ہیں۔ بلکہ ہم ابھی سے اس کتاب کو ان کے نام سے معین

حدیث سعد بن عبادہؓ

ایصالِ ثواب کے ثبوت کے لئے مولوی سرفراز صاحب نے چند احادیث پیش کی تھیں جن میں سے ہم نے حدیث عائشہؓ اور حدیث ابی ہریرہؓ کا تفصیلی مدنازعہ جواب اپنے مراسلہ میں تحریر کر دیا تھا۔ اور انہی جوابات کے باعث ہم خطابات سے نوازے گئے تھے۔ لیکن اس سلسلے میں ایک مشہور روایت حضرت سعد بن عبادہؓ کی ہے جو ثواب کے ٹھیکیدار عام طور پر پیش کرتے رہتے ہیں ہم اس روایت کے سلسلے میں پہلے صرف اس راوی کے الفاظ کو پیش کرتے ہیں جس سے ان کی کہانی کا پارٹ ادا ہو سکے۔ ہم سطور ذیل میں اس روایت میں جو جو اختلافات ہیں وہ سب قارئین کے سامنے پیش کر کے اصل واقعہ تحریر کریں گے۔

اس حدیث کو مختلف راویوں نے مختلف الفاظ میں نقل کیا ہے۔ سب سے اول ہم حسن بصری کی روایت لیتے ہیں جو سنن نسائی میں مروی ہے۔

حسن بصری حضرت سعد بن عبادہؓ سے نقل میں کہہ رہے ہیں کہ ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میری ماں مر گئی کیا میں اس کی جانب سے صدقہ کر سکتا ہوں، عربی الفاظ میں

• اِنَا تَصَدَّقُ عَنْهَا

کیا میں اس کی جانب سے صدقہ کر سکتا ہوں۔

آپ نے فرمایا ہاں۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کونسا صدقہ افضل ہے۔ آپ نے فرمایا پانی پلانا۔ اس کے بعد حسن بصری کہتے ہیں۔

فَقُلْتُ مَقَاتِلَهُ سَعْدٌ بِالْمَدِينَةِ

یہ مدینہ میں سعد کی سبیل ہے۔

اس روایت میں لفظ عَنْهَا اس امر کا ثبوت ہے کہ سعد اپنی جانب سے کوئی عمل کرنا نہیں

اس روایت کو حسن بصری سے ان کے شاگرد قتادہ نے نقل کیا ہے۔ لیکن قتادہ، سعید بن المسیب سے جو روایت نقل کر رہے ہیں۔ وہ اس کے خلاف ہے۔ سعید بن المسیب نے یہ روایت حضرت سعید بن عبادہ سے بن الفاظ میں نقل کی ہے کہ میری ماں مر گئی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اذا تصدق عنھا کیا میں اس کی طرف سے صدقہ کروں
آپ نے فرمایا: ہاں۔ میں نے عرض کیا۔

ای الصدقة افضل کونسا صدقہ افضل ہے۔

آپ نے فرمایا

سقى الماء نافع للماء پانی پلانا

اس روایت میں سبیل سعد کا کوئی تذکرہ نہیں اور نہ اس کا کوئی ذکر ہے کہ حضرت سعدؓ نے اپنی والدہ کے لئے کیا کارنامہ انجام دیا۔ حالانکہ سعید بن المسیب مدینہ کے باشندہ ہیں اور ان کی تمام زندگی مدینہ میں گزری ہے۔ انھیں "سبیل سعد" نامی کوئی شے مدینہ میں نظر نہیں آئی اگر کوئی ایسی سبیل ہوتی تو سعید اس کا ضرور تذکرہ کرتے۔

حسن اتفاق یہ ہے کہ یہ روایت بھی مرسل ہے کیوں کہ سعید بن المسیبؓ میں پیدا ہوئے جبکہ حضرت سعدؓ بن عبادہ کا انتقال ۱۰ھ میں ہو چکا تھا۔ لیکن محدثین کا یہ بھی متفقہ فیصلہ ہے کہ سب سے بہترین مراسلات سعید بن المسیب کی مراسلات ہیں اس لحاظ سے سعید حسن بصری کی عین ضد ہیں اور مشہور مقولہ ہے۔

کل شئ یضاد باضدادہ ہر شے اپنے ضد سے پہچانی جاتی ہے۔

لیکن محدثین کے اس اصول سے یہ تصور نہ کر لیا جائے کہ سعید بن المسیبؓ کی ہر روایت قابل قبول ہوگی۔ کیوں کہ یہ صورت حال اس وقت ہے جب کہ مرسل کا مقابلہ مرسل سے ہو۔

لیکن کوئی بھی مرسل متصل روایت کے مقابلے میں پیش نہیں کی جاسکتی ہے۔ بے شک حسن بصری کی مرسل کے مقابلے میں سعید کی مرسل وہی حیثیت رکھتی ہے جو زمین کے مقابلے میں آسمان کی ہے لیکن جس طرح آسمان اول و ثانیٰ کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا اسی طرح مرسل متصل کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی ہاں اگر کوئی متصل روایت موجود نہ ہوتی تو پھر ہر لحاظ سے سعید کی روایت کو قبول کیا جاتا۔ اور حسن کی روایت کو رد کر دیا جاتا لیکن اتفاق سے سعید کی اس روایت میں خود اختلاف ہے۔ گزشتہ سطروں میں جو روایت پیش کی گئی ہے وہ امام نسائی نے حسین بن حریش سے نقل کی ہے جبکہ نسائی نے محمد بن عبداللہ بن المبارک سے یہ روایت ان الفاظ میں نقل کی ہے کہ حضرت سعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے سوال کیا

ای الصدقة افضل
کونسا صدقہ افضل ہے۔

آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔

سقی الماع
پانی پلانا۔

اس روایت میں نہ ماں کے منے کا ذکر ہے نہ اس کی جانب سے صدقہ کرنے کا۔ اور دونوں روایتوں کی سند ایک ہے۔ صرف آخری راوی مختلف ہیں۔ یعنی ایک روایت کا راوی حسین بن حریش ہے اور دوسری کا محمد بن عبداللہ بن المبارک اگرچہ یہ دونوں راوی ثقہ اور مقبر ہیں لیکن دونوں میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ محمد بن عبداللہ المبارک حافظ الحدیث ہیں جبکہ حسین بن حریش اس صفت سے متصف نہیں ایسی صورت میں محمد کی روایت کو حسین کی روایت پر ترجیح دی جائے گی۔

اس سلسلے میں ایک روایت امام مالک نے اپنی مؤطا میں نقل کی ہے اور پھر امام مالک کی سند سے نسائی نے اپنی سنن میں کہ حضرت سعد ایک غزوے میں گئے ہوئے تھے۔ اس وقت ان کی والدہ کا دہنہ میں انتقال ہو گیا۔ کسی نے ان کی طرف

سے مرتے وقت کہا کہ آپ وصیت کر دیجئے۔ انہوں نے جواب دیا میں کس بات کی وصیت کروں۔ یہ سب سعدؓ ہی کا مال ہے حضرت سعدؓ جب واپس آئے تو وہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

لحل ینفعہا ان التصدق اگر میں مال کی جانب سے صدقہ کروں تو شاید
عنہا یہ چیز اسے کچھ نفع پہنچائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اقرار فرمایا جس پر سعدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا یہ ایک اعطاف ہے جو میں ان کی جانب سے صدقہ کرتا ہوں۔ پھر سعدؓ نے اس اعطاف کا نام بھی مستعین کیا۔ مؤطا مع مضامین ۴۳۸، نسائی ج ۲ ص ۱۱۷

یعنی سبیل وغیرہ کا کوئی ٹکڑ نہ تھا۔ بلکہ ایک زمین تھی۔ ہاں اس روایت میں یہ ضرور تشریح ہے کہ ان کی والدہ نے کوئی وصیت نہ کی تھی۔ اور حضرت سعدؓ نے یہ سب کچھ والدہ کی طرف سے کیا تھا۔ لیکن جہاں یہ روایت سعید بن المسیب کی روایت کے خلاف ہو وہاں اس روایت میں کچھ اور بھی نقائص ہیں۔

سب سے اول تو اس کی سند غور طلب ہے۔ کیوں کہ امام مالکؒ اسے سعید بن عمر بن شریل بن سعید بن سعد بن عبادہ کے ذریعہ نقل کر رہے ہیں۔ یعنی حضرت سعدؓ کے بہتے کے پوتے سے۔ وہ اسے اپنے باپ عمر کے واسطے سے اپنے دادا شریل سے روایت کر رہا ہے۔ اور شریل نے اپنے دادا سعد بن عبادہ کو نہیں دیکھا اور نہ اس نے یہ بیان کیا کہ یہ واقعہ وہ کس سے نقل کر رہا ہے۔ وہ اوپر کے راوی کو بیان کئے بغیر واقعہ ذکر کر رہا ہے۔ اس طرح یہ روایت بھی مرسل ہے۔ اور سعید کی مرسل کے مقابلے میں اسے ہرگز ترجیح نہیں دی جاسکتی۔

دوسرا حضرت سعدؓ کے پوتے شریل پھر اس کے بیٹے عمر اور پھر عمر کے بیٹے سعید کا کچھ مال محدثین نے ذکر نہیں کیا۔ حتیٰ کہ "لسان المیزان" الحیرج والتعذیل "تاریخ البکیر"

بخاری نے کتاب الضعفاء، للبخاری، کتاب الضعفاء للنسائی، تہذیب لابن حجر اور میزان الاعتدال میں ان میں سے کسی کا ذکر نہیں ملتا۔

نہایت کوئی اور راوی واقعہ کی یہ نوعیت قطعاً بیان نہیں کرتا۔ اور یہ تمام راوی مجہول الحال ہیں۔

اب ہم اصل روایت کی جانب آتے ہیں تاکہ یہ پتہ چل سکے کہ حضرت سعد بن عبادہ کیا عرض کیا تھا اور اس کا کیا جواب ملا؟ اس کے اصل شاہد اور ناقلاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہیں۔ ان کی روایت تمام کتب احادیث میں پائی جاتی ہے۔ لیکن ان سے نقل کرنے والے بھی دو شخص ہیں، اولاً عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود اور دوسرے عکرمہ بن عکرمہ ابن عباس کا غلام ہے، اس کی روایت سنن نسائی میں پائی جاتی ہے۔ اس نے بھی ایک اچھی خاصی کہانی نقل کی ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ عبید اللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا: میری ماں مر گئی۔

افینضرھا ان تصدقت عنھا اگر میں اس کی جانب سے صدقہ کروں تو کیا یہ صدقہ لے لے نفع پہنچا سکتا ہے۔

آپ نے اس کا جواب اثبات میں دیا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا ایک باپ بھی ہے میں اسے اپنی ماں کی جانب سے صدقہ کرتا ہوں۔ عکرمہ کے الفاظ یہ ہیں۔

انی قد تصدقت به عنھا۔ میں اسے ماں کی جانب سے صدقہ کرتا ہوں۔

نہج ج ۲ ص ۱۱۱ ترمذی ج ۱ ص ۱۱۱

اس روایت میں اور موطا کی گذشتہ روایت میں کوئی نمایاں فرق نہیں۔ یہ ایک دوسرے کا چہرہ ہیں۔ ویسے بھی یہ جناب عکرمہ جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے غلام ہیں پہنچے ہوئے بزرگ ہیں ان کی شان بیان کرتے ہوئے پہلے خوف محسوس ہوتا ہے کہ مولوی سرفراز صاحب مزید ارفق نہ ہو جائیں۔ کیوں کہ وہ پہلے ہی سے ناراض ہیں کہ ہم بزرگوں میں کیڑے نکالتے ہیں۔ اور جو شخص

بزرگوں میں کیڑے نکالے وہ منکر حدیث ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ہمارا تجربہ اور شاہد ہے کہ اہل سنت کے نزدیک ہر شخص مرنے کے بعد بزرگ بن جاتا ہے۔ اس سے صرف طائذان بنو امیہ اور خاص طور پر یزید خارج ہے۔ وہ بچا رہ مرنے کے بعد بزرگ بننے کا اہل نہیں تھا۔ بلکہ اپنے لئے لعنت کا مستحق ٹھہرا۔

یہ جناب حکمران امین میں امام التفسیر سمجھے جاتے ہیں و بربر قوم سے تعلق رکھتے ہیں، بخاری و ترمذی، ابو داؤد اور نسائی وغیرہ نے اس سے روایات لی ہیں۔ لیکن امام مالک اور امام مسلم نے اس کی کوئی روایت نہیں لی۔ امام سعید بن المسیب، امام محمد بن سیرین امام عمرو بن دینار اور امام قتار بن زید اسے کذاب کہتے ہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے صاحبزادے علیؓ کو برا کہتے تھے کہ یہ میرے باپ پر جھوٹ بولتا ہے۔ ویسے بھی ماشاء اللہ خارجی تھے۔ اور تمام مسلمانوں کا قتل واجب سمجھتے تھے یہ تو مجھے معلوم نہیں کہ مولوی سرفراز صاحب امین بزرگ تسلیم کرتے ہیں یا نہیں۔ لیکن اس لحاظ سے ہیں ڈر محسوس ہوتا ہے کہ یہ بخاری کے راوی ہیں۔ ہماری ان سے یہ عرض ضرور ہے کہ آج تک ہم نے خود کسی راوی میں کیڑے نہیں نکالے بلکہ جن لوگوں نے کیڑے نکالے تھے۔ ان کے نام ہم نے ہمیشہ پیش کئے ہیں عکرمہ میں جن حضرات نے کیڑے نکالے ہیں ان کا مقام بخاری سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔ یہ بات ہم نے صرف اس لئے تحریر کی ہے کہ کہیں جذبات میں مولوی صاحب بہہ کر ان حضرات کو بھی منکر حدیث دہن دیا دیں۔ ہم میں اور مولوی سرفراز صاحب میں فرق یہ ہے کہ انہوں نے ہر رخ والے کی وکالت اپنے ذمہ لے رکھی ہے اور ہم نے امام یحییٰ بن معین کی طرح ہر راوی کی قطعی کھولنے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی ہے۔ اگرچہ ہم دونوں کے اساتذہ کا تعلق دارالعلوم دیوبند سے ہے۔ ان کا مسلک چشم پوشی ہے اور ہمارا مسلک اظہار حقیقت۔ انہوں نے اپنا مسلک اپنے اساتذہ سے حاصل کیا ہے اور میں نے اپنے اساتذہ سے۔

اب اصل روایت کی جانب آئیے۔ اور دیکھئے بات کیا سے کیا بنی؟ اور کس طرح اصل

واقعہ میں رنگ آمیزی کی گئی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ۔

ان الحمات وعلیہا
میری ماں مر گئی اور اس کے ذمہ نذر تھی
مندر لم تقضہ
جو وہ پوری نہ کر سکی۔
آپ نے فرمایا۔
اقضہ عنہا
تو اس کی جانب سے پوری کر دے۔

بخاری ج ۷ ص ۹۹۱ نا ۲ ج ۲ ص ۱۱۲ ترمذی

ج ۱ ص ۲۲۶ - ابوداؤد ج ۲ ص ۱۱۲ مؤطا

محمد بن جریر ص ۳۲۳ مؤطا مع کشف الغطا

یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کی صحت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ اور جس کے کسی راوی پر کسی بھی محدث نے انگشت نمائی نہیں کی۔ اس میں نہ کسی سبیل کا تذکرہ ہے نہ کسی باغیچے کا اور نہ میت کی جانب سے صدقہ کرنے کا۔ بلکہ یہ قیام نذر کا ہے اور ہم بھی اس کے قائل ہیں کہ مرنے والے نے اگر نذر مانی تھی تو اسے اس کا وارث اسی طرح پورا کر سکتا ہے جس طرح اسے اس کی وصیت پورا کرنے کا حق حاصل ہے۔ ہاں اگر نذر یا وصیت غلام شرع ہو تو وہ ہرگز پوری نہ کی جائے گی۔

اکثر روایات سے یہ تو ہرگز معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ نذر کیا تھی۔ لیکن سلیمان بن کثیر نے جو روایت نقل کی ہے اس سے اس کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ سلیمان بن کثیر نے یہ روایت ان الفاظ میں نقل کی ہے کہ سعد نے اکہ عرض کیا۔

ان الحمات وعلیہا نذر
کہ میری ماں مر گئی۔ اور اس کے ذمہ نذر
اخیجنرخی عنہا ان احتی
تھی۔ اگر میں اس کی جانب سے غلام آزاد

عَشَّهَا

کروں تو کیا یہ اس کی جانب سے کافی ہوگا

آپ نے ارشاد فرمایا۔

اعتق عن امد

ناتق ج ۲ ص ۱۱

اپنی ماں کی جانب سے غلام آزاد کر

یعنی سبیل وغیرہ کا کوئی چکر نہ تھا۔ بلکہ غلام کی آزادی کا مسئلہ تھا۔ جسے عکرمہ حسن بھری اور ان کے ہمزایہ رنگوں نے کچھ کا کچھ بنا دیا۔ اور سعد کی والدہ نے نذر مانی تھی۔ وصیت اور عدم وصیت کا کوئی جھگڑا نہ تھا۔ ہاں ہم اپنے علماء سے یہ عرض کریں گے ان سب باتوں میں صرف سخن موجود ہے جو نیابت کو ثابت کر رہا ہے۔

امت کی جانب سے قربانی

ہمارے علماء اور علی الخصوص مولوی سرفراز صاحب نے ایصالِ ثواب کے ثبوت میں وہ روایت پیش کی ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی جانب سے قربانی قربانی بھویا ان کے نزدیک یہ قربانی ان حضراتِ صحابہ کے لئے کی گئی تھی جو حضور کی حیات میں انتقال کر چکے تھے کیوں کہ اگر بظاہر امت کو عام تسلیم کیا جائے تو لازم آئے گا کہ زندوں اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے بھی ایصالِ ثواب کیا جائے۔ اسی لئے مولوی صاحب نے اسے پہلے ہی مؤرخوں کیلئے خاص کواید اولیہ حضرات یہ امر تسلیم کر لیں کہ زندوں اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے ایصالِ جائز ہے۔ پھر اس روایت کو استدلال میں پیش کرنا صحیح ہوگا۔ ورنہ یہ روایت ماروں گھٹنہ پھوٹے آنکھ کا مصداق ہوگی۔ کیوں کہ اس روایت میں کسی خاص فرد یا مردوں کی جانب سے قربانی کا ذکر نہیں۔ بلکہ امت کی جانب سے قربانی کا ذکر ہے جو عام ہے اور اگر اس لفظ کو صرف ان لوگوں کے لئے مخصوص کیا جائے گا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں انتقال کر چکے تھے تو پھر تو یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ مولوی سرفراز صاحب اور انہی دور کے تمام افراد امت ہوئے سے خارج ہیں، اگر ایصالِ پرست لے آیا تصور کرتے ہیں اور اپنے آپ کو امتِ محمدیہ میں داخل تصور نہیں کرتے تو انہیں یہ ثابت کرنا ہوگا کہ ان کا تعلق کونسی امت سے ہے؟

جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی جانب سے قربانی

فرمائی۔ تو یہ روایت دو صحابہ سے مروی ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت عائشہ
لیکن ہر دو روایت میں اختلاف ہے۔ اور ان دونوں روایات کی کوئی سند ایسی
نہیں جو ضعف سے خالی ہو۔ اس سلسلہ میں جو بہترین روایت سمجھی جاتی ہے۔ وہ
روایت ہے جو ابو داؤد اور ترمذی میں بایں الفاظ مروی ہے۔ حضرت جابر بن عبد
فرماتے ہیں۔

شهدت مع رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
الاھنخی فی المصلی فلما قفنی
خطبہ نزل من منبرہ و
اتی بکبش فذبحہ رسول
اللہ واللہ اکبر ہذا
عنی وعن لم یضغ من
امتی

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ
قربانی کے دن عید گاہ میں حاضر ہوا۔ جب آپ
نے خطبہ پورا فرمایا تو منبر سے نیچے اترے
آپ کے سامنے ایک مینڈھا پیش کیا گیا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے
اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور فرمایا بسم اللہ
واللہ اکبر یہ میری اور میری امت کے ان لوگوں
کی جانب سے جو قربانی ذکر سکیں۔

ابوداؤد ج ۲ ص ۳۲ ترمذی ج ۱ ص ۱۱۱

اس حدیث سے یہ امر ثابت ہو رہا ہے کہ دو مینڈھے قربان نہیں کئے گئے تھے۔ بلکہ
صرف ایک مینڈھا قربان کیا گیا تھا۔ جس میں حضور خود بھی شریک تھے۔ پھر یہ قربانی عید گاہ
میں عمل میں لائی گئی تھی۔ اور جب خود حضور نے یہ قربانی اپنی اور امت کی جانب سے فرمائی
اور خود کو بھی اس میں شریک کیا تو ایصال کا کیا مسئلہ باقی رہا۔ اس لئے کہ اس قربانی میں ایک زندہ
بھی شامل ہے اور ایصال کرنے والا اپنی جانب سے اپنے نام ارسال نہیں کرتا نہ زندہ یعنی نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم یہ عمل اپنی جانب سے انجام دے رہے ہیں۔ اور ان کی جب خود قربانی مکرمل ہے تو اس
کا گوشت کھانا بلکہ جمع کر کے رکھنا بھی حلال ہے۔ اور جو چیز بطور حد و حدود کے لئے انجام دی

جاتی ہے وہ فقرا کا حق سمجھی جاتی ہے اس صورت میں حضور کے لئے اس کا کھانا حرام ہوگا کیونکہ حضور کے لئے صدقہ کا کھانا حرام تھا۔ ایسی صورت میں ہمارے علماء کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا گوشت قطعاً تناول نہیں فرمایا۔
امام ترمذی اس روایت کو نقل کر کے یہ فیصلہ سنا تے ہیں۔

هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ
مَنْ هَذَا الْوَحِيدُ وَالْمَطْلَبُ
بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حَنْطَبٍ
يَقَالُ إِنَّهُ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ جَابِرٍ

یہ حدیث اس سند سے غریب ہے اور
مطلب بن عبد اللہ بن حنطب کے بارے میں
کہا جاتا ہے کہ اس نے حضرت جابر سے کوئی
حدیث نہیں سنی۔

ترمذی ج ۱ ص ۲۱۹

اس روایت کی ابو داؤد اور ترمذی میں ایک ہی سند ہے یعنی حضرت جابر مطلب بن عبد اللہ عمرو بن ابی عمرو۔ یعقوب الاسکندرانی اور قتیبة بن سعید۔ یعنی امام ابو داؤد اور امام ترمذی کے زمانہ تک اس حدیث کا ہر زمانے میں صرف ایک ایک راوی رہا۔ یعنی قتیبة بن سعید جابر ابو داؤد اور ترمذی کے استاد ہیں۔ ان کے زمانہ تک اس روایت کا کسی زمانے میں بھی دوسرا راوی نظر نہیں آتا۔ اور قتیبة کا انتقال ۲۷۸ھ میں ہوا۔

پھر لطیف یہ کہ حضرت جابرؓ سے اسے نقل کرنے والا مطلب بن عبد اللہ بن حنطب ہے۔ اور ترمذی کہتے ہیں کہ اس نے حضرت جابرؓ سے کوئی حدیث نہیں سنی۔ اس طرح یہ روایت درمیان سے منقطع ہے اور منقطع روایت محدثین کے نزدیک ناقابل قبول ہے۔ اسی باعث قرون اولیٰ سے اس میں اختلاف ہے کہ مروی کی جانب سے قربانی جائز ہے یا ناجائز۔ بعض اسے جائز اور بعض ناجائز کہتے ہیں۔ اور امام عبد اللہ بن المبارک بر امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں فرماتے ہیں مروی کی جانب سے قربانی نہ

کی جلئے۔ لیکن اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ قربانی کا گوشت تمام صدقہ کر دے۔ اور قطعاً خود کچھ نہ کھائے۔ ترمذی ج ۱ ص ۲۱۹

بقول ابن المبارک مردے کی جانب سے جو قربانی کی جلئے گی اس کا خود کھانا جائز نہیں تو ایصالِ ثواب کے نام پر جو بڑا نرمیئے جاتے ہیں یا حضور کی جانب سے جو قربانی کی جاتی ہے اس کا کھانا کیسے جائز ہوگا۔ یہ فتویٰ امام ابو حنیفہ کے ایک ایسے شاگرد رشید کا ہے جو خود اپنے زمانے کے امام الحدیث سمجھے جاتے ہیں۔ اور وہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرما رہے ہیں کہ مردے کی جانب سے قربانی نہ کی جائے یہی بات شیخ الہند حضرت محمود الحسن دیوبندی نے ابو داؤد کے حاشیہ پر اس حدیث کی شرح میں مندرج ہے۔

جہاں تک اس کی سند کا تعلق ہے تو اولاً تو یہ روایت منقطع ہے کیوں کہ مطلب بن عبد اللہ جو اسے حضرت جابر رضی سے روایت کر رہا ہے اس میں یہ مرض عام ہے کہ وہ صحابہ سے جب روایات نقل کرتا ہے تو درمیان سے راوی حذف کر دیتا ہے۔ نہ ہی لکھتے ہیں کہ

وہو یوصل عن کبار الصحابہ
کا بی موسیٰ وعائشہ
میزان القدر ج ۳ ص ۱۲۹
وہ بڑے بڑے صحابہ مثلاً ابو موسیٰ اور حضرت عائشہ وغیرہ سے رسول روایات نقل کرتا ہے

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں

کثیر التدریس والارسال تدریس اور ارسال بہت کرتا ہے۔

تقریب ص ۳۳۳

بلکہ اسی باعث محدثین میں اختلاف ہے کہ اس کی روایت قابل اعتبار تسلیم کی جائے یا نہیں اور خود یہ فقہ ہے یا نہیں۔ ابو زرہ رازی اور دارقطنی کہتے ہیں یہ فقہ

ہے۔ ابن سعد کہتے ہیں اس سے اگرچہ کافی احادیث مروی ہیں لیکن اس کی حدیث
تحجّت نہیں۔ میزان الاعتدال ج ۴ ص ۱۲۹

مطلب بن عبد اللہ سے اسے روایت کرنے والا عمرو بن ابی عمرو ہے۔
حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔

ثقة، بمادھم ثقہ ہے لیکن اسے باادقات حدیث میں کم
ہوتا تھا۔ تقریب ص ۲۸

یعنی اس میں وہم کا مادہ ہے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ امام احمد اور ابو حاتم رازی فرماتے
ہیں اس میں کوئی برائی نہیں۔ لیکن ابو داؤد جو اس حدیث کو عمر سے نقل کر رہے ہیں ان کا
فیہرہ ہے۔

لیس بذات ذی تفضلین یہ کچھ نہیں ہے۔ کبھی فرمایا تو ہی نہیں ہے۔
بالقوی

میزان ج ۴ ص ۲۸

یحییٰ بن یعین فرماتے ہیں۔ یہ قوی نہیں اور نہ اس کی حدیث حجت ہے۔ جو زبانی
کہتے ہیں مضطرب الحدیث ہے۔ نسائی کہتے ہیں قوی نہیں۔ عبد الحق کہتے ہیں اس کی حدیث
حجت نہیں۔ ابن القطن کہتے ہیں ضعیف ہے۔ اس کی روایات خود اس کے ضعف پر دلالت
کرتی ہیں۔ میزان ج ۲ ص ۲۸۲

حاصل یہ کہ عمرو بن ابی عمرو کی روایت حجت نہیں۔ اس طرح یہ دونوں راوی ناقابل
اعتبار ہیں۔ لہذا یہ روایت قطعاً ناقابل قبول ہے۔

پھر میری غور طلب ہے کہ جب بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے برسر عام ایک فعل
انجام دیا تو ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ متعدد صحابہ اسے روایت کرتے۔ اور پھر جوں جوں سلسلہ

آگے بڑھتا اتنا ہی اس کے راویوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا۔ لیکن اس کے برعکس ۲۳۔
 ایک ہر زمانہ میں صرف ایک ایک راوی رہا ہے جو اس روایت کو شکوک بنا رہا ہے
 دو راوی ناقابل اعتبار ہیں اور روایت بھی منقطع ہے۔ ایسی صورت میں یہ روایت
 قطعاً اس لائق نہیں کہ اس پر اعتماد کیا جاسکے۔ اور علی الخصوص
 جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت جابر سے یہ واقعہ ایک اور سند سے بھی مروی ہے لیکن
 اس روایت اور اس روایت میں بن فرق ہے ہم ابو داؤد کے حوالے سے
 اس روایت کے الفاظ من وعن قارئین کے سامنے پیش کئے دیتے ہیں

حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن
 دو سینگوں دارمیدھے جو خسی تھے ذبح
 کئے اور جب انھیں قبلہ رخ کیا تو یہ دعا
 پڑھی اِنِّیْ وَجْهَتُ مُسْلِمِیْنَ بِکَ لَیْلَۃِ
 اللہ یہ آپ ہی کی جانب سے ہے اور
 آپ کے لئے ہے محمد اور اس کی امت کی
 طرف سے۔ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ پھر آپ
 نے ذبح کیا۔

عن جابر بن عبد اللہ
 قال ذبح النبی صلی اللہ علیہ
 وسلم یوم الذبح کبشین
 اقرنین املحین مرجوئین و
 وجھہما قال اِنِّیْ وَجْهْتُ
 وَجْهَیْ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ
 وَالْاَرْضَ عَلٰی مِلَّتِ اِبْرٰہِیْمَ
 حَنِیْفًا قَدْ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ
 اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَ
 مَحْیَاۤیَ وَمَمَاتِیْ بِاللّٰهِ
 رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِکَ
 لَہٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ
 اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝
 اللّٰھم منک دلت

عَنْ مُحَمَّدٍ وَامْتِهَ بِسْمِ

اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ثُمَّ زَمَّجَ

ابوداؤد ج ۲ صفحہ ۱۳۰ - ابن ماجہ ترجمہ

ج ۲ صفحہ ۲۶۵ - سنن دارمی ج ۲ صفحہ

جابر کی پہلی روایت میں قربانی کی دعا کی کوئی تفصیل موجود نہ تھی۔ اور اس میں منڈھوں کی کیفیت میان کی گئی تھی۔ جو اس روایت میں زیادہ ہے۔ پھر اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے امت کے صرف ان افراد کی جانب سے قربانی کی تھی جو قربانی نہ کر سکیں لیکن اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قربانی تمام امت کی جانب سے کی گئی۔ اس بات میں صرف ایک منڈھے کا ذکر تھا۔ اور اس روایت میں رادی نے دو منڈھوں کا ذکر کیا ہے۔ اور مولوی سرفراز صاحب نے اپنے خط میں دو منڈھوں کا حوالہ دیا ہے۔ اور ساتھ ساتھ یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ حضور یہ عمل اکثر و بیشتر کیا کرتے تھے جالانک ان ہر دو روایات میں اس کا ثبوت تک نہیں پایا جاتا۔ بلکہ مولوی سرفراز نے کئی روایتوں کو خلط ملط کر کے متعدد کتابوں کے حوالے پیش کر دئے ہیں۔

جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے۔ تو یہ بھی ایک ہی سند سے مروی ہے۔ اور اس کی سند میں متعدد عیوب موجود ہیں۔ لیکن ہم صرف ایک عیب کا تذکرہ کریں گے۔ اور وہ عیب محمد بن اسحق کی ذات ہے۔ ہم ان ذات شریف کے سلسلے میں اپنی جانب سے کچھ کہنا نہیں چاہتے۔ اس لئے کہ یہ مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ کے رادی ہیں کہیں مولوی صاحب یہ الزام قائم نہ فرمادیں کہ ہم مسلم کے راویوں میں کیڑے نکال رہے ہیں اور بزرگوں کی شان میں گستاخی کر رہے ہیں۔ لہذا ہم مولوی سرفراز صاحب کی کتاب "احسن الکلام" سے اس محدث اسماء کا حال نقل کرتے ہیں تاکہ قارئین کو یہ اندازہ ہو جائے کہ انہوں نے اس مسلم کے اوی میں کتنے کیڑے نکالے ہیں۔ کیوں کہ یہ کیڑے نکالنا ان کے

لئے ملاں ہے۔ اور ان کی منشا کے خلاف کیڑے نکالنا حرام ہے۔ لہذا محمد بن اسحاق کا حال مولوی سرفراز صاحب کی زبانی سنئے۔

”محمد بن اسحاق کو گو تاریخ اور معاذی کا امام سمجھا جاتا ہے لیکن محدثین اور ارباب جرح و تعدیل کا تقریباً پچانوے فی صدی گروہ اس بات پر متفق ہے کہ روایت حدیث میں اور خاص طور پر سنن اور احکام میں ان کی روایت کسی طرح بھی حجت نہیں ہو سکتی۔ اور اس لحاظ سے ان کی روایت کا وجود اور عدم بالکل برابر ہے تصحیحات ملاحظہ کریں۔“

امام نسائی فرماتے ہیں کہ وہ قوی نہیں ہے۔ (ضعفاء وھذیب ص ۵۵) ابو حاتم کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے (کتاب العلل ج ۱ ص ۲۳۳) ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ وہ مجہول روایت سے باطل روایت نقل کرتا ہے۔ (مبند ادبی ج ۱ ص ۲۲) دارقطنی کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے۔ (النفیاء ج ۱ ص ۲۳) سیمان تسیی کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے۔ ہشام بن عروہ کہتے وہ کذاب ہے امام جرح و تعدیل یحییٰ قطان کہتے ہیں کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب ہے (میزان ج ۲ ص ۲) وھیب بن خالد اس کو کذاب اور جھوٹا کہتے ہیں (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۵۹) امام مالک فرماتے ہیں کہ وہ دجالوں میں کا ایک دجال تھا۔ (میزان ج ۲ ص ۲) وھذیب التہذیب ج ۱ ص ۵۹) نیز امام مالک نے اسے کذاب کہا۔ (مبند ادبی ج ۱ ص ۲) حسیب بن عبد الحمید کا بیان ہے کہ میرا خیال ہے کہ میرے بھائیوں میں اس زمانے تک زندہ رہوں گا جس میں لوگ محمد بن اسحاق سے احادیث کی سماعت کریں گے۔ وھذیب التہذیب ج ۱ ص ۲) ابو زرعہ کا بیان ہے کہ بھلا ابن اسحاق کے بارے میں بھی کوئی صحیح نظر یہ قائم کیا جاسکتا ہے؟ وہ تو محض ہیچ تھا۔ (توجہ بہ النظر ص ۲۸) امام بیہقی فرماتے ہیں کہ محدثین اور حفاظ حدیث ابن اسحاق کے تفروقات سے گریز کرتے ہیں (سنن الکبریٰ بحوالہ المجموعہ النقی ج ۱ ص ۱۵۵) علامہ مارونی لکھتے ہیں کہ بن

اسحاق میں محدثین کے نزدیک مشہور کلام ہے۔ (المجاہد النقی ج ۱ ص ۱۵۵) عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میرے والد احمد بن حنبل سنن اور احکام میں اس سے احتجاج نہیں کرتے تھے۔ (بنیادی ج ۱ ص ۲۲) تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۴۷ حنبل بن کثاق کا بیان ہے کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا: اسحاق حجت نہیں ہے و بنیادی ج ۱ ص ۲۳ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۴۸ ایوب بن اسحاق کا بیان ہے کہ میں نے امام احمد سے روایت کیا۔ ابن اسحاق جب کسی حدیث کے بیان کرنے میں منقوض ہو تو اس کی حدیث حجت ہوگی فرمایا سجدا ہرگز نہیں۔ (بنیادی ج ۱ ص ۲۳) ابن ابی حشیمہ کا بیان ہے کہ کثاق بن معین نے اس کو لیس بذاک اور لیس بالقویٰ کہا۔ میمون بن ابی حشیمہ کہ ابن معین نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ (بنیادی ج ۱ ص ۲۳) تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۴۹ علی بن المثنیٰ کا بیان ہے کہ میرے نزدیک ابن اسحاق کو صرف اس بات نے ضعیف کر دیا ہے کہ وہ یہود اور نصاریٰ سے روایتیں لے لے کر بیان کرتا ہے و تہذیب ج ۹ ص ۴۵۰ امام ترمذی لکھتے ہیں کہ محدثین نے ان کے حافظ کی خرابی کی وجہ سے اس میں کلام کیا ہے۔ (کتاب العلل ج ۲ ص ۲۳۲) امام نووی لکھتے ہیں کہ جو راوی صحیح کی شرطوں کے مطابق نہیں ہے ان میں ایک محمد بن اسحاق بھی ہے۔ مقدمہ نووی ص ۱۶ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ ابن اسحاق کی روایت درجہ صحت سے گری ہوئی ہے۔ اور حرام و حلال میں اس سے احتجاج درست نہیں ہے۔ (ذکرہ ج ۱ ص ۱۶۳) حافظ ابن حجر لکھتے ہیں ابن اسحاق احکام کی روایات میں حجت نہیں ہے خصوصاً جب کہ منفرد ہو۔ اور جب کوئی ثقہ راوی کے خلاف روایت کرتا ہو تو ابن اسحاق کی روایت قابل توجہ ہی نہیں ہو سکتی (درارہ ص ۱۹۳) حافظ ابن القیم لکھتے ہیں کہ امام احمد نے ابن اسحاق کی روایت کو منکر کہا ہے اور اسکو ضعیف بتایا ہے (زاد المعاد ج ۱ ص ۱۳۳) احسن الکلام ج ۲ ص ۲۷۷

یہ مولوی سرفراز صاحب کی تحریر کا ایک ادنیٰ سانحہ ہے۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ محمد بن اسحاق پر مولوی سرفراز کا کلام ابھی جاری ہے۔ ہم نے ابتدائی عبارت نقل کر دی ہے۔ محمد بن اسحاق کے علاوہ مولوی سرفراز صاحب نے علاء بن عبد اللہ کھول اور اوزاعی وغیرہ پر بھی کلام کیا ہے۔ یہ سب مسلم کے راوی ہیں۔ اور علماء دیوبند نے اس کتاب پر تقریظات لکھی ہیں۔ لیکن وہ پھر بھی شیخ الحدیث ہیں اور اہم نے مسلم کے ایک راوی کے صنف کی جانب صرف اشارہ کیا تھا۔ تو مولوی سرفراز صاحب چراغ پا ہو گئے۔ آخر یہ دورنگی پالیسی کیوں اختیار کی گئی۔ پھر اس سے بھی بڑھ کر دورنگی یہ ہے کہ بطور دلیل ہمارے سامنے وہ روایت پیش کر رہے ہیں جس کا واحد راوی محمد بن اسحاق ہے۔ اور اس میں انھوں نے خود اتنے کیڑے بھر دیے ہیں کہ اب ان کا نکالنا بھی ایک امر محال ہے۔ ان میں حیرت تو اس بات پر ہے کہ ایسے کذاب و دجال راوی کی روایت پر کس طرح اعتماد کر کے ایصالِ ثواب کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے، غالباً وہ یہ تصور کرتے ہیں کہ ان مسائل میں تو راویوں پر جرح کرنا صرف جائز ہے بلکہ مقصود دین ہے جن کا تعلق فروری، مسائل سے ہو۔ اور جن روایات کا تعلق عقائد، ایمانیات، مناقب اور حلال و حرام سے ہو، ان میں جرح ممنوع ہے۔

ہم جب ان کتابوں کے حوالے دیتے ہیں جن کے حوالے مولوی سرفراز صاحب نے دیئے ہیں اور ان ائمہ کے اقوال نقل کرتے ہیں جن کو خود مولوی سرفراز صاحب نے نقل کئے ہیں تو ہمیں خارج از دین فساد دیا جاتا ہے۔ کیوں کہ ہماری تحریر سے ان فضولیات پر زد پڑتی ہے جو یہ حضرات اباً عن جد کرتے چلے آئے ہیں اور چوں کہ ان کے عجیب اکابر نے

ان فضولیات کو ہمیشہ اپنا ہی ہے۔ لہذا ان اکابر کے مقابلے میں ان علماء کرام کے اقوال کو ناقابل قبول قرار دینے کے لئے تاویلات کا سہارا لیا جاتا ہے۔

یہ تو حضرت جابر کی روایت کا حال ہے۔ اب اس روایت کو بھی ملاحظہ فرمائیے جو حضرت عائشہؓ کی جانب منسوب ہے، اس روایت کے الفاظ ہیں

عن عائشہ ان رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

امر بکیش اقرن یطافی

سوار دینظر فی سواد

ویبرک فی سواد فاقی

لہ فضی بہ فقال

ما عائشہ سلم المدینۃ

ثم قال بسم اللہ اللہم

تقبل من محمد و من

آل محمد و من امتہ

محمد ثم فنی بہ

کیا اور فرمایا اسے عائشہ

چھری لا۔ اور اسے پتھر پر گھس لے

آپ نے چھری لی مینڈھا پکڑا۔ اور

اسے پہلو کے بل ڈالا۔ اور فرمایا اللہ

اے اللہ محمد، آل محمد اور امت

کی جانب سے قبول فرما۔ پھر اسے

ابوداؤد ج ۲ ص ۲۹ بسم ج ۲ ص ۱۵۶

اس روایت سے معلوم ہوا کہ وہ مینڈھا ایک ہی تھا دونہ تھے پھر وہ عید گاہ میں بک نہیں کیا تھا۔ بلکہ گھر پر کیا گیا تھا۔ چھری تو حضرت عائشہ سے یہ فرمایا کہ چھری لا۔ اور پتھر پر گڑا کر اسے تیز کر لے۔

پھر اس قربانی میں جہاں حضور خود شریک تھے۔ وہاں ازواجِ مطہرات اور امۃ محمدیہ بھی شریک تھی حضور اور ازواجِ مطہرات کی شرکت یہ ثابت کر رہی ہے کہ یہ قربانی زندوں کی جانب سے عمل میں آئی تھی نہ کہ مردوں کی جانب سے جو ایصالِ ثواب کا معاملہ پیش آتا۔ اور پہلے ائمہ کرام نے اس سے ایصالِ ثواب کے بجائے یہ ثابت کیا ہے کہ پورے گھر کی جانب سے ایک قربانی جائز ہے۔ اور سنت کفایہ ہے۔ اگر اسے گھر میں سے ایک شخص بھی ادا کر لے گا تو کافی ہوگی۔ یہی بات شیخ الہند رحمۃ اللہ نے ابو داؤد کے حاشیہ میں لکھی ہے اور امام نووی نے شرح مسلم میں ائمہ کا اختلاف لکھ کر یہ بھی تحریر کیا ہے۔

وزعم الطحاوی ان ہذا الحدیث منسوخ اور
ادرامام طحاوی حنفی کا خیال ہے کہ یہ حدیث
یا تو منسوخ ہے۔ یا حضور کے ساتھ مخصوص
مخصوص ہے۔

مسلم ج ۲ ص ۱۵۱
ادرامام طحاوی مشہور حنفی ہیں۔ اور یہ بات انہوں نے صرف اس لئے قربانی ہے کہ اخاف کے نزدیک ہر شخص پر اپنی قربانی علیحدہ مسنون ہے۔ گویا ان کے دور تک کسی کے ذہن میں بھی یہ بات نہ تھی کہ اس سے ایصالِ ثواب ثابت ہو سکتا ہے۔ یہ وہ واحد روایت ہے جسے صحیح قرار دیا جاسکتا ہے کیوں کہ اسکے کسی راوی پر کوئی خاص اعتراض نہیں۔ اور یہ زندوں کی جانب سے عمل میں آئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ خبر واحد ہے۔ اور خبر واحد سے عمل تو ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن عتیدہ کا ثبوت کسی امام کے نزدیک جائز نہیں۔ اور ایصالِ ثواب کا مسئلہ عقائد سے تعلق رکھتا ہے لہذا ایسی روایت سے اس کا ثبوت ممکن نہیں۔

ربا یہ مسئلہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی جانب سے قربانی کی اس کی وجہ کیا ہے۔ اور کیا یہ سنت عام ہے کہ دوسرے بھی امت کی جانب سے قربانی

کر سکیں۔ یا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔ جہاں تک اس کے سنت عامہ ہونے کا تعلق ہے تو آج تک کسی عالم نے اس کے بڑا زکافوتی نہیں دیا کہ دوسرے بھی امت کی جانب سے قربانی کر سکتے ہیں۔ تمام امت کا یہ تعلق خود یہ ثابت کر رہا ہے کہ یہ عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے یہ عمل دیگر افراد قطعاً انجام نہیں دے سکتے جس کی صرف ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے وہ وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مومنین کے ان کی جانوں سے بھی زیادہ حقدار ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَلنَّبِيُّ اَوَّلِيٌّ بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ
اَلنَّفْسِ بِهٖمْ۔
نبی مومنین کی ان کی جانوں سے زیادہ
حقدار ہیں۔

اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے مزید چند ذمہ داریاں طواری گئیں جن میں سے ایک ذمہ داری یہ بھی تھی کہ آپ مومنین کے لئے دعائے مغفرت کریں۔

اور آپ ان کے لئے استغفار کیجئے

وَالسُّخْفُ لَهُمْ

بلکہ تاکید یہ حکم دیا گیا۔

ان کے لئے دعائے رحمت کیجئے۔ کیوں کہ آپ کی یہ دعا ان کے لئے سکون کا سبب ہوگی۔

وَقِيلَ عَلَيْهِمْ اِنَّ
مَلَاٰئِكَ سَكَنَ لَّهُمْ

اور اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان عام فرمایا۔

جب تک میں تم میں موجود ہوں اگر کوئی شخص تم میں سے مرتا ہے تو مجھے اس کی اطلاع ضرور دو کیوں کہ اس کے لئے

لا يموت فيكم ميت
وانا بين اظهركم
الا اذنتوني به فان

صلوٰی لکھ دھتہ

میری دعا رحمت کا سبب ہے۔

نہج ج ۱ ص ۲۰۵

اور اسی لئے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی کی موت کی اطلاع زدوی جاتی تو آپ اس کی قبر پر تشریف لے جاتے اور اس کی نماز جنازہ ادا کرتے۔ اور اسی لئے آپ وفات سے چند روز پیشتر میدان احد تشریف لے گئے اور غم کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔

اسی طرح اگر کوئی شخص اس حالت میں مرے گا اس کے ذمہ قرض ہوگا اور اس نے کوئی مال نہ چھوڑا ہوگا تو حضور اس کے قرض کی ذمہ داری اپنے سر لیتے۔ اسی طرح اگر اولاد چھوڑی ہے اور کوئی مال نہیں چھوڑا تو اس کی ذمہ داری بھی اپنے ذمہ لیتے بلکہ کھل کر یہ اعلان فرمایا۔

مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلَوْ رَشْمَةً وَ
مَنْ تَرَكَ كَلًا فَالْيَسَا
جو شخص مال چھوڑ کر مرے۔ وہ مال اس
کے وارثوں کا ہے۔ اور جو بے مال اولاد
چھوڑ کر مرے وہ ہمارے ذمہ ہے۔

بخاری ج ۱ ص ۳۳

یعنی اس کی اولاد کی ذمہ داری بھی ہمارے ذمہ ہے۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہے۔

مَنْ مَوَّنَ الْاَوَاٰلِیَّ
بِهِ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ
اَقْرَبُ عَرْوَانٍ مُّشْتَمٍ اَللّٰہِیَّ
اَوَّلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ
فَاِیْمَاؤُہُمْ مِنْ مَّاتٍ وَتَرَکَ مَالًا
فَلِیْرَثَہُ عَصْبَتُہُ وَمَنْ تَرَکَ
میں ہر مومن کا دنیا و آخرت میں سب سے
زیادہ حقدار ہوں۔ اگر تم چاہو تو یہ آیت
پڑھو "بنی مومنین کے ان کی جانوں
سے زیادہ حقدار ہیں۔ پس جو مومن بھی
مر گیا۔ اور وہ مال چھوڑے تو یہ مال اس
کے عصبہ کا ہوگا۔ اور جو قرض یا تاوان چھوڑ

دنیا اور دنیا عافیتنی فانا
 کر مرے۔ تو میں اس کا ذمہ دار ہوں۔
 مولانا غازی چہ۔ ۳۲ ص ۱۰۸۔ سنائی ۱۳۹

اس صورت میں یہ قربانی بھی یہی حیثیت رکھتی ہے کہ آپ نے امت کے ان افراد کی جانب سے قربانی فرمائی جو قربانی کر سکتے تھے۔ ہاں ایک امکان یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے یہ تمام امور بحیثیت ایک والی اور حاکم کے انجام دیئے ہوں۔ لیکن اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ ماننا ہوگا کہ حاکم وقت تو یہ کام انجام دے سکتا ہے۔ لیکن اورں کو تو یہ بھی حق حاصل نہ ہوگا۔ ہمارے نزدیک یہ تخصیص رسول ہے، اور امام طحاوی نے بلا وجہ اس کی تخصیص کا دعویٰ نہ کیا تھا۔ یہ سب کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس حق پر عمل کر رہے تھے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔ یعنی آپ کو تمام مسلمانوں کا نگران اور ذمہ دار بنادیا تھا۔ جس طرح ایک باپ اولاد کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ آپ نے یہ عمل کر کے اپنی وہ ذمہ داری پوری فرمائی۔

حضرت علی کا عمل

اس موضوع پر ایک روایت حضرت علی سے بھی نقل کی جاتی ہے کہ حضرت علی ہر سال دو مینڈھے قربان کرتے، جب ان سے اس سلسلہ میں استفسار کیا گیا تو انھوں نے ارشاد فرمایا۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم اوصانی ان اھنی عنہ
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے
وصیت کی ہے کہ میں آپ کی جانب سے
قربانی کروں لہذا میں آپ کی جانب سے
خانا اھنی عنہ
ابوداؤد ج ۲ ص ۲۹۱، ترمذی ۲۱۶

قربانی کرتا ہوں۔

اس عمل پر تبصرہ کرنے سے قبل یہ بتانا انتہائی ضروری ہے کہ حضرت علی سے مروی احادیث اور ان کے اقوال و افعال محدثین کی نظر میں انتہائی مشکوک ہیں اسلئے کہ کوفہ میں جتنے بھی لوگ ان کے ساتھ تھے، یہ سب جھوٹ گھڑنے میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اور خاص طور پر حضرت علی اور ان کی اولاد کی جانب اتنا جھوٹ منسوب کیا گیا ہے کہ کئی جلدیں تیار ہو سکتی ہیں حتیٰ کہ محدثین یہ فیصلہ دینے پر مجبور ہو گئے کہ ان اصحاب علی علیہم السلام حضرت علی کے تمام ساتھی جھوٹے ہیں۔

ابن عباس کے سامنے پیش کی گئی۔ انہوں نے چند فیصلے چھوڑ کر باقی پر قلم پھیر دیا اور فرمایا۔

واللہ ما قضی بھذا علی اللہ کی قسم علی نے یہ فیصلہ نہیں کئے، ہاں الا ان یکون منہ۔ گزری کی حالت میں یہ فیصلے کر سکتے تھے۔

مقدمہ مسلم پر مٹ
گویا یہ فیصلہ تو تمام محدثین کے نزدیک مسلمہ ہے کہ حضرت علیؓ کی جانب روایات مشکوک ہیں۔ اور وہ روایات جو ان سے ان کے ساتھی نقل کریں تو وہ قطعاً ناقابل اعتبار ہیں۔ ہاں اگر حضرت عبداللہ بن مسعود کے شاگردان سے روایت کریں تو وہ صحیح ہوں گی۔ مثلاً ابوہریرہ، شقیق بن سلمہ، زبیر بن جہش، قاضی شریح، علقمہ، مسروق اور عبیدہ وغیرہ۔ لیکن ایسی روایات تمام کتب احادیث میں چند سے زیادہ نہ ملیں گی۔

ہاں محدثین حضرت علیؓ کی وہ روایات بھی قبول کرتے ہیں جو ان سے دیگر صحابہ روایت کریں۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ، ابو الطفیلؓ اور ابوسلمیٰؓ وغیرہ لیکن اس قسم کی تمام روایات اس وقت قابل قبول ہوں گی جبکہ نیچے کے تمام راوی بھی ثقہ ہوں اور ان میں کوئی رافضی داخل نہ ہو۔

ایسی صورت میں سب سے اول یہ دیکھنا ہوگا کہ حضرت علیؓ کے اس عمل کو نقل کرنے والا کون ہے، وہ صحابی رسول ہے یا عبداللہ بن مسعود کا شاگرد ہے، یا علیؓ کا کوئی ساتھی ہے۔ اگر حضرت علیؓ کا ساتھی ہے تو پھر تو وہ اول درجہ کا جھوٹا ہے کیوں کہ یہ سب قاتلین عثمانؓ تھے۔

ہم جب اس روایت کی سند کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اس کی سند کے اکثر راوی خالص شیعہ ہیں۔ اور حضرت علیؓ سے اس عمل کو نقل

کرنے والا ان کا ایک ساتھی خش نامی ہے۔ یہ حنشل بن العتیر کے نام سے مشہور ہے۔ اور اسے حنشل بن ربیعۃ الکسانی بھی کہا جاتا ہے۔ کوفہ کا باشندہ تھا۔ حضرت علیؑ اور حضرت ابو ذرؓ سے روایات نقل کرتا ہے۔

بخاری و مسلم نے اس سے کوئی روایت نقل نہیں کی۔ سنائی نے اگرچہ اس سے روایت لی ہیں۔ لیکن یہ روایت قطعاً نقل نہیں کی۔ بلکہ کتاب الضعفاء میں فرماتے ہیں۔

لیس بالقوی یہ قوی نہیں۔

ایک تہما ابوداؤد ہیں۔ جو اسے ثقہ سمجھتے ہیں۔ بخاری لکھتے ہیں کہ محدثین کو اس کی روایت پر اعتراض ہے۔ کتاب الضعفاء للبخاری ص ۱۸۵ امام ابن حبان فرماتے ہیں

لا یجوز بہ یتفرد عن علیؑ اس کی حدیث مجتہد نہیں۔ یہ حضرت علیؑ
لا یشبہ حدیث الثقات سے ایسی روایات نقل کرتا ہے جو ثقہ اور
معتبر راوی نقل نہیں کرتے۔

میزان ج ۱ ص ۱۹

امام ابو حاتم رازی فرماتے ہیں کہ محدثین اس کی حدیث کو مجتہد نہیں سمجھتے علی بن المدینی فرماتے ہیں حنشل جس سے حکم یہ روایت نقل کر رہے ہیں ہم تو اسے پہچانتے بھی نہیں کہ کون ہے۔ الجرح والتعدیل ج ۳ ص ۲۹۱

حافظ ابن حجر نے اگرچہ اسے صحابہ مانا ہے لیکن ساتھ ساتھ وہ یہ بھی لکھتے ہیں
لہ اوہام ویرسل اسے وہم ہوتا تھا۔ اور مرسل روایت
تقریب مشہو نقل کرتا تھا۔

جس سے مزید یہ شک پیدا ہوتا ہے کہ اس نے حضرت علیؑ سے کوئی روایت بھی نہ سنی ہو۔ اور درمیان سے راوی گرا دیا ہو۔ لیکن اگر اس نے روایات بھی سنی

ہیں تب بھی وہ محدثین کے نزدیک ناقابل اعتبار ہے۔

ابن عدی اور امام ذہبی نے اس کی اس روایت کو منکر قرار دیا ہے۔
حنش سے اس روایت کو نقل کرنے والے حکم بن عقیبہ میں بے شک یقین
ہیں لیکن تدلیس کے مرض میں مبتلا تھے یعنی درمیان میں سند سے راوی گرا دیتے
تھے اور دلس جب کوئی روایت عن کے ذریعے نقل کرتا ہے تو وہ قابل قبول نہیں
ہوئی اور یہ روایت بھی عن کے ذریعے مروی ہے۔

اس طرح حکم کی ثقاہت سے اس روایت کو فائدہ کے بجائے مزید نقصان
پہنچا ہے یعنی اس روایت میں ایک عیب کا اور اضافہ ہو گیا۔ حالانکہ محدثین کے
نزدیک کسی روایت کے ناقابل قبول ہونے کے لئے اتنا سا عیب بھی کافی ہے بیکمزید
تو عیب عیوب ہے۔

حکم سے اس روایت کو نقل کرنے والا ابو الحسناء ہے۔ ابو الحسناء کفایت ہے؟
اس کا کیا نام ہے؟ کہاں کا باشندہ ہے؟ باپ کا کیا نام ہے؟ کب پیدا ہوا؟ کب مرا؟
اور کس کس سے تعلیم حاصل کی یہ سب کچھ آج تک پردہ راز میں ہے بس صرف
اتنا معلوم ہے کہ ابو داؤد اور ترمذی نے۔ یہ رام کہانی اس کے ذریعے نقل کی ہے
حافظ ابن حجر لکھتے ہیں

قیل اسمہ الحسن وقیل
الحسین مجهول

کہا جاتا ہے اس کا نام حسن ہے۔ یہ بھی کہا جاتا
ہے کہ حسین نام ہے۔ مجهول ہے۔

تقریب ۳۰۰

ہماری نظر میں تو اس کا صرف ایک ہی حل ممکن ہے۔ اور وہ یہ کہ ہمارے علماء
عالم برزخ میں پہنچ کر ہر اس فرد کو جس کا نام حسن یا حسین ہو یکپڑ کر دریافت کریں
کہ بھیتا تیری کفایت تو ابو الحسناء نہیں اگر ایسا ہے تو کم از کم اپنا اتا پتہ بتا دے

تیرے نام کچھ ایصال کیا جاسکے۔ اگرچہ یہ بھی ممکن ہے کہ ایصال اور مرغن غذاؤں کی خاطر دواں ابوالحسناء بن کر بہت سے نمودار ہو جائیں یہ صورت یہ ہماری در دوسری نہیں۔ اس کا حل مولوی سرفراز صاحب تلاش کریں۔

امام ذہبی اس کے بارے میں لکھتے ہیں۔

ابوالحسناء حدث عنه اس ابوالحسناء سے شریک روایات
لا یعرف له عن الحكم نقل کرتا ہے اور یہ خود حکم بن عتبہ ہے
بن عتبہ۔ لیکن پہچانا نہیں جاتا۔

میزان ج ۲ ص ۵۱۵

ہمارے علماء نے تو یہ مقولہ مشہور کر رکھا ہے کہ جس روایت پر ابوداؤد سکوت اختیار کر لیں وہ روایت قابل اعتناء نہ لیکن غالباً بخاری، ابوقاتم ابن حبان، ابن عدی، ذہبی اور ابن حجر وغیرہ کو اس مقولہ کا علم نہ تھا۔ روز یہ حضرات ذکر و حش پر کلام کرتے اور نہ ابوالحسناء کو مجہول قرار دیتے

اس لمبی پرندے سے اس روایت کو نقل کرنے والا شریک ہے۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ اس روایت کے تمام راوی کوفی ہیں۔ اور اس سند کے علاوہ اس روایت کی کوئی اور سند نہیں۔ یعنی یہ روایت کوفہ کی بھٹی میں تیار ہوئی ہے۔

یہ جناب شریک کون ہیں۔ ان سے تمام محدثین واقف ہیں بلکہ بہت سوں نے انھیں ثقہ کہا ہے۔ ان کے والد کا نام عبداللہ ہے قبیلہ نضج سے تعلق رکھتے تھے۔ کوفہ کے باشندے ہیں اور واسط کے قاضی تھے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں

صدق یخطئ کثیر الخیر سچا ہے غلطیاں بہت کرتا ہے۔ جب سے
حفظہ منذ ولی القضاء کوڈ کا قاضی بنایا گیا تو حافظہ خراب ہو گیا تھا۔

بالکوفة۔

یہ بھی ایک عجیب معاملہ ہے کہ جب تک واسطہ کے قاضی رہے۔ اس وقت تک ان کے حافظہ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ لیکن کوفہ کے قاضی بنے ہی ان کا حافظہ خراب ہو گیا اور وہ غلطیاں کرنے لگے کوفہ کی آب و ہوا ہی ایسی ہے کہ ہر ایک کا حافظہ خراب کر دیتی ہے۔ اس خرابی حافظہ کے پردے میں کیا راز مخفی ہے؟ کوئی نہ کوئی تو اس راز سے بھی ضرور واقف ہو گا۔ آئیے ہم اور آپ مل کر کسی راز داں سے اس کی ٹوہ لگائیں کہ کوفہ کی ہوا میں کونسا راز مخفی ہے؟ یا جناب شریک خرابی حافظہ کے بہانے کوئی شکار کھیلنا چاہتے ہیں؟ آئیے اور امام ابن عدی اور امام ذہبی کی زبانی کچھ اس کا حال سن لیجئے۔

امام علی بن المدینی فرماتے ہیں کہ امام یحییٰ بن سعید القطان اسے انتہائی ضعیف قرار دیتے تھے۔ ابن النثنی کا بیان ہے کہ میں نے یحییٰ بن سعید القطان اور عبد الرحمن بن ہمدی کو کبھی اس کی روایت بیان کرتے نہیں دیکھا

عبد الجبار بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن سعید القطان سے عرض کیا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ آخر میں اس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ انہوں نے فرمایا اس کا تو ہمیشہ ہی سے حافظہ خراب تھا۔ حافظہ غلط کا اصل ترجمہ ہے پاگل)۔ امام یحییٰ بن معین فرماتے شریک بن عبد اللہ کا داد اسنان بن انس ہے جو حضرت حسین کا قاتل ہے یہ سنان بن انس وہ شخص ہے جو حضرت حسین کو مکر لینے گیا تھا۔ (۲۰)

اللہ تعالیٰ امام یحییٰ بن المعین کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے قاتل حسین کا مہر مل کر دیا۔ میں تو آج تک یہی دھوکہ دیا جاتا رہا کہ ان کے قاتل یہ چند افراد ہیں۔ امیر المؤمنین یزید بن معاویہ، حید اللہ بن زیاد، عمرو بن سعد اور ذی الجوشن۔

امام عبد اللہ بن المبارک جو امام ابو حنیفہ کے شاگرد رشید ہیں۔ فرماتے ہیں شریک کی حدیث کچھ نہیں۔ جو زبانی کہتے ہیں اس کا حافظہ خراب تھا۔ حدیث میں اسے افسطرا

ہوتا تھا۔ اور اوجہ حق سے ہٹا ہوا تھا۔

خود شریک کے صاحبزادے عبدالرحمن کا بیان ہے کہ میرے باپ کے پاس دس
احادیث تو وہ تھیں جو انہوں نے جابر جعفی سے سنی تھیں۔ اور دس ہزار غریب روایات
تھیں۔ ج۔ ۲ ص ۲۴

جابر جعفی مشہور رافضی و رکذاب ہے۔ اس کا عقیدہ تھا کہ بادلوں میں حضرت
علیؑ گھومتے ہیں۔ یہ کہ وہ ان کے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز اور یہ بجلی ان کے گھوڑے
کی مار کا شاخسانہ ہے معلوم نہیں ایران کے سائنس دان اب کیا کہتے ہیں۔
دارقطنی کہتے ہیں جس روایت کو نقل کرنے میں شریک تہنا ہو وہ روایت
قوی نہیں۔ اسی لئے امام ترمذی یہ لکھنے پر مجبور ہوئے۔

ہذا حدیث غریب لا
نعرفہ الا من حدیث
یہ حدیث غریب ہے۔ اسے شریک
کے علاوہ کوئی روایت نہیں کرتا۔
مشریک

ابن ابی حاتم کا بیان ہے کہ میں نے ابوذر رازی سے اس شریک کے بارے
میں دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا بہت سی احادیث روایت کرتا ہے۔ وہ ہم کا مادہ
ہے۔ غلطیاں کرتا ہے۔ جس پر امام نعلک الصانع نے جواب دیا کہ اس نے تو
واسط میں باطل احادیث بیان کی تھیں۔ ابوذر بولے باطل نہ کہو۔

متحد دائر نے جو اس کی روایات کو قبول کیا اور اس پر صرف غلطی کا الزام
قائم کر دیا۔ اُن حضرات نے اس کے ظاہر کو دیکھتے ہوئے فیصلہ دیا تھا لیکن حقیقت
یہ ہے کہ یہ تفسیر کا ماہر تھا۔ ہم ذیل میں امام ذہبی کی زبانی وہ واقعات پیش کرتے ہیں
جن سے اس کی حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی۔

ابن اسم بن امین کا بیان ہے کہ میں نے شریک سے دریافت کیا کہ تمہاری

اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے۔ جو یہ کہے کہ میں کسی صحابی کو دوسرے پر فضیلت نہیں دیتا۔ اس نے جواب دیا کہ ایسا شخص احمق ہے۔ کیا ابو بکرؓ کو عمرؓ کو فضیلت نہیں دی گئی۔ یہ شریک کہا کرتا تھا کہ علیؓ کو ابو بکرؓ پر وہی شخص فضیلت دے سکتا ہے جو ذیل و رسوا ہو۔

اب اس تصویر کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

ابوداؤد والرمذی کا بیان ہے کہ انہوں نے خود شریک کو یہ کہتے سنا ہے کہ علیؓ خیر البشر ہیں اور جو شخص اس سے انکار کرے وہ کافر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ بشریت میں انبیاء کرام بھی داخل ہیں۔ میزان ج ۲ ص ۲۷۱

اس شریک نے حضرت بریدہؓ کی جانب یہ روایت بھی منسوب کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ہر نبی کا ایک وصی اور وارث ہوتا ہے۔ اور میرے وصی اور وارث علیؓ ہیں۔

علی بن قادم کا بیان ہے کہ عتابؓ ایک دوسرے شخص کے ساتھ شریک کے پاس گئے اور اس سے سوال کیا کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ تو حضرت علیؓ کے معاملہ میں مشکوک ہے۔ وہ بولا اے احمق یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میری دلی تمنا تو یہ تھی کہ میں علیؓ کے ساتھ ہوتا اور ان لوگوں کے (صحابہ) کے خون سے اپنی تلوار کو رنگین کرتا۔

امام حفص بن غیاث کہتے ہیں کہ میں نے شریک کو کہتے سنا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور مسلمانوں نے ابو بکرؓ کو خلیفہ بنالیا۔ کاش ان لوگوں کو یہ معلوم ہوتا کہ ان میں ایک شخص ابو بکرؓ سے بھی افضل موجود ہے۔ سب سے گھیر لیتے پھر ابو بکرؓ نے عمرؓ کو خلیفہ بنا دیا۔ لیکن جب اس کی موت کا وقت آیا تو انہوں نے مجھ آدمیوں پر فیصلہ چھوڑ دیا۔ اگر وہ یہ جانتے کہ ان میں ایک شخص سب سے

افضل ہے تو یہ سب ہمارے پاس جمع ہو جاتے۔ میزان ج ۲ ص ۲۷۲

یہ قول جب عبداللہ بن ادریس نے سنا تو بولے اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے دل کی بات کہدی، اللہ کی قسم وہ شیعہ ہے۔ اللہ کی قسم شریک شیعہ ہے ایک بار ایک جماعت نے اس کے سامنے امیر معاویہ کا تذکرہ کیا کہ وہ بہت بردبار تھے۔ وہ بولا کہ وہ شخص بڑا بار نہیں ہو سکتا جس نے علیؑ سے قتال کیا ہو۔

امام احمد فرماتے ہیں شریک سے زیادہ بہتر تو حسن بن صالح ہے۔ اس شریک کو تو یہ بھی پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ کس قسم کی حدیث بیان کر رہا ہے۔ یعنی گپ اڑانے میں ماہر ہے،

یہ شریک ۹۷ھ میں پیدا ہوا اور ۱۷۷ھ میں اسکا انتقال ہوا۔
حاصل کلام یہ کہ یہ شریک رافضی ہے۔ اور اس روایت کے الفاظ خود یہ ثابت کر رہے ہیں کہ شیعہ یہ روایت بیان کر کے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ان کے نزدیک حضرت علیؑ حضورؐ کے وہی تھے۔ اس لئے اس روایت کے شروع میں یہ الفاظ حضرت علیؑ کی زبان سے کہلوائے گئے کہ مجھے حضورؐ نے وصیت کی حالانکہ اصول حدیث کی رو سے یہ روایت رَوِی کی ٹوکری میں پھینک دینے کے قابل ہے کیوں کہ اس کا ایک راوی رافضی۔ ایک نامعتبر اور ایک مجہول ہے اس طرح یہ روایت سراپا عیوب ہے

یہ راوی تو وہ ہیں جو ابو داؤد اور ترمذی دونوں میں پائے جاتے ہیں اور یہ سب کو فی ہیں۔ لیکن اس شریک سے دو شخص نقل کر رہے ہیں ایک عثمان بن ابی شیبہ جو اس روایت میں ابو داؤد کے شیخ ہیں۔ دوسرے محمد بن عبد الحماری جو ترمذی کے اس روایت میں۔ متاد ہیں۔ اتفاق سے یہ دونوں بھی کو فی ہیں۔ گویا ڈھائی سو سال تک وہ یہ روایت کو ف کے خاص خاص گھروں میں چھپی رہی

کیوں کہ ابوداؤد ^{۲۰۹} میں پیدا ہوئے۔

عثمان بن ابی شیبہ اس کا نسب نامہ یہ ہے۔ عثمان بن محمد بن ابراہیم بن عثمان العسی الکوفی
ابوالحسن اس کی کنیت ہے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں

ثقة حافظ شهير له
ادھام وقيل كان لا
يحفظ القسرات۔
ثقة میں شہور حافظ الحدیث ہیں۔ انھیں
وہم ہوتا تھا۔ اور کہا جاتا تھا قرآن یاد نہ
رکھ سکتے تھے۔

^{۲۳۹} میں تراسی سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔ یہ امام ابو بکر بن ابی
شیبہ کے بھائی ہیں جن کی حدیث میں "المصنف" مشہور ہے تقریباً تمام اصحاب
صحاح نے ان سے روایات لی ہیں۔ اب ان کا تفصیلی حال امام ذہبی کی زبانی ملاحظہ
کیجئے۔

عبداللہ بن احمد کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد امام احمد بن حنبل کے ساتھ عثمان
بن ابی شیبہ کی بیان کردہ یہ روایت پیش کی کہ تمام دنیا کے غریب اپنے باپوں کی جانب منسوب
ہوتے ہیں مگر فاطمہؓ کی اولاد میری جانب منسوب ہوگی۔ میں ان کا عصیہ ہوں

امام احمد نے اس قسم کی روایات کو انتہائی سست قرار دیا اور فرمایا یہ موضوع ہیں ابوہ
عثمان سے بہتر تو ان کے بھائی ابو بکر ہیں۔ یہ تو اپنی بڑائی میں اپنی غلطی بھی قبول نہیں کرتا نیز ان
آزدی کہتے ہیں میں نے اپنے ساتھیوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ عثمان ایسی روایات پیش کرتا
ہے جو اور کوئی بیان نہیں کرتا

امام ذہبی فرماتے ہیں یقرآن قطعاً یاد نہ رکھتا تھا۔ حسن بن صباح کا بیان ہے کہ عثمان
بن ابی شیبہ۔

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ نَجِثَ

کوالف لام، میم پڑھا کرتا تھا۔ ملاکر اسے پوری سورہ نیل یاد تھی۔ یہ ابتدائی لفظ

ایسا دشوار نہیں جو یاد نہ ہو سکے۔ یہ سراسر تحریف فی القرآن ہے۔

خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ کسی محدث سے قرآن میں اتنی تبدیلی مذکور نہیں ہے جتنی عثمان بن ابی شیبہ سے۔ حتیٰ کہ اسماعیل بن محمد تستری کا بیان ہے کہ میں نے عثمان بن ابی شیبہ کو یہ پڑھتے سنا۔

فَإِنْ لَمْ يَنْبُهَا ذَا بِلْ نَظَّلْ

حالانکہ آخری لفظ میں ظ نہیں ط ہے۔

قرآن میں سورۃ مائدہ کے پہلے رکوع میں

مُكَلِّبِينَ فِي جَوَارِحِ كَوْفَلٍ خَاجِرٍ پڑھتا تھا۔ اور اس آیت

نُطَشُّمُ حَبَّارِينَ

کو حَبَّارِین پڑھا کرتا تھا۔

محمد بن عبد اللہ بن المنادی کا بیان ہے کہ ایک روز عثمان نے ہم سے سوال کیا کہ کن فاعلم

کو نسی صورت میں ہے۔

مطین کا قول ہے کہ ایک روز اس نے

فَضَرِبَ نَحْمُ يَسُوْرٌ لَّهٗ بَابٌ

کو

يَسُوْرٌ لَّهٗ بَابٌ پڑھا۔

لوگوں نے اسے غلطی پر ٹوکا

بولایہ حمزہ کی قراوت میں ہو گا۔ اور حمزہ کی قراوت ہمارے نزدیک بدعت

ہے۔ میزان ج ۳ ص ۲

ابراہیم بن عبد اللہ الحفصاف کہتے ہیں کہ ایک بار عثمان بن ابی شیبہ نے

جَعَلَ السَّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ

کی تفسیر شروع کی اور اس آیت کو اس طرح پڑھا۔

جَعَلَ السَّفِينَةَ فِي رِجْلِ أَخِيهِ

لوگوں نے کہا کہ یہ لفظ سقایہ ہے، کہنے لگائیں اور میرے بھائی ابو بکر عاصم کی قرات نہیں پڑھتے۔

اسی عثمان نے یہ روایت بیان کی تھی کہ حضور نے ارشاد فرمایا۔ سب سے بدترین قبائل بنو امیہ، بنو حنیفہ اور ثقیف ہیں۔ یہ روایت بھی اسی کی وضع کردہ ہے کہ حضرت

علیؑ نے اس آیت

إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ وَبِكُلِّ

قوم مہم

کی تفسیر بیان کی کہ منذر تو رسول ہیں اور ملوی بنی ہاشم کا ایک شخص ہے (یعنی نہیں) اس نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی جانب یہ روایت بھی منسوب کی۔ کہ ایک زائد وہ آئے گا کہ لوگ مسجد میں جمع ہوں گے اور ان میں ایک بھی مومن نہ ہوگا۔ میزان ج ۳۰ ص ۳۸۵ ہے۔ بے شک مومن مسجد میں کیوں آئے گا۔ وہ تو امام باطلے جلے گا۔ مسجد میں جاتا تو بغیر تقیہ کے ممکن بھی نہیں جس طرح عثمان بن ابی شیبہؓ تقیہ کا لبادہ اوڑھ کر قرآن میں تحریف کی ہے۔ اور جس طرح شریک نے تقیہ سے کام لیا۔

یہ اس روایت کی سند کا حال ہے اور ان راویوں کے علاوہ کوئی اسے روایت نہیں کرتا۔ ایسی صورت میں اس کی حیثیت "دراؤن کھٹولے" سے زیادہ نہیں ہم نے تو اس پر اتنی تفصیلی بحث بھی کی ہے۔ لیکن امام ابن عدی اور امام ذہبی نے صرف حنش کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسے حنش کی منکرات میں داخل کیا۔ ان کے نزدیک اس روایت کے مردود ہونے کے لئے اتنا سادہ بھی کافی تھا۔ لیکن چون کہ اب ہمارے ذہنوں میں باطل اس طرح رچ بس گیا ہے کہ معمولی سی جرح سے اس کا ذہن سے نکلنا

دشوار ہے۔ اسی لئے اس پر تفصیلی بحث کی گئی۔

اس موقع پر قارئین کی معلومات کے لئے یہ عرض کر دیں تو مناسب ہوگا کہ ۱۹۵۱ء میں اس موضوع پر علامہ ظفر احمد عثمانی مرحوم اور علامہ تنہا عادی میں تحریری مباحثہ ہوا تھا جس میں علامہ ظفر احمد عثمانی مرحوم کو جواب ہونا پڑا یہ مباحثہ فل سائر کے اسی صفحہ پر شتمل ہے۔ اسکی فوٹو ایٹسٹ ہمارے پاس موجود ہے جو صاحب خیر اسے طبع کرانا چاہیں تو مجھ سے رجوع کریں۔

یہاں یہ امر بھی عرض طلب ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تک مدینہ منورہ میں رہے یعنی حضور کی وفات کے بعد پچیس سالہ دور میں انھوں نے حضور کی جانب سے قرآنی کی تھی یا نہیں؟ اگر مدینہ میں بھی وہ پچیس سال تک اس پر عمل کرتے رہے تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ مدینہ کے کسی فرد نے ان کا یہ عمل نقل نہیں کیا۔ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ وہ چھپا کر یہ فعل انجام دیتے تھے تو ہماری عرض یہ ہے کہ اگر یہ کارِ ثواب تھا تو اس کے مخفی رکھنے کی کوئی ضرورت نہ تھی، اور اگر یہ کام باطل اور خلافِ شرع تھا تو کیا کوفہ میں صرف بنائیوں کے سامنے اس کا اظہار کیا جاسکتا تھا اور یہ صورت حال یہ ثابت کر رہی ہے کہ حضرت علی تقیہ میں ماہر تھے۔ ہم حضرت علیؑ پر یہ الزام لگانے کے لئے قطعاً تیار نہیں لہذا اس کا حل یہی ہے کہ ان تقیہ بازوں کی اس روایت کو مردود تسلیم کیا جائے۔

اگر فی الواقع اس قسم کی کوئی وصیت بھی فرض تبتے تو صورت حال کا تقاضا تو یہ تھا کہ آپ کو چاہیے تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بچائے کسی اور کو وصیت کرتے۔ کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی حضور کی حیات میں نہایت فقہ و فافہ میں گزری ہے۔ اور ان کی مالی حالت ایسی نہ تھی کہ ان پر مزید مالی بار ڈالا جاتا یہ تو مرے پر سو درے والی مشل ہوگی، حضور

کو اگر یہ وصیت کرنی تھی تو اپنے دامادوں میں سے حضرت عثمان غنی اور حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کو یہ وصیت فرماتے۔ کیوں کہ ان حضرات کے لئے اس پر عمل کرنا کوئی دشوار نہ تھا۔ یا اپنے چچا حضرت عباسؓ یا ان کی اولاد کو وصیت کرتے لیکن ان صورتوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کیسے "وصی" بنتے اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ وصی بنتے تو حبیئوں کا دین کیسے رائج ہوتا۔ اور پاک دھند کے علماء کیسے ان کا شکار بنتے۔ ؟

ہندو یہ سب کچھ سوچی سمجھی اسکیم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے علماء کو حق سلیم عطا فرمائے۔

پھر حضرت علیؓ نے نہ تو اپنی اولاد کو اس کی وصیت کی اور نہ خلیفہ ہونے کی حیثیت سے لوگوں کو یہ حکم دیا کہ تم بھی حضور کی جانب سے قرآنی کیا کرو جو ان کا ایک فریضہ تھا۔ اور اگر یہ مخصوص وصیت تھی تو اس پر دوسروں کے لئے کس دلیل سے عمل جائز ہوگا۔ اور اگر یہ حکم عام تھا تو حضرت علیؓ نے اس کی اشاعت میں کیوں کوتاہی اختیار کی کہ بجز غنیش کے کسی کو بھی پتہ نہ چل سکا اور اس نے بھی ایک بھول انسان کو اسکا اتنا پتہ بتایا۔ لہذا اس کا حل یہی ہے کہ اس روایت کو ان جھوٹوں میں شمار کیا جائے جو قاتلین عثمان نے حضرت علیؓ کے نام سے وضع کئے تھے۔ اور امام محمد بن سیرین المتوفی ۲۵۵ھ کے اس قول کو پیش نظر رکھا جائے۔

ان عامۃ مزایروی عن علی
بأبطل میزان الاعتدال ج ۲ ص ۴۲

حضرت علیؓ سے جو روایات نقل کی جاتی ہیں وہ عام طور پر باطل ہیں۔

اور امام میسرہ کے اس اصول کو پیش نظر رکھئے۔

لم یکن تصدق علی فی الحدیث
عنہ الامام صاحب عبد اللہ

حضرت علیؓ کی کسی حدیث کو اس وقت تک سنا نہیں مانا جاسکتا جب تک عبداللہ بن مسعود کے شاگردان سے وہ حدیث روایت نہ کریں

اور غنیش جو اس روایت کا ادین راوی ہے وہ ابن مسعود کا شاگرد نہیں بلکہ قاتلین

عثمانؓ کا ایک ساتھی ہے۔ لہذا یہ روایت ایک کھلا جھوٹ ہے۔

آخر میں مولوی سرفراز صاحب سے ہم مودبانہ درخواست کرتے ہیں کہ جس طرح آپ نے
خاتون خلع الامام کے مسئلہ میں رجال کی چھان بین کی ہے اسی طرح اگر آپ اس قسم کے مسائل میں
خالی الذہن ہو کر رجال کی چھان بین فرمائیں گے تو انشاء اللہ آپ بھی اسی نتیجے پر پہنچیں گے۔
ہمارے قلم سے ان کی شان میں جو جو گستاخیاں ہوئی ہیں ہم اس کے لئے معذرت
خواہ ہیں۔ کیونکہ یہ سب کچھ

الحب فی اللہ والبغض فی اللہ من الایمان یعنی اللہ کی خاطر محبت
کرنا اور اللہ کی خاطر بغض رکھنا ایمان میں داخل ہے۔ کے تحت ہمارے قلم سے بے
ساختہ نکل گیا ہے ورنہ ذاتی طور پر ہم تو انہیں بھی اپنے اکابر میں داخل سمجھتے ہیں
اور چھوٹوں کی ہر گستاخی پر پکڑ نہیں کی جاتی اگر مولوی صاحب موصوف اپنے پوسٹ
کارڈ میں الزامی رنگ اختیار نہ فرماتے تو ہم بھی جذبات میں قطعاً نہ بہتے۔ لیکن اس
صورت میں یہ کتاب کیسے وجود میں آتی لہذا ہم ان کے شکر گزار ہیں کہ ان کے ایک
کارڈ نے اس کتاب کو جنم دے دیا۔ فلاحہ المحمد

پہنڈ بازاری روایات

ہمارے علماء ایصالِ ثواب کے ثبوت میں سیوطی کی "شرح الصدور" اور متاخرین کی کتابوں سے کچھ ایسی روایات بھی پیش کرتے ہیں جن کا متقدمین کی کتابوں میں کوئی ذکر نہیں۔ یہ روایات قطعہ گوڑوں نے کئی مغل کے لئے وضع کی تھیں۔ متاخرین کی اکثر کتابیں اس قسم کی روایات سے بھری ہوئی ہیں۔ اور سیوطی کا تمام دار و مدار اسی قسم کی کتابوں پر ہے۔ وہ اسی قسم کی لغویات کو استدلال میں پیش کرتے ہیں۔ شاہ عبد العزیز دہلوی نے اپنی کتاب "عجائب نافعہ" اورستان المحدثین میں اس پر بحث کی ہے۔

جہاں سیوطی کو فرضی کہانیاں جمع کرنے کا شوق ہے وہاں وہ تضاد کا بھی شکار ہیں۔ اکثر وہ روایات جو اس قسم کی کتابوں میں بطور استدلال پیش کرتے ہیں۔ انہی روایات کو وہ اپنی "آلای المصنوعہ" میں موضوع قرار دیتے ہیں۔ انھیں صرف کثرتِ تخریر کا شوق تھا۔ ہم ان کی شرح ^{الصدور} میں پیش کردہ روایات میں سے چند بطور نمونہ انھی کی کتاب "آلای المصنوعہ" سے نقل کر کے سیوطی نے جو خود ان پر بحث کی ہے وہ پیش کئے دیتے ہیں۔

من زار قبر والدہ سیہ
 ادا حدھما فقرائیں
 جس نے اپنے والدین یا ان میں سے کسی
 کی قبر کی زیارت کی اور سورۃ یٰسین
 غفرہ۔ تلاوت کی تو اس کی مغفرت کر دی جاتی

اللائی المصنوعہ ج ۲ ص ۲۳۳
 ہے۔

سیوطی کہتے ہیں کہ ابن عدی کا قول ہے کہ یہ روایت باطل ہے۔ اس لئے کہ اس کے ایک
 راوی عمرو بن زیاد پر احادیث وضع کرنے کا الزام تھا۔

امام ابن جوزی ابن عدی کے حوالے سے یہ روایت نقل کر کے فرماتے ہیں۔

قال ابو احمد بن عدی هذا
 بهذا الاسناد باطل ليس
 به اصل وكان عمرو قتيه
 با وضع ويحدث بالباطل
 طيل ويسرق الحديث
 وقال الدارقطني كافيض
 الحديث۔
 ابو احمد بن عدی کہتے اس سند سے یہ
 روایت باطل ہے۔ اس کی کوئی اصل
 نہیں اور عمرو پر وضع حدیث اور باطل
 روایات بیان کرنے کا الزام ہے۔ دارقطنی
 کہتے ہیں یہ احادیث وضع کیا کرتا تھا۔

موسوعات ابن جوزی ج ۲ ص ۲۳۹

پھر سیوطی نے طبرانی کے حوالے سے بطور شاہد ایک اور روایت نقل کی ہے۔
 جس کے الفاظ ہیں۔

من زار قبر الوالد واحد
 هاءى جمعة غفره وكتب
 جواپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی
 قبر کی جمعہ کے دن زیارت کرے تو اس کی
 مغفرت کر دی جاتی ہے۔ اور اس کا نام
 نیک لوگوں میں لکھا جاتا ہے۔

محقق ج ۲ ص ۲۴۰

پھر خود ہی لکھتے ہیں کہ اس کے دو راوی یحییٰ بن الولید اور محمد بن النعمان مچھول ہیں اور ایک راوی ابوامیہ عبدالکریم ضعیف ہے۔

سید علی نے ایک اور روایت ابن عمر کے ذریعہ ان الفاظ میں نقل کی ہے۔

من زار قبر ابولہ ادامہ وعتہ	جس نے اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی
وہالہ ادامہ من اقربانہ	ایک کی یا بھوپھی یا خالہ یا کسی قریبی رشتہ دار
کانت لہ کحجۃ مبرورۃ	کی زیارت کی تو اس کے لئے ایک مقبول حج
ومن کان زائر اطم زارت	کا اجر اور جو ان عزیز کی قبر کی زیارت کریگا
الملائکۃ قبرہ	تو فرشتے اس کی قبر کی زیارت کریں گے۔

پھر خود ہی لکھتے ہیں کہ ابن حبان کا قول ہے کہ اس روایت کی کوئی اصل نہیں اسکا ایک راوی ابو مقاتل حفص بن سلیم منکر روایات نقل کرتا ہے۔ اللآلی ج ۲ ص ۴۴۔ لیکن ان تینوں روایات سے بھی ایصال ثواب قطعاً ثابت نہیں ہوتا۔ کیوں کہ ان تینوں میں زیارت کرنے والے کی مغفرت کا ذکر ہے نہ کہ مرنے والے کی مغفرت کا۔

اسی قسم کی ایک اور روایت ایصال ثواب کے سلسلہ میں یاسی الفاظ پیش کی جاتی ہے۔

من موباً لمتاب فقدر	جو قبرستان سے گزرے اور اکیس
الاخلاص احدى وعشرون	بار سورۃ اخلاص پڑھ کر مردوں
موتہ شہد وھب احبہ	کو اس کا ثواب بخشے تو اسے تمام
للموات اعطی من	مردوں کے برابر اجر ملے گا۔
الاجر بعد الاموات	

علامہ محمد طاہر مٹھی حنفی فرماتے ہیں یہ روایت موضوع ہے اور امام احمد کے صاحبزادے، بعد اللہ کی جانب جو نسخہ منسوب ہے اس میں یہ روایت پائی جاتی ہے۔ تذکرۃ الموفیات ص ۲۱۹۔ لیکن اس روایت سے ایصال ثواب تو شاید ہی ثابت ہو سکے۔ لیکن وضع کرنے والے

نے قبروں کا چکر لگوانے کے لئے تمام مردوں کے برابر کے وعدے کا لالچ ضرور پیدا کر دیا ہے کیا اس تعداد میں تمام روئے زمین کے مردے داخل ہیں یا یہ روایت مخصوص ہے؟ کیا اس میں غیر مسلم بھی داخل ہیں؟ ان باتوں کا جواب کوئی قبر کا پجاری، کشف قبر کے ذریعہ معلوم کر سکتا ہے۔ ہمارے نزدیک تو صرف عالم الغیب اللہ کی ذات ہے۔ اور ہم تو سرے سے ان لعنات سے برتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس امت کو شریعت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ایک النملہ سے

قارئین کرام سے یہ بھی ہے کہ اگر وہ اس بات سے اتفاق فرمائیں کہ قرآن حکیم کے حوالوں کے ذریعہ جو تحقیق پیش خدمت کی گئی ہے وہ محقول اور ناقابل تردید ہے تو ازراہ کرم ہماری اس دینی کاش کو اپنے ہر شہوار عزیز واقارب، دوست احباب اور حلقہ ملاقات میں متعارف کروا کر اس دینی کار خیر میں شمولیت فرمائیں، تو یہ ادارہ کی بہت بڑی نعمت تصور ہوگی۔ جس کے لئے ادارہ شکر گزار ہوگا۔

قرآن خوانی اور ایصالِ ثواب

علمائے دیوبند کی نظر میں

حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی اپنی کتاب ”اصلاح الرسوم“ میں تحریر فرماتے ہیں اکثر عوام کی عادت ہے کہ بہت سے طعام میں سے تھوڑا سا کھانا کسی طباق یا خوان میں کھ کر اسکو دربردر کھ کر فاختہ وغیرہ پڑھتے ہیں۔ علاوہ مفاسد مذکورہ کے۔ یہ امر قابلِ استفسار ہے کہ جتنا کھانا تم نے پکایا ہے۔ آیا اس کا ثواب بخشنا منظور ہے یا صرف طباق ہی کا۔ تو کوئی نہ کہے گا کہ صرف اس طباق کا ثواب بخشنا منظور ہے۔ اور عمل اور بڑائی سے بھی یہ عمل نہیں ہوتا پس ضرور کہا جاوے گا کہ تمام کھانے کا ثواب بخشنا منظور ہے۔

تو اب ہم یہ پوچھتے ہیں کہ آیا کھانے کا ثواب پہنچانے کے لئے کھانے کا رو برو ہونا ضروری ہے یا نہیں۔ اگر ضروری ہے تو صرف ایک طباق رکھنے سے کیا ہوتا ہے۔ اور اس سے تمہارے قاعدے کے موافق صرف اس طباق کا ثواب پہنچنا چاہیے۔ باقی تمام کھانا ضائع ہو گیا۔ اور اگر یوں کہو کہ اس چیز کا رو برو ہونا ضروری نہیں صرف نیت کافی ہے۔ اور اس بنا پر تمام کا ثواب پہنچ سکتا ہے تو پھر اس طباق کے رکھنے کی کیا ضرورت ہوئی۔ اس کی بھی نیت کافی تھی۔ کیا تو برتو بہ حق تعالیٰ کو سمونہ دکھانا ہے کہ دیکھئے اس قسم کا کھانا دیکھ میں ہے۔ اس کا ثواب بخش دیکھئے۔

۱۔ غرض کہ اس حرکت کی کوئی مسقول وجہ نہیں نکلتی محض رواج کی پابندی ہے۔ اور پس پھر پابندی بھی کیسی کہ اکثر عوام سمجھتے ہیں کہ بدوں اس ہیئتِ فاصدہ کے ثواب ہی نہ پہنچے گا۔

۲۔ ایک امر قابلِ دریافت یہ ہے کہ جس چیز کا ثواب بخشا منظور ہو اگر اس کا روپر رکھنا ضروری ہے تو کیا وجہ کہ طعام و شیرینی کو رکھا جاتا ہے اور اگر روپیہ، کپڑا یا غرض غیر ایصالِ ثواب کے لئے دیا جادے تو اس میں اس طریق سے فائدہ کیوں نہیں پڑھی جاتی اور اگر روپر رکھنا ضروری نہیں تو اُس طعام و شیرینی ہی میں یہ تکلف کیوں کیا جاتا ہے۔ اور اگر طعام وغیرہ میں کچھ فرق ہے تو دلیلِ شرعی سے اس کو بیان کرنا چاہیئے۔ اور قیامت تک بھی یہ ممکن نہیں ہے۔

۳۔ ایک عادت رواج یہ ہے کہ کھانا کھلانے اور دینے کے قبل بطریق متعارف ثواب بخشتے ہیں سو اس میں دو امر قابلِ تحقیق ہیں۔ ایک یہ کہ ثواب پہنچانے کی حقیقت کیسا ہے۔ سوظاہر ہے کہ حقیقت اس کی یہ ہے کہ ایک شخص نے کوئی نیک کام کیا اور اس پر اس کو کچھ ثواب ملنے کی توقع ہوئی۔ جو کچھ اس کو ثواب ملا اُس نے اپنی طرف سے دوسرے کو دے دیا۔ دوسرا امر قابلِ تحقیق یہ ہے کہ ثواب کس چیز کا ملا ہے آیا نفسِ طعام کا یا اس کے کھلانے یا دینے کا تو ظاہر ہے کہ خود کھانے کی ذات تو کوئی ثواب کی چیز نہیں جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ”کہ ہرگز ہمیں پہنچا اللہ تعالیٰ کے پاس قربانی کا گوشت اور اس کا خون لیکن تمہارا تقویٰ و ہاں پہنچتا ہے“ اس سے صاف معلوم ہوا کہ عینِ طعام نہیں پہنچتا۔ بلکہ عمل کا ہوتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ خردِ طعام کی ذات کا ثواب نہیں ہوا۔ بلکہ کھلانے پلانے اور دینے کا ہوا۔ کیوں کہ وہ عمل ہے جب یہ امر دونوں تحقیق ہو چکے تو اب ہم یہ پوچھتے ہیں کہ جس وقت کھانا ایک کو تیار ہوا ہے اور ابھی نہ کسی کو دیا گیا ہے۔ اور نہ کھلایا گیا۔ آیا اس کا ثواب ملا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ملا ہے تو یہ مردے کو کیا چیز پہنچتا ہے۔ ابھی خرد تو کچھ لے لے پھر دوسرے کو دے۔ اور اگر اس کو ثواب ملا تو کس چیز کا ملا ہے۔ کوئی عمل تو ابھی پایا ہی نہیں گیا۔ پھر کاہے کا ثواب بخشا ہے۔

غرض یہ حرکت بھی بے معنی ہے۔ بلکہ بعض عوام کے طرزِ عمل سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود ذاتِ طعام کو موجبِ ثواب سمجھتے ہیں۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ بعض نذرونیاز میں آپ ہی کھاپی لیتے ہیں یا اغناؤ احباب کو کھلاتے ہیں۔ جن کے دینے سے کوئی شخص بھی موجبِ ثواب ہرگز نہیں جان سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ دینے کھلانے کو موجبِ ثواب نہیں جانتے درنا ایسے لوگوں کو دیا کرتے جن کے دینے کو ثواب جانتے۔ بلکہ خود ذاتِ طعام یا شیرینی میں ثواب سمجھتے ہیں۔ تو یہ خود ایک عقیدہٴ فاسد ہے۔ اور قرآن کے خلاف ہے۔ جس سے تو یہ کرنا واجب ہے اور اگر کوئی کہے کہ ہم طعام کو موجبِ ثواب نہیں سمجھتے۔ مگر جب ہم نے نیتِ طعام کی کرنی تو نیتِ بھی عمل ہے۔ اس لئے ایصالِ ثواب بے معنی نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے مانا کہ نیتِ عمل ہے۔ مگر نیت کا ثواب بخشا جاتے ہو، یا کھلانے اور دینے کا کیوں کہ نیت کا ثواب اور ہے، طعام کا ثواب اور ہے۔ پھر یہ کہ نیت تو قبل کھانا پکانے کے بھی ہو گئی تھی۔ اس وقت کیوں نہیں بخش دیا کرتے۔ غرض اس عادت کی بھی کوئی وجہ معقول نہیں ہے۔ معنی رواج کی پابندی ہے۔ اور کچھ بھی نہیں۔ اصلاحِ الرسوم از مسند امام ۱۴۷

حکیم الامت ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں۔

اکثر تیسرے روز مردہ کے مکان پر یا اس کے محلہ کی مسجد میں برادری کے لوگ اور مساکین وغیرہ جمع ہو کر قرآن مجید اور کلمہ طیب ختم کر کے مردے کو بخشتے ہیں، اور کہیں کھانا۔ اور کہیں نقد اور کہیں نخود بریاں پڑھنے والوں کو تقسیم ہوتے ہیں۔ اور طلبہ برخواست ہونے کے قبل جس جس کا دل چاہے کچھ متفرق رکوع کچھ متعین سورتیں یا اذکار بلند پڑھ کر جس کو یہ بخیرات کہتے ہیں دعا کر کے ختم کر دیتے ہیں۔ یہ عمل بظاہر تو بہت خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس کی اور کئی حالت دیکھنے کے قابل ہے۔ تجربہ اور مشاہدہ سے یہ امر درجہ یقین کو پہنچ گیا ہے کہ درست آشنا اور برادری کے لوگ تو محض رفعِ شکایت کی غرض سے آتے ہیں۔ ایصالِ ثواب ہرگز مقصود نہیں جی کہ کوئی عزیز اپنے گھر بیٹھ کر پورا قرآن ختم کر کے بخش دے تو اہل میت ہرگز راضی نہ

ہوں گے۔ اور شکایت ان کی رفع نہ ہوگی۔ اور یہاں حاضر ہو کر یونہی تھوڑی دیر بیٹھ کر اور کوئی بہانہ جملہ کر کے چلا جاوے تو شکایت سے بچ جاوے گا۔ اور بار بار بیان ہو چکا ہے کہ جو عمل ایسے فاسد اعراض سے ہوتا ہے۔ اس کا کچھ ثواب نہیں ملتا۔ جب اس کو ثواب نہ ملا تو مردے کو کیا دینگا۔

رہ گئے مساکین ان کو اگر یہ معلوم ہو جاوے کہ وہاں جا کر صرف پڑھنا پڑے گا، ملے ملاوے گا کچھ نہیں ہوگا ایک بھی نہ آئے۔ سوان کا انا بعض اس توقع سے ہوتا ہے کہ کچھ ملے گا جب ان کو عوض دینی مقصود ہو گیا تو ان کا پڑھنا بھی غالباً نہ رہا۔ اس لئے اس کا ثواب بھی نہ ملے گا۔ پھر مردے کو کیا بخشے گا۔ غرض یہ ساری مشقت اور سامان سب رائیگاں ہے۔ بلکہ قرآن خوانی کو جو لوگوں نے ذریعہ جاہ و مال کا بنایا۔ اس کا گناہ سر پر الگ رہا۔ (بالفاظ دیگر یہ ایصال ثواب نہیں بلکہ ایصال مذاب ہے) اور جس طرح قرآن کا عوض لینا جائز نہیں اسی طرح دینا بھی جائز نہیں۔ اس بنا پر یہ خود طعام تقسیم کرنے والا بھی اس الزام سے بری نہ رہا۔ اور التزام تعین کی کراہت ان سب کے علاوہ ہے۔ اور ان کو قول پر پھول وغیرہ بھی تقسیم ہوتے ہیں۔ یہ صاف تشبہ بالکفار ہے۔ اسی طرح پنج آیت میں ہر شخص اپنی قراوت کا اظہار کرتا ہے۔ اور ریاکار کا معصیت ہونا ظاہر ہے۔ پھر وہی الزام و تعین کا قصداً اس میں بھی ہے۔ اصلاح الرسوم ۱۵۸، ۱۵۹

ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

دستور ہے کہ قبر پر یا گھر پر حفاظ کو بٹھا کر کہیں دس روز، کہیں چالیس روز یا کم و بیش قرآن مجید ختم کراتے ہیں۔ پھر ان کو کچھ اسباب کچھ نقد وغیرہ دے دیتے ہیں۔ گو بعض لوگ اس کو کوشش کر کے درست بنانا چاہتے ہیں مگر بات کھلی ہوئی ہے کہ جب مقصود جان بنیں کا اثر کا دینا لینا ہے۔ اور طاعت بہ جرت لینا جائز نہیں۔ اس لئے یہ فعل ہرگز درست نہیں نہ ایسے قرآن پڑھنے کا ثواب ملے جب پڑھنے والے کو نہ ملا تو مردے کو کیا پہنچے گا۔ اصلاح الرسوم ۱۵۳

حکیم الامت نے جن غامیوں کی جانب اشارات کئے ہیں۔ وہ حقیقاً سب جگہ یکساں پائے جاتے ہیں۔ لیکن اگر یہ غامیاں بھی نہ پائی جائیں تب بھی اس کے بدعت ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں اس لئے کہ یہ عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام، تابعین اور اسلاف میں قطعاً نہ پایا جاتا تھا۔ اگر اس ایصال کے بغیر ان کی نجات ہوگئی تو دوسروں کی بھی ممکن ہے۔ اور جو عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خیر القرون سے ثابت نہ ہو وہ کارِ خیر نہیں ہوتا۔ بلکہ کارِ شر ہوتا ہے۔ کیوں کہ یہ سراسر نبی کریم پر اتہام ہے کہ آپ نے کل دین کی تبلیغ نہیں فرمائی بلکہ کسان دین سے کام لیا۔ اگر ایسا نہیں تو پھر یہ لازم آئے گا کہ حضور پر دین کی تکمیل نہیں ہوئی۔ لہذا ہم اس کی تکمیل کر رہے ہیں۔ ہر دو صورت میں رسالت پر الزام واقع ہوتا ہے۔ جب کہ قرآن اس کی تردید کر رہا ہے۔

ہم جب احادیث اور تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں حضور کی متعدد صاحبزادیوں اور متعدد داعی و اقارب کا انتقال ہوا کس کس کی قرآن خوانی ہوئی؟ بلکہ اگر قائدین کرام تاریخ اسلام کا مطالعہ کریں گے تو پوری تاریخ اسلام میں اس قرآن خوانی کا کوئی وجود نظر نہ آئے گا۔ کتب تفاسیر، کتب احادیث، کتب فقہ اور کتب تاریخ اسلام سب اس خور ساختہ ایصال سے پاک ہیں۔ آخر کیا یہ ایصال صرف پاک دہند کے لئے نازل ہوا تھا؟ حتیٰ کہ ہمارے علمائے دہند بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ خیر القرون میں اس کا کوئی وجود نہ تھا۔ پھر آخر اس کا شان نزول کیا ہے! ذرا کچھ تو بتا دیجئے۔

علامہ محمد علی کاندھلوی مہتمم اعلیٰ دارالعلوم شہابیہ سیالکوٹ اپنی تفسیر "معالم القرآن" میں سورہ بقرہ کی آیت "لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ" کی تشریح میں رقم طراز ہیں

ایرجان کے لئے وہی ہے۔ جیسی کچھ اس نے کمائی کی ہے اور جس کے لئے اسے جواب دہ ہونا ہے۔ وہ بھی اسی کی کمائی ہے۔ یعنی انسان کو ثواب بھی اسی کام پر ہوتا ہے جو ارادے سے کرے۔ معالم القرآن ج ۳ ص ۴۳۵۔

علامہ مودودی مرحوم آیت مذکورہ کی تفسیر میں رقم طراز ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کے قانون مجازات کا دوسرا قاعدہ کلیہ ہے۔ ہر آدمی انعام اسی خدمت پر پائے گا جو اس نے خود انجام دی ہو۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک شخص کی خدمات پر دوسرا انعام پائے۔ اور اسی طرح ہر شخص اسی قصور میں پکڑا جائے گا۔ جس کا وہ خود مرتکب ہوا ہو۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک کے قصور میں دوسرا پکڑا جائے۔ ہاں یہ ضرور ممکن ہے کہ ایک آدمی نے کسی نیک کام کی بناء رکھی ہو اور دنیا میں ہزاروں سال تک اس کام کے اثرات چلتے رہیں۔ اور یہ سب اس کے کارنامے میں لکھے جائیں۔

اور ایک دوسرے شخص نے کسی برائی کی بناء رکھی ہو، اور صدیوں تک دنیا میں اس کا اثر جاری رہے۔ اور وہ اس ظالم اول کے حساب میں درج ہوتا ہے۔ لیکن یہ اچھا یا بُرا جرم بھی پھل ہوگا اسی کی سمی اور اسی کے کسب کا نتیجہ ہوگا۔ بہر حال یہ ممکن نہیں ہے کہ جس مصلاتی یا جس برائی میں آدمی کی نیت اور سعی و عمل کا کوئی حصہ نہ ہو۔ سکی جزا یا سزا اسے مل جائے۔ مکافاتِ عمل کوئی قابلِ انتقام چیز نہیں۔ تفہیم القرآن جلد ۱ ص ۲۲۳

علامہ محمد علی کاندھلوی نے بھی تفہیم القرآن کی یہ عبارت بعینہ اپنی معالم القرآن میں نقل کی ہے۔ جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ مودودی صاحب مرحوم نے جو کلیہ بیان کیا ہے علامہ محمد علی صاحب کو اس سے اتفاق ہے کہ یہ ایک ناممکن سہی بات ہے کہ کسی کے عمل کا اجر کسی اور کے نام منتقل کر دیا جائے۔

مولوی اشرف علی تھانوی مرحوم اپنے ترجمہ قرآن کے فوائد میں آیت مذکورہ کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

یہاں پر جزا و ثواب و عقاب کا دار و مدار کسب و اکتساب پر رکھا۔ مراد اس سے ثواب و عقاب ابتداء ہے۔ نہ بواسطہ تسبب کے (ترجمہ القرآن مولانا تھانوی)

یعنی بانی ہونے کی حیثیت سے تو اجر مل سکتا ہے ورنہ ممکن نہیں۔

لیکن انسوس۔ مدائنوس۔ کہ اللہ تعالیٰ کے اس عطا کردہ قانون کو تسلیم کرنے کے باوجود اور بظاہر اقرار کرنے کے بعد بھی یہ تمام حضرات عمل کی صورت میں روایات اور بزرگوں کے بہانے اس قاعدہ کلیہ کے پرچھے اڑاتے نظر آتے ہیں۔ یعنی دعویٰ کچھ اور عمل کچھ اور۔ گویا ان حضرات

کو اللہ تعالیٰ کا یہ بیان کر دہ کلیہ تسلیم ہی نہیں۔

علامہ امین احسن اصلاحی صاحب۔ جو فراہی مکتبہ فکر کے تہما مرد میدان سمجھے جاتے ہیں آیت ذلک بما قدّمت ایدیکم وَاَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَمٍ لِّلْعَبِيدِ کی تفسیر میں رقم طراز ہیں۔

یعنی ان کے سامنے یہ انہی کے حقوق کی کثرت رکھی جائیں گی۔ جو ایسے بھری فصل انہوں نے دنیا میں بولی، پہنچی اور پروان چڑھائی اسی کا حاصل ان کے سامنے آئے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کوئی ظلم و نا انصافی نہیں کرے گا۔ وہ اپنے بندوں کے ساتھ رتی بھر ظلم کا بھی روادار نہیں۔ اس کا قانون اور عدل بے لاگ ہے۔ ہر شخص جو کرے گا۔ وہی بھرے گا۔ تدر القرآن ج

آیت لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ کی تفسیر میں علامہ امین احسن اصلاحی صاحب فرماتے ہیں۔

اس کو ملے گا جو اس نے کمایا اور وہ بھگتے گا جو اس نے کیا۔

یہ بات چوں کہ اسی بات کا ایک پہلو ہے جو اوپر گندی ہے اس وجہ سے اسی کے ساتھ اس کو جوڑ دیا ہے۔ اس سے الگ نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آدمی کو نفع یا ضرر جو کچھ بھی پہنچے گا۔ اس کے اپنے عمل ہی سے پہنچے گا۔ کسی اور شے سے نہیں۔ جو بونے گا وہی کائے گا۔ اور جو کچھ کرے گا وہی بھرے گا۔ نہ دوسرے کے نیک اعمال کا کریڈٹ اس کو ملنے والا ہے۔ اور نہ دوسرے کی بدیاں اس کے کھاتے میں پڑنے والی ہیں اور نہ کوئی دوسرا اس کا بوجھ اٹھانے والا بنے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نفس پر ذمہ داری اس کی طاقت اور اس کے اختیار کے پیمانے سے ناپ کر ڈالی ہے۔ اسی وجہ سے ہر شخص کی کامیابی اور ناکامی اس ذمہ داری کے ساتھ بندھی ہوئی ہے۔ سَلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ دَهِيْنًا

تدر القرآن۔ ج ۱۰

مزید اضافہ

اس کتاب کی کتابت میں ہمارے مہربان کاتب صاحب نے تین سال لگا دیئے لیکن شاید تاخیر منجانب اللہ تعالیٰ واقع ہوئی ہو کیوں کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس مختصر مگر مفید اضافے کے استفادہ سے ہم سب محروم رہ جاتے۔ ہم اپنے صوبائی وزیر جناب زہیر اکرم ندیم کے والد بزرگوار عالم دین جناب حکیم اسرار احمد کربوی صاحب کے بے حد ممنون ہیں کہ انہوں نے رام پور ہندوستان کے عالم دین جناب مولوی محمد صاحب کی کتاب ”الایات المحکمات“ جس میں مسائل فقہیہ اور ایصالِ ثواب پر قرآنِ مبین کے حوالوں سے روشنی ڈالتے ہوئے مثلاً ایصالِ ثواب کو باطل قرار دیا گیا ہے، غنایت فرما کر اضافے کا موقع فراہم کیا۔ چنانچہ کتاب ہذا کے ذریعے ایصالِ ثواب سے متعلق علامہ موصوف کی کتاب کے چیدہ چیدہ مختصر حصے پیش خدمت کئے جا رہے ہیں۔ تعلید سے متعلق، ادارہ علامہ کا مکمل مضمون ایک علیحدہ کتابچہ کی شکل میں ہدیہ تافریں کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اگر توفیق الہی میسر آئی تو وہ انشاء اللہ تعالیٰ جلد ہی پیش خدمت کر دیا جائے گا۔ جو کہ عوام، بالخصوص نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ اور اس طبقے کے لئے نہایت مفید ثابت ہو گا جو کہ اپنی دینی اصلاح کا تو متمنی ہے، لیکن اس کشمکش میں مبتلا ہے کہ بھیات بھیات کی بولیاں بولنے والوں میں سے تعلید کس کی کھائے۔ کیوں کہ وہ اپنی دینی کم علمی کے باعث کسی نہ کسی کی تعلید پر خود کو مجبور پاتا ہے۔

یہ اضافہ اس لئے بھی ضروری خیال کیا گیا کہ اس سے ہماری تحقیق کی پر زور تائید حاصل ہوتی تھی۔ اور یہ بھی ضروری تھا کہ مصنف کی تحقیقی کاوش سے کسی حد تک اہل پاکستان کو بھی متاثر کرا دیا جائے نیز عام مسلمانوں کے اس اعتراض کا جواب بھی ہو! اے کہ عقیدہ ایصالِ ثواب کے خلاف آواز بلند کرنے والے صرف عبد الرحمن کاندھلوی ہی کیوں ہیں، دوسرے لے یہ کتاب ”تعلید“ کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ — ”ادارہ“

علامہ بالغوص مفتی حضرت کیوں خاموشی اختیار کئے ہوئے ہیں ؟ -

مولوی محمد صاحب اپنی کتاب صرف (۲۰۰) کی تعداد میں چھپوا سکے، جو کسی شمار میں نہیں آتی۔ (حسن پبلنگ ٹرسٹ بھی اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ اپنی اس کتاب کو (۲۰۰) سے زیادہ طبع کروا سکے۔ تاہم یہ تعداد دو سو کے مقابلے میں کافی زیادہ ہے۔ پاکستان میں نظام اسلام کے نفاذ اور اصلاح معاشرہ کی عام خواہش کے پیش نظر یہ توقع ضروری جاسکتی ہے کہ شاید دینی خدمات کا جذبہ رکھنے والے متمول و مخیر حضرات صدقہ جاریہ کے اس کارِ خیر میں حصہ لیتے ہوئے ہماری اس سہی کو وسیع و ملک گیر بنانے پر عام کرنے میں ساتھ دیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کی خیر شہودی حاصل فرمائیں گے۔

علامہ مولوی محمد صاحب کی کتاب کے چید چید

مختصر حصہ

ہندوستان کے اکثر مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ شریعت محمدی کے مطابق ایک مسلمان اپنے مرے ہوئے بھائی کو اپنی نیکیوں کا ثواب بخش سکتا ہے۔ تیبو، چالسیوی اور برسی کی رسم اسی بنا پر ہے۔ یقین کیا جاتا ہے کہ ان رسوم سے مرنے والا عذابِ قبر اور عذابِ حشر سے محفوظ رہتا ہے۔ یا کم از کم اس کے عذاب میں کمی ہو جاتی ہے۔ اسی بنا پر مرحوم والدین اور دوسرے اعدا کی طرف سے قربانی کی جاتی ہے اور لوگوں کو حج بدل کے لئے ارضِ مقدس بھیجا جاتا ہے۔ ایک سعادت مند بیٹا قرآن پڑھ پڑھ کر اس کا ثواب اپنے مرے ہوئے والدین کو بخشا دیتا ہے اور بعض لوگ تو اپنے بجائے صرف والدین کی طرف سے قربانی کرتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ وہ اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے۔ حالانکہ قربانی ان پر واجب تھی۔ نہ کہ مرحوم والدین پر۔ اس موقع پر غور و فکر کرنے والے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے "جب تخلیقِ انسانی کا مقصد عمل کی آزمائش ہے اور قیامت کے روز عمل کا تہا برحق ہے اور اسی

کو پیدا کر کے خدایہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون اچھے عمل کرتا ہے۔ اور کون بُرائی کی راہ اختیار کرتا ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ ایک انسان اپنے اچھے عمل کا ثواب دوسرے کو دے سکتا ہے تو نیکی اور بدی کی آزمائش ناممکن ہو جائے گی۔ برے سے برے آدمی دوسرے کے اچھے اعمال سے فائدہ اٹھا کر جنت کا پروانہ حاصل کر سکتا ہے۔ ایک شخص جس کی نیکی کا پتہ ہلکا ہے دوسروں کی نیکی کا ثواب حاصل کر کے اپنے پتے کو بھاری کر سکتا ہے۔ اور اللہ کی میزانِ عمل کو ایک بے ایمان تاجر کی ترازو کی طرح نیزانِ قریب بنا سکتا ہے۔ اور ہر فاسق و فاجر، سرافدار اپنی دولت کے بل بوتے پر دوسروں کی نیکی خرید کر جنت کا حقدار بن سکتا ہے۔ اور دوزخ اور جنت کا سارا نظام درہم برہم کر سکتا ہے۔ اللہ میاں کہتے ہیں تو کہا کریں۔ "وَالْوِزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ (الرحمن) اس دن نامِ اعمال کا تھنا برحق ہے، بندے تو اپنا ثواب دے کر وزن کے اصول کو خاک میں ملا دیں گے پھر یہ نہ کہا جاسکے گا "جو وزن کے برابر نیکی کو دے گا اسے دیکھ لے گا اور جو وزن برابر بُرائی کو دے گا اسے بھی دیکھ لے گا".....

آیت :- وَنُفِخُ فِي الصُّورِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ..... دکنی بنا حاصیلین (الرحمن)
ترجمہ :- اور ہم قیامت کے روز انصاف کی ترازو قائم کریں گے اور سب کے اعمال تو لیں گے تو کسی شخص کی ذرا بھی حق تلفی نہ کی جائے گی اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کسی کا عمل ہوگا تو ہم اس کو لا موجد کر دیں گے۔ اور ہم حساب کرنے کو کافی ہیں۔

تفسیر :- قیامت کے روز اعمال کی جانچ کا یہ عالم ہوگا کہ چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی ترازو کے پتے سے باہر نہ ہوگا اور حساب خود خداوندِ عالم فرمائے گا کیا ایسے نگران کی موجودگی میں توہم میں کمی بیشی ہو سکتی ہے؟ کیا ایسے عادلِ شہنشاہ کے دربار میں ایک کا عمل دوسرے کے پتے میں تو لا جابا ہے؟ ایسی سمجھگڑی میں قول میں کمی بیشی کتنا کس کے بس کی بات ہے۔

لہٰذا ایصالِ ثواب (یعنی ایک کے عمل کا ثواب دوسرے کو دے دیدینا) خوشنصیب سے زیادہ کچھ نہیں۔ ایک نہیں دس قرآن پڑھ کر مروے کو بخش دیجئے۔ مٹی میں ایک نہیں دس قرآنی والدین کے نام سے کیجئے مولینا صاحب قلم کو ایک نہیں دس مرتبہ حج بدل کے لئے حرمین شریفین

مدانہ فرما دیجئے آپ کے حصے کا وہی ثواب ہے جس کے لئے خود آپ نے عمل کیا ہو۔ یاد رکھیے ”ہر شخص اپنے عمل سے بندھا ہوا ہے“.....

آیت :- ”وَلِكُلِّ دَرَجَتٍ مِّنْ عَمَلِهِمْ مَّا يَعْمَلُونَ“ (النار)
ترجمہ :- ”اور ہر شخص کا درجہ اس کے عمل کے مطابق ہوگا۔ تیرا رب لوگوں کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔“

تشریح :- اگر آپ میں ایک شخص کا ثواب اولاً بدلا جاسکتا ہے تو کسی شخص کا درجہ اس کے عمل کے مطابق ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر ایک دوزخی کو دوسرے کے ثواب سے جنت ملی گئی تو اس کا درجہ عمل کے مطابق کیا رہا؟ درجہ کامل کے مطابق ہونا اسی وقت ممکن ہے جب عمل کے بدلے کے تعین میں کسی طرح کی پیمائشی نہ ہو۔.....

آیت :- ”اَنۡ اَحْسَنُ مَّاۤ اَحْسَنْتُمْ لَۤاِنۡفُسَکُمْ وَاِنۡ اَسَاۡءَۡتُمْ فَلَهَاۤءُ“
(بنی اسرائیل)

ترجمہ :- ”اگر تم بھلائی کرو گے تو اپنے ہی لئے کرو گے اور اگر برائی کرو گے تو اس کا وبال بھی تمہاری ہی گون پر ہے گا۔“

تشریح :- خدا کہتا ہے ”اگر تم نیکی کرو گے تو اپنے لئے ہی کرو گے“ مولوی کہتا ہے ”نہیں! ہم دوسروں کے لئے بھی نیکی کر سکتے ہیں اور اپنی نیکی کا ثواب دے سکتے ہیں۔ اب کس کی بات مانی جائے؟ خدا کی کہ مولوی کی؟.....“

(اے لوگو!) اچھی طرح سمجھ لو کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔۔۔ ایک شخص کے نامہ اعمال میں دوسرے کا عمل کیسے درج ہو سکتا ہے۔ ثواب یا عذاب نامہ اعمال کے مطابق ہی تو ہوگا۔....

آیت :- ”وَ اِذَا سَمِعُوا۟ اللّٰغُوۡا مِمَّنۡ رَضُوۡا عَنْہُ ؕ لَا تَبۡتَغِ الْجُلۡلِیۡنَ“
(القلم)

قرجہ :- اور جب ایمان لانے والے بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال۔ دہاری طرف سے تم کو سلام! ہم جاہلوں کے پیچھے نہیں پڑتے ہیں۔

تشریح :- مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہونا چاہیے ”ہمارے لئے ہمارے اعمال، تمہارے لئے تمہارے اعمال“ نیز کہ قانونِ الہی تو کریمِ مہربان سے کہا جائے ”گھبرانا تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں۔ ہماری قرآن خوانی ہمارا حج۔ ہماری قربانی ہمارا زندگی بھر کا ثواب سب کچھ تمہارے لئے ہے۔ ہم تمہاری نیکی کا پلہ تمہاری کر دیں گے۔ دیکھیں اب تمہیں کون دوزخ میں بھیجتا ہے؟“

اپنا ثواب مردے کو دینا خدا کی نافرمانی ہے۔ قانونِ شکنی ہے۔ جان بوجھ کر خدا کا قانون توڑنا بڑا جرم ہے۔ اور یہ بے وقوفی بھی ہے۔ ہم کتنا ہی ثواب مردے کو دیں خدا کے قانون کے مطابق ہمارا ثواب اس تک نہ پہنچے گا۔.....

خدا کے قانون کے مطابق انسان کے باہم رشتے اور تعلقات اسی دنیا کی زندگی تک محدود ہیں موت ان تمام رشتوں اور تعلقات کو منقطع کر دیتی ہے۔ اس وقت کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا۔ اور تو اور مرے وقت خود انسان اپنی مدد نہیں کر سکتا۔ اگر وہ مرے وقت تو بکرے تو وہ قبول نہ ہوگا۔۔۔۔۔ خدا کا قانون پھر سن لیجئے۔۔۔ اس رشتہ کو جو باپ اپنے بیٹے کی طرف سے بدلا دے سکے گا۔ اور کوئی میا ہی اپنے باپ کی طرف سے کچھ بدلہ دینے والا ہوگا۔ لہذا اے مسلمانو! دوسروں کے ثواب پر بھروسہ کر کے دھوکے میں نہ آؤ شیطان تو دھوکہ دیتا ہی رہے گا۔

آیت :- *هل یجزون الا ما کانوا یصلون* (سبا ۳۳)

قرجہ :- ”کیا لوگوں کو اس کے سوا اور کوئی بدلہ دیا جاسکتا ہے کہ جیسے ان کے اعمال چھ دیسی ہی بڑا پائیں۔“

تشریح :- جب انسان اپنے اعمال کے علاوہ کوئی اور بدلہ نہیں پاسکتا تو دوسروں کے عمل کا ثواب اسے کیسے مل جائے گا۔

آیت :- فالیوم لا یملک لیعضلم بعض الی کنتم بیہاکذہون

(السباۃ)

ترجمہ :- تو آج قیامت کے دن تم میں سے کوئی نہ کسی کو نافذ نہیں کیا جاسکتا ہے نہ نعمت اور ظالموں سے ہم کہیں گے۔ اب چکھو اس عذابِ جہنم کا مزہ جسے تم بھٹایا کرتے تھے۔

تشریح :- جب یہ طے ہے کہ قیامت کے دن کوئی شخص کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا تو ثواب بخشنے سے کیا فائدہ؟ یہ کسی بے عقلی ہے کہ خدا تو کہے کہ قیامت کے دن کوئی شخص کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور ہم کہیں کہ نہیں! ہمارا بخشا ہوا ثواب مردے کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

آیت :- تبارک الذی بیدہ الملک یشلوکم ایکم احسن عملاً
(الملک) ...

”بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں (کائنات کی) بادشاہت ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی خلاقِ عالم ہے جس نے موت اور زندگی پیدا کی تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے؟“

انسان کامل ہی تو ہے جو اس کے لئے جنت یا دوزخ تیار کرتا ہے۔ اسی لئے عاقبت اندیش انسان برائی سے بچ کر نیکی اختیار کرتا ہے۔ لیکن اگر آزمائشِ عمل کا قانون توڑ دیا جائے تو کسی کو کیا پڑی ہے کہ وہ صرف نیکی کے خیال سے دنیا کے بے شمار فائدوں اور دلچسپیوں سے صرف نظر کر لے یہی وجہ ہے کہ دوسروں کے ثواب پر بھروسہ کر کے مسلمان حسنِ عمل سے لاپرواہ ہو گئے اور ان کے افعالِ ثواب اور رسول کی شفاعت پر نجات کا دار و مدار اٹھلے۔ ...

علمائے اکرام کی رائے پر تبصرہ

تمام علماء و فقہاء نے ان آیاتِ قرآنیہ کا مفہوم وہی سمجھا جو ان کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ پھر

بھی بعضوں نے موضوع احادیث اور غیر متبرر دایات پر بھروسہ کر کے ثواب بخشنے کے مختلف طریقے ایجاد کر لئے۔ گویا یہ بھی جانتے ہیں کہ ”ایک شخص اپنا ثواب کسی دوسرے کو نہیں دے سکتا۔ اور اس کے برعکس یہ بھی دعویٰ ہے کہ ہر شخص اپنا ثواب دوسرے کو دے سکتا ہے۔ یہ تو بالکل ایسی بات ہوئی جیسے کوئی کہے ”کوئی شخص شراب نہیں پی سکتا۔ لیکن ہر شخص شراب پی سکتا ہے۔“ کوئی شخص جھوٹی گواہی نہیں دے سکتا۔ لیکن ہر شخص جھوٹی گواہی دے سکتا ہے۔ کوئی شخص رشوت نہیں لے سکتا۔ لیکن ہر شخص رشوت لے سکتا ہے۔

مذکورہ بالا آیت کی وضاحت کرتے ہوئے امام شافعی فرماتے ہیں ”اس آیت کی رو سے کسی کا ثواب دوسرے کو نہیں دیا جاسکتا، پھر فرماتے ہیں، ”چونکہ رسول اللہ نے حج بدل اور دوسرے کی طرف سے حج اور دوسرے کی طرف سے قربانی کی اجازت دی ہے۔ اس لئے دوسرے کی طرف سے حج اور قربانی کی جاسکتی ہے۔ لیکن دوسرے کی طرف سے نماز روزہ، قرآن خوانی، وغیرہ نہیں کی جاسکتی۔ بالفاظ دیگر مالی عبادت کا ثواب مردے کو بخشا جاسکتا ہے لیکن بدنی عبادت یعنی قرآن خوانی نماز۔ روزہ وغیرہ کا ثواب مردے کو نہیں بخشا جاسکتا۔

امام شافعیؒ کی رائے صحیحہ نہیں ہے

اس لئے کہ اگر ان حدیثوں کو صحیح مان لیا جائے جن پر امام شافعیؒ نے اس مسئلے کی بنیاد رکھی ہے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ رسول اللہ ﷺ نفوذ باللہ کے حکم کی خلاف ورزی کی اور اللہ کے بنائے ہوئے قانون کو توڑا۔ لیکن آنحضرتؐ کے بارے میں اس قسم کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔۔۔ کیا ان آیات کی موجودگی میں کہا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ نے قانون الہی کے خلاف اپنی طرف سے ایسا ثواب کی اجازت دے دی تھی؟ کیا آپ کو خدا کے حکم کی مخالفت کرتے ہوئے بڑے دن کے عذاب کا خوف نہ تھا۔

بہر حال امام شافعیؒ تسلیم کرتے ہیں کہ خدا کی آیات کے مطابق کوئی شخص اپنا ثواب دوسرے کو نہیں دے سکتا۔ اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ ”حج، قربانی اور صدقات کا ثواب دوسرے کو دیا جاسکتا ہو“

یہ کھلا تضاد ہے۔

منکر اسلام حضرت مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور بھی تسلیم کرتے

ہیں کہ

”اس ارشاد (یعنی آیت زیر بحث) سے بھی تین اصول نکلے ہیں۔

۱۔ یہ کہ ہر شخص جو کچھ بھی پائے گا اپنے عمل کا پھل پائے گا۔

۲۔ دوسرے یہ کہ ایک شخص کے عمل کا پھل دوسرا نہیں پاسکتا الا یہ کہ اس عمل میں اس

کا کوئی حصہ ہو۔

۳۔ تیسرے یہ کہ کوئی شخص سنی عمل کے بغیر کچھ نہیں پاسکتا۔“ (تفہیم القرآن ص ۲۱۵)

مولانا مرحوم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ”ایک شخص کے عمل کا پھل (ثواب دوسرا نہیں پاسکتا،

پھر بھی فرماتے ہیں

”یہ کثیر روایات و احادیث جو ایک دوسرے کی تائید کر رہی ہیں اس امر کی تصریح کرتی

ہیں کہ ایصالِ ثواب (کسی زندہ آدمی کا مردے کو اپنے عمل کا ثواب بخشنا) نہ صرف ممکن ہے بلکہ ہر

طرح کی عبارت اور نیکیوں کے ثواب کا ایصال ہو سکتا ہے اور اس میں کسی خاص نوعیت کے اقسام

کی تخصیص نہیں....“ (تفہیم القرآن جلد ۲ ص ۲۱۶)

مولانا مرحوم کی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ خدا کے حکم کے مطابق کسی کا ثواب دوسرے

کو نہیں پہنچ سکتا لیکن چونکہ روایات کی رو سے عبادات اور نیکیوں کے ثواب کا ایصال ہوتا ہے

اس لئے ہم کو احکام قرآنی سے صرف نظر کر کے حدیث کا حکم ماننا چاہیئے۔ بالفاظ دیگر جب حدیث و

قرآن کا مایہ ہو جائے اور روایات کی کثرت ہو تو حدیث کی بات مانی جائے گی۔ اور قرآن کے احکام

کو پس پشت ڈال دیا جائے گا۔

اگر یہی طرز استدلال ہے اور اسی کا نام ”فراستِ مومن“ ہے، تو ایمان والوں کا خدا ہی نہیں

یہ ہے علم و حکمت کے دور میں اس قسم کے تغافل پر کون ایمان لائے گا۔

یاد رہے کہ جن روایات پر اس مسئلے کی بنیاد رکھی گئی ہے ان میں صرف حج بدل اور قربانی کا ذکر ہے۔ قرآن خوانی کے ثواب کا تو کسی حدیث میں بھی ذکر نہیں ہے امام شافعیؒ کہیں بقول ابن خلدونؒ: ہر ایک ہزار حدیثیں یاد بخیش (فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے اپنی عمر مبارک میں کبھی ایک آیت کا ثواب کسی کو نہیں بخشا پھر ہمارے علماء نے غار و زور قرآن خوانی وغیرہ کے ثواب کو آپس میں بٹانے کی رسم کہاں سے نکال لی؟۔

آیت:۔ و انفقوا مما رزقناکم واللہ خیر بما تعملون
(المنفقون ۱۰-۱۱)

ترجمہ ۱:۔ (اے ایمان والو!) اس (مال) میں سے جو ہم نے تم کو دیا ہے اس وقت سے پہلے (اللہ کی راہ میں) خرچ کر لو کہ تم میں سے کسی کی موت آجائے تو وہ (اس وقت کہنے لگے) اے میرے پروردگار! تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور کیوں ددی تاکہ میں خیرات کر لیا اور نیک لوگوں میں داخل ہو جاتا۔ (لیکن اللہ کسی کو مہلت نہیں دیتا کیوں کہ اس کا قانون تو یہ ہے کہ جب کسی کی موت آجاتی ہے تو خدا اس کو ہرگز مہلت نہیں دیتا۔ لہذا اسی زندگی میں خیرات کرو تاکہ نیک لوگوں میں داخل ہو جاؤ۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے باخبر ہے۔

تشریح:۔ مذکورہ بالا آیت سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو گئی کہ مالی عبادت کا ثواب بھی اسی وقت ملے گا جب انسان اپنی زندگی میں خود اپنے ہاتھ سے خیرات کرے مرنے والے کو صاف الفاظ میں بتا دیا گیا کہ اس کے مرنے کے بعد دوسرا شخص اپنا یا خود اسی کا مال اس کی طرف سے خیرات نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مرنے والا اگر مردہ کو خدا سے کہتا ہے: "اگر تو مجھے تھوڑی سی مہلت دیتا تو میں خیرات کر کے نیک لوگوں میں داخل ہو جاتا۔"

اگر مرنے کے بعد دوسرا شخص اس کی طرف سے خیرات کر سکتا ہے تو مرنے والے کو نزاع کے

وقت اتنی گھبراہٹ کیوں چھوڑا؟ اپنی اولاد اور اعزاء و احباب سے کہہ سکتا ہے کہ ”میری طرف سے میرے مرنے کے بعد خیرات کر دینا، لیکن بجائے اس کے کہ وہ خدا سے بہت مانگتا ہے تاکہ وہ اپنی زندگی میں اپنے ماتھے سے خیرات کر سکے لیکن اس کو بہت نہیں دی جاتی بلکہ اس سے کہا جاتا ہے ”تم نے اپنی زندگی میں جو کچھ کیا ہے خدا اس سے باخبر ہے، یعنی تمہیں انہیں اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کر چکے ہو۔

خدا کے حکم کا خلاصہ یہ ہے۔

مرنے سے پہلے خیرات کر لو اس لئے کہ مرنے کے بعد دوسروں کی خیرات سے تمہیں کوئی

فائدہ نہ پہنچے گا۔

آیت :- وَلَا يَسْئَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا وَجَمِيعُ فَادَعِيَ الرَّسُولِ

۱۸۱۰) ”قیامت کے دن کوئی دوست کسی دوست کا پرہیز نہ کرے گا (ایک دوسرے کو اُٹھانے سے نہ دیکھ رہے ہوں گے) (اس روز) گنہگار خواہش کرے گا کہ کسی طرح اس دن کے عذاب کے بدلے میں سب کچھ دیدے اپنے بیٹے، اور اپنی بیوی اور اپنے بھائی اور اپنا خاندان جس میں وہ رہتا تھا۔ اور (پھر نہیں بلکہ) جتنے آدمی زمین پر ہیں ان سب کو دے دے اور اپنے باپ کو عذاب سے چھڑالے لیکن ایسا ہرگز نہ ہوگا۔

تفسیر :- قیامت کے عذاب کی ہولناکی کا یہ عالم ہوگا کہ دنیا جہان کے رشتہ ٹوٹ جائیں گے۔ یہی نہیں کہ باپ بھائی بیٹے اور دوسرے اعزاء کام نہ آئیں گے بلکہ باپ اپنے بیٹے کے ٹکڑوں کو اپنے بدلے جہنم میں ڈالنے پر تیار ہو جائے گا لیکن کیا اس طرح وہ عذاب سے چھٹکارا پالے گا؟ قرآن کہتا ہے ”ہرگز نہیں“ لیکن مولوی کہتا ہے ”ہم لوگ اپنا ثواب دے کر اسے دوزخ کے عذاب سے بچا لیں گے۔“ اللہ میاں کہا کریں باپ بیٹا۔ بھائی بیوی کوئی کام نہ آئے گا۔ مسلمانوں کی قرآن خوانی سلامت رہے بہتر سے فاسق و فاجر جہنم سے چھٹکارا پالیں گے اور جانے کتنے اوباش اور بدکار جنت کے حقدار بن جائیں گے۔

..... علاوہ انہیں اپنا ثواب دینے میں خدا کی توہین ہے اپنا ثواب دینے کا یہی مقصد تو ہو گا کہ اگر خدا انہیں بخشا تو ہم اپنا ثواب دے کر مردے کو دوزخ سے بچائے لیتے ہیں خدا انہیں بخشا نہ بخشے ہم اس کو اپنا ثواب بخشے دیتے ہیں۔ یہ بارگاہِ اندی میں پرلے درجے کی گستاخی ہے اس سے عذر گوارا اپنے لئے اور دوسروں کے لئے معافی مانگو۔ اپنا معمولی سا ثواب مت پیش کو اس کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ہے.....

آیت :- ان يوم الفصل ميقاتهم اجمعين انه هو العزيز الرحيم
(الدخان - ۴۰-۴۲)

ترجمہ :- ”ان سب کے اٹھائے جانے کا طے شدہ وقت فیصلہ کا دن ہے وہ دن جب کوئی قریب عزیز اپنے کسی قریب عزیز کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ کسی اور طرف سے انہیں مدد پہنچے گی۔ سوائے اس کے کہ اللہ ہی کسی پر دم کرے، بے شک وہ زبردست رحم فرماتے والا ہے۔“
تفسیر :- ارشادِ باری ہے ”قیامت کے دن قریب ترین عزیز بھی کام نہ آئے گا اور نہ کسی اور طرف سے مدد ملے گی، علانے اکر ام فرماتے ہیں عزیز تو پھر عزیز ہے عزیز بھی اپنی قرآن خوانی سے اپنی قرآنی سے، اپنے حج سے مرنے والے کو ثواب پہنچا سکتا ہے۔“

آیت :- قل الذين آمنوا ينفذوا... ثم انا ربكم ترجعون (الباقیہ ۱۰۱)
ترجمہ :- ”اے پیغمبر! ایمان لانے والوں سے کہہ دو کہ جو لوگ اللہ کی طرف سے برے دن آئے گا کوئی اندیشہ نہیں رکھتے ان کی حرکتوں پر صبر کر رہے کام لیں تاکہ اللہ خود ایک گروہ کو اس کی کمائی (یعنی عمل) کا بدلہ دے (کیونکہ اللہ کا قانون یہ ہے کہ) جو کوئی نیک عمل کرے گا اپنے ہی لئے کرے گا اور جو کوئی برائی کرے گا اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا۔ (کیونکہ تم سب کو اپنے رب ہی کی طرف جانا ہے)

تفسیر :- قیامت کے دن ہر شخص خدا کے روبرو حاضر ہوگا۔ اور ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق پورا پورا بدلہ ملے گا۔ نیک کو نیکی، بد کو بدی۔

آیت :- خلق السموات والارض بالحق والتجزي كل نفس ما كسبت

دھملا یظلمون۔ (الباقیہ ۲۲)

ترجمہ: اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق یعنی ایک با مقصد نظام کے تحت پیدا کیا ہے تاکہ ہر متنفذ کو اس کی کلفت (یعنی عمل) کا بدلہ دیا جائے (اس طرح کہ) کسی پر کسی طرح کا ظلم نہ ہو۔
تشریح: یہ آیت بے مداح ہے اس پر سے سرسری طور پر پند گزراؤ۔ آسمان زمین کی پیدائش ایک با مقصد نظام سے وابستہ ہے جہاں کوئی ذرہ جگہ ایک اہم بھی بیکار نہیں پیدا کیا گیا۔ انسان بھی اس کائنات کا جزو و جگہ ایک اہم حصہ ہے اور ان تمام قوانین کا پابند ہے جن پر کائنات الٰہی و سماوی کی ہر شے کے وجود و عدم کا انحصار ہے۔

انسان کا وجود و عدم، کامیابی اور ناکامی عروج و زوال سب کچھ اسی "قانونِ فطرت" سے وابستہ، آسمان و زمین کی ہر شے اسی قانون کے آگے جھکی ہوئی ہے۔ ہر حرکت ایک نتیجہ بنتی ہے۔ ہر عمل ایک فائدہ رکھتا ہے۔ چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی انسان کا کردار بنانے یا بگاڑنے میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ لہذا مومن یعمل مشقال ذریعہ خیر ویرہ و من یعمل مشقال ذریعہ شر۔ "جو شخص ذرہ کے برابر نیکی کرے گا وہ بھی اپنا سارا ثواب حاصل کرے گا۔ ایک ناپاک قطرہ حوض کے سارے پانی کو ناپاک کر سکتا ہے۔

مسلمان اسی خوابِ خمرگوش میں پڑا ہے کہ جتنی برائی چاہے کرے نہ کہ دارِ بچا کے گناہِ جنت اتنے سے جائے گی۔ ان لوگوں کا حساب کی قرآن خوانی بیٹے کی طرف حج میل اور قربانی تمام گناہوں اور بدکرداریوں کا اثر زائل کر دے گی۔

اعلیٰ مسلمان "قانونِ فطرت" کی بے لاگ اثر اندازی سے واقف ہوتا ہے
آیت:- و تری کل امیۃ جاسیہ... انا کنا نستنبیخ ما کنتم
تعملون (الباقیہ ۲۸-۲۹)

ترجمہ:- اس وقت تو ہر گروہ کو گھٹنوں کے بل گرہاؤ دیکھے گا۔ ہر گروہ کو پکارا

جائے گا کہ آئے اور اپنا اعمال نامہ دیکھے مگر ان سے یہ بھی کہا جائے گا (آج تم کو ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے رہے تھے۔ یہ ہمارا (مرتب کیا ہوا) اعمال نامہ ہے جو تمہارے اعمال کے متعلق ٹھیک بیان دے رہا ہے (کیوں کہ) جو کچھ تم کیا کرتے تھے اسے ہم لکھواتے جا رہے تھے“
تشریح :- قیامت کے دن ہر شخص کے سامنے اس کا اعمال نامہ پیش کیا جائے گا۔ اسی اعمال نامے کی شہادت کے مطابق ہر شخص کو اس کے عمل کا ٹھیک ٹھیک بدلہ دیا جائے گا۔ دوسرے کے بچنے ہوئے ثواب کا تصور بھی رہے گا۔

آیت :- وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ مِّمَّا عَمِلُوا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ

(الاحقاف: ۱۹)

ترجمہ :- ”قیامت کے روز ہر شخص کے درجے اس کے اعمال کے مطابق ہوں گے اور ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر کسی طرح کا ظلم نہیں ہوگا۔“
تشریح :- عمل کے مطابق اسی وقت بدلہ ہوگا جب اس کے ساتھ دوسرے کا ثواب شامل نہ ہو۔ جب دوسرے کا ثواب شامل ہو گیا تو عمل کے مطابق بدلہ کہاں رہے گا؟

جنت کا مسودہ

جنت مفت نہیں ملا کرتی۔ اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے پیچھے والا خدا ہے خریدار

مسلمان ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ... ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ

العتیم (التوبہ: ۱۱۱)

ترجمہ :- ”بلاشبہ اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں بھی خرید لیں اور ان کا مال بھی اور اس قیمت پر خرید لیں کہ ان کے لئے جنت (کی جاویدانی زندگی) ہو۔ وہ (کسی دنیاوی مقصد کی راہ میں نہیں بلکہ) اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ پس مارتے بھی ہیں اور مرتے بھی ہیں یہ وعدہ اللہ کے ذمے ہو چکا (یعنی اس نے ایسا ہی قانون بکھرا دیا) توریت، انجیل قرآن

اپنی تینوں کتابوں میں (یکساں طور پر) اس کا اعلان ہے اور اللہ سے بڑھ کر کون ہے جو اپنا عہد پورا کرنے والا ہو۔ پس (مسلمانو!) اپنے اس سودے پر جو تم نے اللہ سے چکایا خوشیاں مناؤ۔ اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

تشریح :- مولینا آزاد اس آیت کی وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں ”جو لوگ اللہ پر ایمان لائے تو ایمان کا معاملہ یوں سمجھو کہ انہوں نے اپنا سب کچھ اللہ کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ جان بھی اور مال و متاع بھی۔ اب ان کی چیز ان کی نہیں رہی اللہ اور اس کا سچائی کی ہوگی..... اور پھر اللہ کی طرف سے اس کے معاوضے میں کیا ہوا؟ یہ ہوا کہ نعت الہی کی کامرانی انہیں عطا فرمائی۔

یہ گویا خرید و فروخت کا ایک معاملہ تھا جو اللہ میں اور متاعِ حق میں طے پا گیا اب نتیجے والا اپنی متاع واپس لے سکتا ہے اور نہ خریدنے والا قیمت لوٹانے کا..... کیوں کہ مقصود اللہ کے لطف و کرم کا اظہار تھا۔ اس لئے معاملے کو اپنی طرف سے شروع کیا نہ کہ بیچنے والے کی طرف سے یعنی یہ نہیں کہا کہ مومنوں نے بیچ ڈالی بلکہ کہا ”اللہ نے مومنوں سے خرید لی“ گو یا معاملے کا طالع تھا حالانکہ ہر طرح کی طلب و احتیاج سے وہ منزوب ہے اور جو متاع اس قبول کی وہ بھی اسی کی تھی۔ اور جو کچھ معاوضے میں بخشا وہ بھی اس کے سوا اور کس کا ہو سکتا ہے۔ (ترجمان القرآن جلد ۲)

... اللہ بے نیاز ہے اسے ہماری جان یا مال کی مطلق ضرورت نہیں۔ حقیقت میں خریدار تو ہم ہیں۔ ہم نے جان و مال کے بدلے جنت خریدی یہ تو اس کا کرم ہے کہ اس نے اپنے کو خریدار کی حیثیت سے ظاہر کیا۔

صاحب کلام نے جان اور مال و متاع دیکر جنت خریدی تھی۔ مگر مسلمان دوسروں کے فرضی ثواب پر بھروسہ کر کے جنت کا طلب گار ہے۔

مسلمانو! ابھی طرح سمجھ لو جنت کی نعمتیں خیرات کے طور پر نہیں ملتی۔ قیامت کے بازار میں کھوٹے سٹکے کا پلڑا نہیں ہے۔ عمل صالح دیکار ہے جو یہاں بوو گے وہی وہاں کاٹو گے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مزید اضافہ نمبر (۲)

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ اس نے ہماری اس ناچیزی کو بخش
 کو نہ صرف عوام میں مقبولیت عطا فرمائی بلکہ ہماری تمام حقیقی کاوشوں کو بھی پذیرائی
 بخشی۔ ہم اس بات کے بھی شکور گزار ہیں کہ اہل علم و دانش حضرات بالخصوص علماء کرام کی
 جانب سے کوئی تردید بھی نہیں کی گئی، جس سے اس امر کی بخوبی نشاندہی ہو رہی ہے کہ ہماری
 یہ تحقیق یقیناً معقول و مدعا قابل تردید ہے جیسا کہ ہمارا دعویٰ تھا۔ البتہ کتاب شائع
 ہونے کے بعد تردید برائے تردید کے طوع پر چند تحریریں ضرور دیکھنے میں آئی ہیں جن میں
 یا تو بعض اکابرین کے اقوال کو پشت پناہی کے طوع پر استعمال کیا گیا ہے یا قرآن کریم
 کی بعض آیات سے غلط مطلب اخذ کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے
 کہ مسئلہ ایصال ثواب درست و مطابق دین ہے۔ لیکن ایسی تمام تحریریں دل میں دین
 کے اصل مآخذ کتاب اللہ سے ایک آیت تک پیش نہیں کی گئی۔ اور نہ کسی ایسی حدیث
 کا حوالہ دیا گیا ہے جس سے ثواب کی منتقلی کا اصول ثابت ہوتا ہو۔

اس سلسلہ میں جو تحریریں نظر سے گزری ہیں ان کی کیفیت کچھ یوں ہے۔

۱۔ ایصال ثواب کے قائل ایک کرم قراء نے ہماری یہ کتاب منسلک کرتے ہوئے
 کراچی کے ایک بڑے اہم دارالعلوم سے دالبتہ ایک معروف بزرگ و قابل احترام
 سید بڑے مفتی صاحب کی خدمت میں ایک معروضہ پیش کیا تھا کہ منسلک کتاب کے
 مطابق اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایصال ثواب کی کبھی کوئی تعلیم نہیں دی اور
 نہ ایسا کوئی فعل انجام دے کر کوئی مثال قائم کی، اور نہ صحابہ کرام اجمعین میں

کسی ایک نے بھی اپنے عمل کا ثواب کسی زندہ یا مردہ کے نام منتقل کیا جس سے یہ ثابت کیا جاسکتا کہ ایصالِ ثواب ایک کارآمد مطابق دین عمل ہے تو ایسی صورت میں ہمارے مروجہ ایصالِ ثواب کے عمل کی دینی اعتبار سے کیا حیثیت ہوگی؟ کافی دوڑ دھوپ سے تقریباً چار ماہ بعد مفتی صاحب کا طویل جواب بشکل فتویٰ حاصل کرنے میں کامیابی ہوئی، جس میں نہ تو کسی قرآنی آیت سے استدلال کیا گیا تھا اور نہ ہی کتاب کے مندرجات پر کوئی اعتراض وارد کیا گیا تھا۔ اس قسم کا اعتراض بھی موجود نہ تھا کہ ہم نے پیش کردہ قرآنی آیات کے جو معنی و مطالب بیان کئے ہیں وہ درست نہیں ہیں۔ بلکہ صرف اکابرین کے اقوال کا حوالہ دے کر یہ فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ ایصالِ ثواب کا عقیدہ درست و مطابق دین ہے، لیکن اس میں ایک لطف کی بات یہ ہے کہ مضمون کے آخری حصہ میں یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ ایصالِ ثواب کی موجودہ تمام رسمیں مثلاً ختم دلوانا، فاتحہ پڑھوانا، سوم، دسواں چالیسواں، قل اور قرآن خوانی پڑھو اگر عوض دینا یا اور غلط رسم و رواج بدعت ہیں۔ ان پر عمل کرنے سے بجائے ثواب کے گناہ ہوگا۔

متذکرہ بالا فتوے کے سلسلہ میں سائل نے مفتی صاحب سے مزید مراسلت کی ہے اور مطالبہ کیا ہے کہ اندر اوپر کم قرآن مجید کے حوالے سے مسئلہ کو حل فرمایا جاوے تو نوازش ہوگی وغیرہ۔ لیکن بارہا اتفاقاً کرنے کے باوجود تا دمِ تحریر یہ اسما سائل کو جواب حاصل کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی اور شاید کبھی نہ ہو سکے۔ اس لئے کہ قرآن مجید میں ثواب کی منتقلی کا کوئی اصول بیان نہیں کیا گیا بلکہ اس کی نفی کی گئی ہے۔ سائل اور مفتی صاحب کے درمیان جو مراسلت ہوئی ہے اس کو ہم ذیل میں نقل کر رہے ہیں جن میں سے صرف ناموں کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اس کے مطالعہ کرنے کے بعد آپ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ یہ فتویٰ کتاب میں پیش کی گئی

قرآنی آیات کے سراسر منافی ہے اور یہ قرآن کا کھلا انکار بھی

مراست

بسم الله الرحمن الرحيم

محترم عالی جناب مولانا مفتی پاکستان

دارالافتار کراچی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

والاجاب کی خدمت میں ایک خرید کردہ کتاب ”عقیدہ ایصالِ ثواب قرآن کی نظر میں“ ارسال کی جا رہی ہے۔ مطالعہ فرما کر اس کے مندرجہ کے متعلق اپنے مفیانہ فیصلے سے مطلع فرمائیں کہ جیسا کہ کتاب مذکور میں درج ہے ”کیا حقیقتاً ایصالِ ثواب کا عمل قرآن و سنت کے منافی ہے؟ اور دین سے ماسوا ہے؟ کتاب مذکور تو یہ کہتی ہے کہ نہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایصالِ ثواب کی کبھی تعلیم دی اور نہ ایسا کوئی فعل انجام دے کر کوئی مثال قائم کی اور نہ صحابہ کرامؓ اجمعین میں سے کسی ایک نے بھی اپنے عمل کا ثواب کسی زندہ یا مردہ کے نام منتقل کیا۔ جس سے یہ ثابت کیا جاسکتا کہ ایصالِ ثواب ایک کارآمد عمل ہے اور مطابق دین بھی ہے۔ ایسی صورت میں ہمارے مروجہ ایصالِ ثواب کے عمل کی دینی حیثیت کیا ہوگی۔ اس پر روشنی ڈالی جائے تو باعث تسکین ہوگا۔ تاکہ ایصالِ ثواب کے عقیدہ سے وابستگی برقرار رکھنے یا نہ رکھنے میں مدد ملی جاسکے اور کسی قسم کے خطرے سے دوچار بھی نہ ہونا پڑے۔

فقط - منتظر الجواب

سید محمد - - - -

۱۰۵۱ - پیر الہی بخش کالونی کراچی

الجواب . باسمہ تعالیٰ

تمام اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ ایک آدمی اگر خالص نیت سے کوئی نیک عمل بجالاتا ہے اور اس کا ثواب کسی میت کو پہنچاتا ہے تو یہ جائز ہے بلکہ بدیں اعتبار بہ مستحب بھی ہے کہ دوسرے آدمی پر یہ احسان کر رہا ہے ۔

اس مسلک کی تصریح تمام فقہاء کرام نے کی ہے ۔ چنانچہ حنفی فقہ کے مشہور امام علامہ مرغینانی اپنی مشہور کتاب ”ہدایہ“ میں اس طرح رقمطراز ہیں ۔
ان الانسان له ان يجعل ثواب عمله لغيره صلاحاً او صوماً او صدقۃً او غیرہا عند اهل السنة والجماعة ۔
ہدایہ مع فتح القدیر ص ۱۴ ج ۳

اس کے ذیل میں صاحب ”عنایہ“ یوں رقمطراز ہیں

واعلم ان من صلی او صام او تصدق فجعل ثواب ذلک لغيره جائز عند اهل السنة والجماعة ، ایضاً یعنی کسی انسان نے نماز پڑھ کر یا روزہ رکھ کر ، یا صدقہ دے کر اس کا ثواب کسی دوسرے کو پہنچا دیا تو یہ اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں جائز ہے ۔

فقہاء کرام کی ان عبارات سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ ہر طرح کا ایصال ثواب جائز ہے ۔ خواہ ”میت“ نے اس کی وصیت کی ہو یا نہ کی ہو مسئلہ کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے نزدیک صرف ان چیزوں کا ”ایصال ثواب“ ہوتا ہے جن کی ”میت“ نے وصیت کی ہو یا اس نے نذر و منت مافی ہو ، یا کسی طرح اس عمل سے اس کا کوئی تعلق رہا ہو ۔ اس کے علاوہ باقی کسی بھی عمل کا ثواب ”میت“ کو نہیں پہنچتا ہے

۱۔ انسان اپنے اعمال کا ثواب غیر کو بخش سکتا ہے نماز ہو یا روزہ صدقہ و غیرہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک
(دراب مع فتح القدیر ص ۱۴۲ ج ۱)

چنانچہ اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۱۴۳ پر وہ لکھتے ہیں :-
 ”حاصل کلام یہ کہ اس قسم کا ایصال جس کی بنیاد مرنے والے
 نے خود رکھی ہو یا اس کی وصیت کر کے مرا ہو، اسے برابر خود بخود
 ہوتا رہتا ہے“

مصنف کا یہ نظریہ ”اہل سنت والجماعت“ کے متفقہ نظریہ کے منافی ہے
 جیسا کہ مندرجہ بالا تصریحات سے واضح ہوتا ہے، اور علماء اہل سنت و فقہا
 امت کے مزید اقوال درج ذیل ہیں

۱۔ صاحب ”در المختار“ اپنی کتاب میں رقمطراز ہیں :-

الاصول ان كل من اتى بعبادة مما له جعل ثوابها
 لغيره وان ثوابها عند الفعل لنفسه لظاهر الدلالة
 (ج ۲ ص ۲۳۶)

فرماتے ہیں کہ کوئی آدمی کسی قسم کی بھی عبادت کرے تو اس کے لئے
 جائز ہے کہ وہ اس کا ثواب کسی دوسرے شخص کو دیدے، اگرچہ عبادت
 کرتے وقت اس نے اپنے لئے کرنے کی نیت ہی کیوں نہ کی ہو۔

۲۔ علامہ ابن القيم الجوزی رحمہ اللہ کتاب الروح“ میں اس طرح لکھتے ہیں :-

هل تنتفع ارواح الموتى بشئ من سعي الاحياء ام لا؟
 فالجواب انها تنتفع من سعي الاحياء با مريد مجمع عليها
 بين اهل السنة من الفقهاء واهل الحديث والتفسير
 احد هما ما تسبب اليه الميت في حياته والثاني دعاء
 المسلمين له واستغفارهم له والصدقة والحج
 (کتاب الروح ص ۱۸۸)

فرماتے ہیں :- زندوں کے عمل سے ”مُرُءے“ کہ دونوں طریقے سے نفع ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ میت نے اپنی زندگی میں اس کی بنیاد رکھی ہو، اور دوسرے یہ کہ مسلمان میت کے لئے دعا کریں اور اس کے لئے استغفار کریں اور صدقہ و حج وغیرہ اس میت کے لئے کریں۔ اور یہ تمام باتیں اہل سنت کے فقہاء، محدثین اور مفسرین کے ہاں متفق علیہ ہیں۔

علامہ ابن القیم الجوزی کی مندرجہ بالا عبارت ”مصنف“ کی باتوں کی پر زور تردید کر رہی ہے۔ اور پھر لطف کی بات یہ ہے کہ آگے جا کر علامہ ابن القیم جوزیؒ نے ”اہل بدعت“ کا جو مسلک نقل کیا ہے وہی مسلک مصنف کا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں
 ذهب بعض اهل البدع من اهل الكلام انه لا يصل
 الى الميت شيء البتة۔ (ص ۱۸۸)

یعنی بعض بدعتی اہل کلام یہ کہتے ہیں کہ میت کو کسی قسم کا ایصال ثواب نہیں پہنچتا ہے۔

علامہ ابن القیم جوزیؒ نے پھر ان کے تمام دلائل بیان کئے ہیں اور پھر اس کے جوابات لکھے ہیں، مزے کی بات یہ ہے کہ مصنف نے جو بھی دلائل اپنے دعویٰ کے اثبات میں دیئے ہیں وہ تمام ”کتاب الروح“ میں موجود ہیں، ان کے جوابات کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔

۳۔ عقلی طہد پر بھی مصنف کا نظریہ خود ان کے قول کے مطابق باطل ہو جاتا ہے کیونکہ مصنف اس بات کے تو قائل ہیں کہ اگر میت نے وصیت کی ہو تو پھر اگر دارنیں اس پر عمل کریں تو اس کا ثواب میت کو حاصل ہو جاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ وصیت کی صحت میں میت کو صرف نیت کا ثواب ہونا چاہیے، کیونکہ اس وصیت کے مطابق ”میت“ کا عمل نہیں ہوا۔

عمل تو وارثین نے کیا ہے ؟ اور جب وصیت کی صورت میں وارثین کے عمل کا ثواب مرنے والے کو حاصل ہو جاتا ہے ، تو عدم وصیت کی صورت میں بھی اس لئے ثواب پہنچنا ضروری ہے کہ دونوں میں وارثین کے عمل کی نیت مرنے والے کو ثواب پہنچانا ہے جو کہ دونوں میں مشترک ہے ، چنانچہ مصنف کی بات سے خود اس کی تردید ہو جاتی ہے اور ایصال ثواب کا نظریہ بالکل صحیح ثابت ہوتا ہے ۔

مصنف کے تمام دلائل کا مفصل جواب یہ کتاب الروح لابن القيمؒ میں موجود ہے اس کا ترجمہ اردو میں ہو چکا ہے ۔ تفصیل کے لئے وہاں مراجعت فرمائیں ۔

یاد رہے کہ ”ایصال ثواب“ اگر غاص نیت سے ہو اور صرف لوجہ اللہ ہو تو نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحب بھی ہے ، لیکن اس میں بدعات و خرافات مثلاً ختم خوانا ، فاتحہ پڑھوانا ، سوتم ، قل کرنا ، اور چالبسواں وغیرہ منانا ، قرآن پڑھوا کر عوض دینا ، یا اند غلط رسم و رواج کا اضافہ کرنے سے یہ فعل مکروہ تحریمی بن جائیگا اور اس حکم کے لئے پر ثواب کے بجائے الٹا گناہ ہو گا ۔

نقطہ ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۔

کتبہ

دستخط

دالافتاء جامعۃ العلوم ۔ کراچی ۵

۲۳ رجبی الاول ۱۴۲۷ھ

المجواب صحیح

دستخط

المفتی جامعۃ العلوم ۔

کراچی ۵



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

محترم المقام جناب علامہ حضرت مفتی صاحب مدظلہ
السلام علیکم : مودبانہ التماس ہے کہ کتاب ”عقیدہ ایصال ثواب قرآن
کی نظر میں“ سے متعلق والا جناب کے داسرالات کا الجواب مورخہ ۲۳ جمادی
الآخری ۱۴۰۶ھ حاصل کرنے کے بعد کتاب مذکورہ کے کامیوں کے روبرو پیش
کیا گیا تاکہ احقر اپنے عقیدہ ایصال ثواب کو جائز اور کارآمد ثابت کر سکے لیکن مذکورہ
حضرات نے مطالعہ کے بعد اس کو عادلانہ اور منصفانہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا
براین اعتراضات کے کہ :-

۱۔ کتاب مذکورہ میں جو باتیں لکھی گئی ہیں وہ محکم آیات قرآنی کے حوالوں سے
لکھی گئی ہیں، لیکن جواب میں نہ تو کسی قرآنی آیت سے بحث کی گئی ہے اور نہ ہی
پیش کردہ آیات قرآنی کے معنی و مطالب بیان کرنے پر کوئی اعتراض وارد کیا گیا
ہے اور نہ کسی واضح اور مستند حدیث کے حوالے سے اس عقیدہ کو صحیح ثابت کیا
گیا ہے، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ کتاب میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ
آپ کے نزدیک بھی ناقابل تردید ہے۔

۲۔ محکم آیات قرآنی کے رد میں صرف علماء و فقہاء اہل سنت کے اقوال پیش کئے
گئے ہیں جن کو کسی طوے پر بھی معتبر نہیں کہا جاسکتا اس لئے کہ قرآن کے مقابلے میں
کسی کا بھی قول قابل قبول قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بصورت دیگر قرآن کا انکار
نقص کیا جائے گا۔

۳۔ علامہ ابن القیم الجوزی نے کتاب الروح ص ۱۸۷ پر جو یہ تحریر فرمایا ہے کہ
”تردے“ کہ دو طریقوں سے نفع ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ میت نے اپنی زندگی میں
اس کی بنیاد رکھی ہو اور دوسرے یہ کہ مسلمان، میت کے لئے دعا کریں اور اس کے

لئے استغفار کریں۔ تو یہاں تک کہ موصوف کی بات درست اور سو فیصد درست ہے کیونکہ قرآن و احادیث و عمل صحابہؓ وغیرہ کے عین مطابق ہے لیکن علامہ موصوف نے دعویٰ کردہ طریقوں کے بیان کرنے کے بعد صدقہ و حج کے جو مزید طریقوں کا اضافہ کیا ہے وہ درست نہیں، اس لئے کہ قرآن و حدیث و عمل صحابہؓ وغیرہ سے اس کا کوئی ثبوت فراہم نہیں ہوتا، لہذا علامہ ابن القیم حوزی کے قول کا یہ زائد حصہ کوئی قیمت نہیں رکھتا۔

۴۔ علامہ ابن القیم الحوزیؒ کے کندھے پر رکھ کر جو بدوق چلائی گئی ہے اور موصوف کے اقوال کے حوالے سے کتاب ایصال ثواب کے مصنف کو بدعتی قرار دینے میں جو لطف محسوس فرمایا گیا ہے وہ محض خود فریبی ہے کیونکہ بدعتی خود ساختہ عقیدہ رکھنے والے یا ایسے عقیدے پر عمل کرنے والے کو کہا جاتا ہے، کسی عقیدہ کو نہ ماننے یا اس پر عمل نہ کرنے والے کو نہیں کہا جاتا۔ چنانچہ اس اعتبار سے علامہ موصوف کا یہ قول بالکل مہمل اور اس سے استفادہ کرنا اور لطف اندوز ہونا اس سے بھی زیادہ مہمل قرار پاتا ہے۔

۵۔ والا جناب کا یہ دعویٰ بھی درست نہیں ہے کہ ”اس مسئلہ کے صیح ہونے پر تمام اہل سنت والجماعت کا متفقہ فیصلہ ہے“۔ امام ابو حنیفہؒ کا برتر نہ یہ مسلک نہیں۔ یہ مسلک تو اہل حدیث اور حنابلہ کا ہے۔ نہ احناف کا یہ مسلک ہے اور نہ مالکیہ اور شوافع کا۔ عرب ممالک میں تو ایصال ثواب نامی کوئی شے پائی ہی نہیں جاتی اور نہ سابقہ زمانوں میں پائی جاتی تھیں۔ کیا یہ تمام باتیں اس بات کا ثبوت مہیا نہیں کرتیں کہ اس مسئلہ پر تمام اہل سنت والجماعت کا کبھی بھی اتفاق نہیں رہا۔

۶۔ اپنے الجواب کے آخر میں والا جناب نے خود تسلیم فرمایا ہے کہ کتاب میں

ایصال ثواب کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ اس طرح سے کہ والا جناب نے خود تحریر فرمایا ہے کہ ”لیکن اس میں بدعات و خرافات مثلاً ختم دلوانا، فاتح پڑھوانا۔ سوتم، قل کرنا اور چالیسواں وغیرہ، قرآن پڑھوا کر عوض دینا یا اور غلط رسم و رواج کا اضافہ کرنے سے یہ فعل مکروہ تحریمی بن جائے گا اور اس کے کہنے پر ثواب کے بجائے الٹا گناہ ہوگا“ کتاب ایصال ثواب میں بھی انہیں مذکورہ امور کی انجام دہی کو بدعت و خرافات کہا گیا ہے، تو ایسی صورت میں اب اختلاف کس بات کا باقی رہ گیا ہے؟ اس کی وضاحت فرمائی جاوے تو انساب ہوگا۔

لہذا والا جناب سے سو دبا نہ انتہا کیجاتی ہے کہ مندرجہ بالا اعتراضات کو پیش نظر رکھتے ہوئے قرآنی آیات کے ذریعہ عقیدہ زیر بحث کو صحیح و کارآمد ثابت فرمایا جاوے تو احسن ہوگا۔ تاکہ احقر مخالفین کے روبرو سرخرو ہو سکے اس کاوش پر اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو اجر عظیم عطا فرمادے گا۔

فقط

سائل۔ سید محمد.....

۱۰۵۱۔ پی آئی بی کالونی کراچی

کراچی کے ایک معروف پیر صاحب (قادری) نے جو متعدد کتابوں کے مصنف ہونے کے بھی دعویدار ہیں حال ہی میں ایک کتاب ”ایصال ثواب“ کے نام سے علمی جائزہ کے طور پر تحریر فرمائی ہے۔ یہ کتاب مفت تقسیم کی گئی ہے۔ اس کے ذریعہ مسلمانوں کو ایصال ثواب کے عقیدے پر قائم رہنے اور اس پر عمل پیرا

رہنے اور اس کو مشتہر کرنے کی ترغیب دی گئی ہے وغیرہ۔ اس میں قرآن حکیم کی صرف دو آیات کو ثبوت کے طور پر پیش کیا گیا ہے لیکن بد قسمتی سے وہ ایصال ثواب سے متعلق نہیں ہیں بلکہ وہ دعا وغیرہ سے متعلق ہیں اور دعا و ایصال ثواب میں زمین و آسمان کا فرق ہے، دعا کے ذریعہ کسی کے حق میں معافی کی درخواست کی جاتی ہے خود ثواب موصول کر کے کسی کے نام ارسال نہیں کیا جاتا۔ جبکہ ایصال ثواب میں خود ساختہ طریقوں سے کسی کے نام ثواب ارسال کر کے ثواب کی تعداد بڑھائی جاتی ہے اور اس کی بناء پر مرنے کو جنت کا حقدار بنانے کی سعی لا حاصل کی جاتی ہے محض اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی درخواست کو جس کی ہمیں تعلیم دی گئی ہے ناکافی تصور کیا جاتا ہے۔ ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ ایک علمی جائزہ پیش کرنے والا ایسی لاعلمی کا شکار کیونکر ہو گیا؟ کہ دعا و ایصال ثواب کے فرق کو بھی محسوس کرنے سے قاصر رہا۔ ہماری نظر میں کیا کسی کی نظر میں بھی یہ علمی جائزہ نہ کہلائے گا۔ بلکہ اس کو لاعلمی ہی کا نام دیا جائے گا۔ اگر اس کو علم کہا جائے تو پھر ہم لاعلمی کس کو کہیں گے؟

ہم مذکورہ کتاب کے مصنف محترم پیر صاحب سے گزارش کریں گے اور متوجہ دیں گے کہ اگر موصوف نے ہماری کتاب ”عقیدہ ایصال ثواب قرآن کی نظر میں“ مطالعہ نہیں فرمائی تو اس کا ٹھنڈے دل سے مطالعہ فرمائیں اور پیش کردہ قرآنی آیات کے مطالب پر غور فرمائیں تو ہمیں امید ہے کہ مسئلہ ان کی سمجھ میں آجائے گا۔ ہم یقین ہے کہ ہم نے جن قرآنی حوالوں کو پیش کیا ہے اور ان کے جو مطالب بیان کئے ہیں ان کی صحت سے وہ انکار نہ کر سکیں گے اور ان کے مقابلے میں قرآن کی ایک آیت بھی پیش نہ فرما سکیں گے جس سے ثواب کی مددوں کو منتقلی ثابت ہو سکے۔ ایسی صورت میں مناسب یہ ہوگا کہ ہمارے محترم پیر صاحب

اپنی غلط تحریر کے ذریعہ جس طرح مسلمانوں کی الٹا رہنمائی فرمائی ہے اور غلط عمل کی ترغیب دی ہے۔ اسی طرح تحریر مسلمانوں خصوصاً اپنے پیروکاروں کو اس بدعت کے ترک کرنے کا مشورہ عنایت فرمائیں تو یہ ان کے ادا ان کے ماننے والوں کے حق میں باعث منفعت ہوگا۔ امد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی میر ہوگی اور مال و دولت اور وقت کی بچت بھی ہوگی جو کسی دوسرے نیک مصرف میں لایا جاسکے گا۔

ہمیں مذکورہ بالا باتیں مجبوراً اس لئے لکھنی پڑی ہیں کہ ہم مسلمانوں کی اکثر مقتیان دین، مجتہدین، علماء و پیر حضرات کی بری طرح اسیر بن کر رہ گئی ہے۔ اور ان کے اقوال کو بلا چون و چرا حرف آخر ماننے لگی ہے جو کہ ان حضرات کو اللہ ماننے کے مترادف ہے۔ اور دینی اعتبار سے مماثل شرک ہے۔ لہذا سب کچھ گوش گزار کر کے ہم احساس دلانا چاہتے ہیں کہ مسلمان اس بات کو نوٹس میں لائیں کہ ان کے دینی و مذہبی رہنما ان کو کس طرح غلط راستوں پر ہانکتے ہوئے لے جا رہے ہیں، ان کا ہر قول پتھر کی لکیر نہیں ہوتا کہ ان کی اندھی تقلید ضروری خیال کی جائے، اس وقت جس صورت حال سے ہم آگاہ کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہر غلط امید کہ رستے میں تھکا مارے گا
خضر سمجھے ہو جسے غول بیابانی ہے

وما علینا الا البلاغ

ایک ضروری وضاحت

اس کتاب میں جہاں جہاں لفظ خدا آیا ہے وہاں اللہ پڑھا جائے لفظ خدا "اللہ" کی پوری نمائندگی نہیں کرتا کیونکہ یہ غیر اللہ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے خداوند نعمت بادشاہوں کے لئے، خدائے محن ادیب اور شعراء کے لئے، خدائے صفائی، سرگروں کی صفائی سے متعلق علم کے لئے وغیرہ وغیرہ۔ خدا کی جمع بھی آتی ہے جب کہ اللہ کی کوئی جمع نہیں۔ خدا فارسی زبان کا لفظ ہے جو ہر بڑے کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ بعض مذاہب میں دو مخلوق کا تصور ہے۔ نیکی کے خدا کو خدائے یزداں اور بدی کے خدا کو خدائے اہرمن کہا جاتا ہے۔ جب کہ اللہ ایک ذات کنے لئے مخصوص ہے۔ نہ اس کی جمع ہوتی ہے اور نہ یہ غیر اللہ کے لئے استعمال ہو سکتا ہے۔ لفظ اللہ سے اس کی وحدانیت کا صحیح تصور پیدا ہوتا ہے جو عظمت و بزرگی اور کبریائی لفظ اللہ سے ظاہر ہوتی ہے وہ خدا سے نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے لئے یہی لفظ استعمال کیا ہے۔ چنانچہ اللہ کے لئے لفظ خدا کا استعمال اس کی صریح تائید ہے، اس سے اللہ کا ایک ہونا ثابت نہیں ہوتا اور شرک لازم آتا ہے۔ اللہ ہمیں اس شرے محفوظ رکھے اور توفیق دے کہ ہم اللہ خدا کی بجائے اللہ کا استعمال اپنے اوپر لازم کر لیں۔ آمین

ضمیمہ

ایصالِ ثواب

محدث العصر علامہ تمنا عمادی مجیبی پھلواڑی شریف
مصنف، مجمع القرن - اعجاز القرآن - قصیدۃ الصداقۃ اعظمی - القصیدۃ الزہراء -
سبیل المؤمنین - فن اسماء الرجال - و مورخ طبری کی حقیقت، وغیرہ

ایصال کے معنی فرستنا، پہنچانا، ثواب کے معنی مزد و عمل - مزدوری - یعنی ایک مسلمان کوئی عمل نیک خود کرے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ میں نے جو یہ عمل نیک کیا ہے اس کا اجر اس کی مزدوری جو مجھ کو سستی و دلالتا مسلم کو ملے - میں نے اس کو بخش دیا -

دوسری صحت یہ ہے کہ کوئی مسلمان کوئی عمل نیک کرے - اس نیت سے اور اللہ تعالیٰ سے یہ کہہ کر کہ میں یہ کام فلاں مسلمان کی طرف سے کر رہا ہوں، اس لیے اس کا ثواب یعنی اس کا اجر اس کی مزدوری اسی کو ملے قرآن میں ان دونوں طریقوں میں سے کسی طریقے کی کوئی قیلم نہیں فرمائی گئی - عہد نبوی میں کوئی معمول یا طریقہ ایسا نہ تھا کہ جب کوئی مرے تو اُس کے لیے ایصالِ ثواب کیا جائے - اسی طرح عہد خلفائے راشدین میں بھی ایصالِ ثواب کا کوئی معمول نہ تھا -

راج محل وغیرہ کی روایتیں یا اثر وہ کی طرف سے قربانی اور صدقین عبادہ والا واقعہ، یہ ساری روایتیں بہت زیادہ مشتبہ ہیں اور ناقابل اعتناء، محدثانہ طریقہ سے اگر ان کی تنقید کی جائے تو قصوری سی کوشش میں ان کی حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جائے - چونکہ یہ فقہرنا مضمون اس کا متحمل نہیں، اس لیے سر درست ان سے غلط نظر کرتا ہوں -

کیا قرآن میں اس کے متعلق غموش ہے؟ ایک سوال یہ ضرور پیدا ہوتا ہے کہ قرآن میں اگر ایصالِ ثواب کے مذکورہ بالا دونوں طریقے مذکور نہیں ہیں - تو اس سے تو اسی قدر معلوم ہوا کہ قرآن میں ایصالِ ثواب کے متعلق غموش ہے تو پھر وہاں لہو تجدد خبیثہ کا سولہ کے مطابق ہم اس کو حدیثوں میں کیوں نہ ڈھونڈیں؟ بعض روایتیں جمع و تبدیل اور عام عقل و روایت کی کسوٹی پر کھنسنے سے کزود معلوم ہو سکتی ہیں، مگر ممکن ہے کہ وہ صحیح ہوں - ایک ہزار سال سے جس چیز پر امت کا تعامل چھ آدھ ہے وہ کیوں خواہ خواہ بے اصل مان لی جائے -

اس سوال کے متعلق مجھے سب سے پہلے تو یہی کہہ دینا تھا کہ جس چیز کے متعلق قرآن غموش ہے اور اس کا تعلق عقاید یا عبادات سے کہا جاتا ہے تو پھر وہ دین میں کانٹ لہو کیکن شیا مشکوکہ کا حکم رکھتی ہے اور بالکل بے اصل چیز ہے - حقایق عبادات سے متعلق دین اسلام میں کوئی ایسی چیز نہیں پیش کی جاسکتی جس سے قرآن غموش ہو اور وہ عرب و دیار سے ثابت ہو - مگر چونکہ اس جواب سے ممکن ہے کہ ایک نیا مروج بحث چمک جائے اور ایصالِ ثواب کا مسئلہ بالائے طاق رہ جائے اور یہاں تو یہ واقعہ بھی نہیں ہے کہ قرآن میں مسئلہ ایصال

ثواب کے متعلق بالکل غوش ہے۔ اس لیے صاف یہی کہیں نہ کہہ دیں کہ قرآن میں اس کے متعلق ہرگز غوش نہیں۔ دیکھیے سورہ الفہم میں صاف فرمایا گیا کہ دین ایسے لافسان الا ماسی اور سورہ حم السجده میں اشارہ ہے من عمل صالحا فلنفسہ اور سورہ الفطہ میں ہے کل امرئ ہماکسب لہ عین۔ ان تین آیتوں سے تین باتیں بعبارة انحصار نکل رہی ہیں۔

۱۔ انسان کا حق اپنی ہی سعی و عمل پر ہے، دوسرے کی سعی و عمل پر نہیں۔

۲۔ جو شخص بھی کوئی نیک عمل کرتا ہے۔ اس کا نفع اسی کو ملے گا حاصل ہو سکتا ہے کسی دوسرے کو نہیں۔

۳۔ ہر شخص اپنے کسب و عمل میں رہن ہے۔ اس معاملہ میں کو توڑنے یا ڈٹ جانے کا جو طریقہ خود اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے۔ اس کے سوا کسی اور طریقے سے کوئی شخص بھی باوجود اس معاملہ میں کو توڑ نہیں سکتا مثلاً عمل نیک کے بتا ہو جانے کے جو اصل قرآن میں مذکور ہیں، ان کے سوا کسی اور طریقے سے عمل نیک کا رہن نہیں ٹوٹ سکتا۔ اسی طرح عمل بد کے عقوڈ ہو جانے کے جو طریقے قرآن میں مذکور ہیں، ان کے سوا کسی اور طریقے سے عمل بد کا رہن نہیں ٹوٹ سکتا۔ غرض جس نے رہن کیا ہے۔ وہی اس رہن کو توڑ سکتا ہے بطور خود یا کسی خود ساختہ قاعدے سے کوئی بھی اس کے باندھے ہوئے عقوڈ میں کو توڑ نہیں سکتا۔

ایصال ثواب کے جزاء کا عقیدہ ان تینوں آیات قرآنیہ کے بالکل غلط ہے اور یہ تینوں آیات کریمہ صحت ایصال ثواب کے جائز ہونے کے مفیدہ کو باطل کر رہی ہیں۔ اس کو اس طرح مطابق کرنے دیکھا جائے تو اس مسئلہ پر کافی روشنی پڑ سکتی ہے۔

ایصال ثواب کا قائل

قرآن مجید

- ۱۔ انسان کا حق اپنی ہی سعی و عمل پر ہے۔
- ۲۔ جو شخص بھی کوئی نیک عمل کرتا ہے اس کا نفع اسی کو ملے گا حاصل ہو سکتا ہے دوسرے کو نہیں۔
- ۳۔ ہر شخص اپنی کمائی میں گرا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بیان کو قرآنی اصول کے مطابق اس رہن کو توڑ سکتا ہے۔ کوئی شخص بطور خود کسی ایسے طریقے سے جس کو اللہ تعالیٰ نے نہیں بتایا، اس میں کوئی توڑ سکتا
- ۱۔ انسان کا حق دوسرے کی سعی و عمل پر بھی ہے۔
- ۲۔ یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص نیک عمل نیک کہے اور اس کا جو ثواب کسی دوسرے کو بخش دے۔
- ۳۔ اللہ تعالیٰ کے باندھے ہوئے عقوڈ میں کو ایسے طریقے سے جس کو قرآن مجید میں نہیں بتایا گیا ہے ہم بطور خود اللہ تعالیٰ سے دعا کہ کو توڑ دے سکتے ہیں یا توڑ دے سکتے ہیں۔

اس لیے یہ کہنا کہ قرآن مجید ایصال ثواب کے متعلق غوش ہے بالکل غلط ہے۔ اگر ایصال ثواب کا طریقہ جائز اور صحیح ہوتا تو یقیناً قرآن مجید میں اس کا ذکر ہوتا اور جس طرح عام متونی مسلمانوں کے لیے دعا مانع رحمت و مغفرت

کیفیت سے زیادہ ان کی صحت و کیفیت کا اعتبار ملے رہتا ہے۔

عبادات کی فرض تزکیہ نفس ہے ورنہ کچھ وقت یا کچھ پیسے قرب کر دینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ کہا جاتا ہے کہ کتنے لوگوں کی نمازیں اور روزے قیامت میں اُن کے منہ پر پھینک دیے جائیں گے۔ یعنی قابل قبول نہ ٹھہریں گے۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ اُن کا اثر تزکیہ مابعد کے نفس پر دنیا میں مترتب نہیں ہوا۔ نمازیں تو پڑھتا ہوں اور ساری عمر چست ہوں۔ مگر قَوْلُكَ لَمْ تَسْتَقِمْ کی طرح روزے تو بہت رکھے مگر لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ کا معنی صدق نہ ہوتا۔ حج تو بہت کیے گرج کی بستی میں جب پڑا تو اُس کے ایمان کا وہ سونے کا سازنگ اڑ گیا اور وہ سونا لوہا بن کر رہ گیا۔ لوگوں کو عمر بھر دیتا ہوں مگر ان کو مَن دُاعِی کے ذریعے ہمیشہ ضائع کرتا ہوں۔ اس لیے وہ حقیقت پاکی نفس کے بغیر کسی عبادت کا اتنی اثر نہیں ہے۔ قرآن میں صاف فرما دیا گیا ہے کہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى اس لیے آخرت کی کامیابی نفس کی پاکیزگی ہی پر موقوف ہے، عبادت کے باہر ہی ڈھانچوں پر نہیں۔ اسی لیے ایک شخص جو سو برس کی عمر میں مرا اور اسی سال تک عبادتیں کرتا رہا، وہ سراج پچیس سال کی عمر میں مر گیا اور اس نے پانچ ہی برس تک عبادتیں کیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی پانچ سال کی عبادت اس کی اسی سال عبادت سے کہیں زیادہ اجراں جو اس مرگ کو دلا دے۔ اس لیے کہ تزکیہ نفس کثرت عبادت پر موقوف نہیں ہے بلکہ صحت عبادت پر موقوف ہے اور صحت عبادت نفس کے پاک ہونے کے بغیر اللہ کے حضور صبر نہیں نماز کی خاصیت بتا دی گئی کہ تَخْلِي عَنْ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ (بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے) روزے فرض کیے گئے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (تا کہ تم متقی بنو) تو اگر دنیا میں ہماری نمازیں ہمیں نفس و منکر سے مایل نہ ہو سکیں۔ ہمارے روزے ہم میں تقویٰ نہ پیدا کر سکے تو یہ ہماری نمازیں اور ہمارے روزے فرق۔ لئے ناپ اولیٰ ہیں۔ دنیا میں یہ عبادتیں بہت بڑا عابد و زاہد جو کچھ بھی مشہور و کوثری، مگر مرنے کے بعد کچھ بھی کام نہ آسکیں گی اور میزان قیامت میں ان کا معلقاً کچھ وزن نہ ہوگا۔

اسی طرح تلاوت قرآن میں ہے کہ میں تمہاری آیتوں کے ساتھ تلاوت کا حکم ہے۔ ورنہ عَلٰی مَثَلِ ثَوْبٍ اُنْفَعًا (دلوں پر تلے ہیں) کا معنی بنا پڑے گا۔ ہمیں ترغیبی و ترہیبی آیات سے نفس کی پاکیزگی کا اثر حاصل کرنا ہوگا۔ اور مرد و زناہی کے مواقع میں زبان ایمان و ایقان سمعنا و اطعنا (سن کر اطاعت کی) کہتے رہنا ہوگا۔ وغیرہ عبرت کی آیتوں کے وقت نصیحت و عبرت کے سبق لینا ہوں گے اور دَاخِلِیَّتِ عَلَیْہِم اٰیۃٌ زَاہِیۃٌ اِیۡمَانًا اور تَقْشَعْرۡہُ مِنْہُ جَلۡوۃٌ الذِّیۡنَ یُحْشَوْنَ مَا بِہِمۡ قَمَنَ لَیۡلَیۡنَ جَلۡوۃٌ ہِمۡ وَقُلۡوۃٌ ہِمۡ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ کا مورد بن کر

لے اُٹے نماز نہیں پڑھی ہے تا کہ تم متقی بنو ہے اس میں جانا اور تحلیف دینا ہے جب میں پر آیات الہی کا دم کی صحت میں تو اس کا ایمان بڑھتا ہے جو لوگ خدا سے ڈرتے ہیں ان کے دلوں کو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کی جلد میں نرم ہر کڑیل لاشہ کے ذکر کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔

یا بننے کے عزم کے ساتھ تلاوت کرنا ہوگی، اسی طرح اور عبادتوں کو بھی سمجھ لیجئے۔

تو ہماری نماز پہلی بخش، منکر سے روک سکتی ہے، ہمارے دھڑ سے ہم ہی میں تقویٰ پیدا کر سکتے ہیں اور ہماری تلاوت، قرآن مجید ہمارے ہی دل کو اللہ کی یاد کی طرف لگا کر ہمارے ہی ایمان میں زیادتی پیدا کر سکتی ہے غرض ہماری ہر عبادت خود ہمیں میں اثر تزکیہ نفس ڈال سکتی ہیں۔ اگر ہم چاہیں کہ بخش و منکر سے جو رکاوٹ ہم میں پیدا ہوتی ہے، یا تقویٰ جو ہم میں آگیا ہے، خفیت آگئی، و زیادت ایمان جو ہم کو حاصل ہوتی ہے اور تزکیہ کا جو اثر ہمارے نفس پر پڑا ہے، ان چیزوں کو کسی دوسرے زندہ یا مردہ کی طرف کسی طرح منتقل کر دیا تو کدّیں خیال است و محال است و جوں

دعائے محال | بعض بھولے بھالے حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ہم نے مانا کہ عبادت تزکیہ نفس کی تاثیر کے بغیر مفید نہیں اور بے شک تزکیہ نفس کی تاثیر ایسی چیز ہے کہ بظاہر ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف منتقل نہیں ہو سکتی۔ مگر ہمارا ایمان ہے کہ ان اللہ علیٰ کل شیء قدير اس لیے اگر ہم اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق کما دعویٰ استجب انکم دعا کریں کہ بار الہی فلاں عبادت جو میں نے کی اور اس سے جو تزکیہ نفس کا اثر مجھ پر مرتب ہوا ہے وہ فلاں شخص کی طرف تو محض اپنی قدرت کاملہ سے منتقل کر دے۔ یا یہ عبادت: میں۔ فلاں کی طرف سے کر رہا ہوں۔ اس لیے اس کا اثر تزکیہ نفس فلاں فلاں شخص پر مرتب ہو تو بخیر دعا کیوں قبول نہ ہوگی؟ کیا اللہ تعالیٰ اس پر قادر نہیں ہے؟

تو قیاساً سید سے سادے حضرات سے یہ عرض کرنا چوں کہ جہوں کو کھانا نہ کھلایا کیجئے بلکہ خود پیٹ جبر اللہ سے دعا فرمائیے کہ یا اللہ! یہ شکم میری جو مجھ کو حاصل ہوتی ہے، فلاں بھوکے تک اپنی قدرت کاملہ سے منتقل فرما دے۔ اور جاڑوں میں کبھی غرباء و مسکین میں کبیل تقسیم نہ فرمائیے بلکہ خود عمدہ کپڑے کپل اللہ دعا فرمائیے کہ بار الہی! یہ جو گرمی مجھ کو محسوس ہو رہی ہے جتنے لوگ جائے سے کپکپا رہے ہیں، آں تک منتقل فرما دے۔ کیا وہ کہ ان اللہ علیٰ کل شیء قدير اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ادعویٰ استجب انکم اور وعدہ ہے کہ اُجیب دعویٰ الذاع اذاع ان آپ یہ دعا کر سکتے ہیں کہ یا اللہ فلاں بھوکے کی شکم میری کا کوئی سلمان کر دے۔۔۔ دعا کر سکتے ہیں کہ یا اللہ فلاں غریب مسکین جو جائے سے کانپ رہا ہے۔ اس کے لیے کوئی سلمان کپل وغیرہ کا کر دے۔ یعنی کسی کو توفیق دے دے کہ اُس کو کھلا دے اُس کو کپل غریب کر دے۔ مگر وہ دعا میں نہیں کر سکتے جن کا ذکر میں نے پہلے کیا۔ اسی طرح ایک لاکھاونی دھڑی کا امتحان دینے کے لیے گیا ہے تو آپ یہ دعا کر سکتے ہیں کہ یا اللہ! فلاں لڑکا امتحان پاس کر جائے مگر وہ دعا میں کر سکتے کہ فلاں فلاں مسائل جو مجھ کو یاد ہیں میرے ذہن سے اُس لڑکے کے ذہن تک منتقل فرما دے۔ فرض امر محال کی دعا قطعاً مندرج ہے۔ آپ ایک بیکر کی تنفا کے لیے دعا کر سکتے ہیں۔ مگر خود جواہر مرہو کھاریہ دعا نہیں کر سکتے کہ یہ جواہر مرہو جو میں نے کھلیا ہے اور اُس سے جو تقویٰ و روح مجھ کو حاصل ہوئی

ہے اس پر ایک منتقل ہو جائے۔ یا نکل اسی طرح کپ کسی زندہ یا مردہ کے لیے دعائے رحمت و مغفرت و ترقی بہت
 دینا کر سکتے ہیں مگر خود کوئی نیک کو کے اس سے جو اثر ترقیہ آپ کے نفس پر مترتب ہو سکتا ہے، اس کو کسی
 دوسرے کی طرف منتقل کرنے کی دعائیں کر سکتے۔ خصوصاً جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں عمل صالحہ مختلف
 بیش اللہ فی الاما سنی۔ ان امریہ ہا کسب رہیں۔ کیا ان آیتوں کے بعد بھی ایمان و ولایات عقلمندانہ
 کے باوجود بھی ایسا مال ثواب کو جائز و صحیح سمجھنا یا یہ عید دن ان میں بدلوا سلام اللہ کا مصداق نہ ہوگا؟

کچھ روایات تھے متعلق | میں نے روایات سے اس وقت ہمیشہ کرنے کا قطعی ارادہ نہیں کیا ہے، بلکہ اس
 سے احتیاط کی سبب اور بشرط خصوصیت اس کو آئینہ کے لیے آثار رکھا ہے مگر اتنا کہ دینا ضروری ہے کہ جو روایتیں
 نصی قرآن کے حوالہ سے غلط ہیں، ہوں کم سے کم ان کو تو موضوع سمجھنا چاہیے۔ اور ایسا تو نہ کیا جائے کہ ان روایتوں
 کے لیے کیا ہو کر آئینہ کو کفن کے مرکز عبادة النفس سے تاویلات رکھ کے ذریعہ ہشاد دینے کی جوت اختیار کرنا چاہے۔
 یہ خوب یاد رکھنا چاہیے کہ روایتیں موضوع ہو سکتی ہیں۔ ائمہ مجتہدین سے غلطیاں ہو سکتی ہیں اور ایک جزو
 سال کا تعامل مبنی بر غلط ہو سکتا ہے۔ مگر قرآن و حدیث کی ایک ہدایت ہی اپنے مابین بعد از انھما تھا اقتداء انھما
 کے خلاف مفہوم نہیں پیدا کر سکتی۔ اسی طرح کسی آیت کا وہ مفہوم جو اس کی روانہ النفس یا عبادة النفس سے
 نکلا جائے، اس کے یا کسی دوسری آیت کے اس مفہوم کے خلاف نہیں ہو سکتا جو کسی آیت کی بھی عبادة النفس
 یا اعتقاد النفس سے نکل رہا ہو۔

قرآن کے مفہوم کو باقی رکھنے کے لیے حدیث کی تاویل کی جاسکتی ہے اور کرنی چاہیے کہ حدیث کے مفہوم
 کو باقی رکھنے کے لیے آیت، قرآن کی تاویل، حد درجہ غلط ہو سکتی ہے۔ کیوں کہ حدیث غلط اور موضوع ہو سکتی ہیں۔ قرآن
 کی کوئی آیت ضمیمہ بھی نہیں ہو سکتی۔

ایک آخری التجا | میں نے جو کچھ عرض کیا ہے، محض اتفاق حق کے لیے لکھا ہے، اس کے سوا میری کوئی
 فرض نہیں کوئی بلا اللہ شہید۔ اسلاف کی عروت، و احترام میرے دل میں بھی اسی قدر ہے جس قدر ایک مسلمان
 مل میں ہونی چاہیے۔ مگر میرا ایمان ہے کہ تلک امة قد خلعت لها ما کسبت و لکم ما کسبت و لا تعدلون ما
 کانوا یعدلون۔ مجھ سے قیامت کے دن کبھی نہیں پوچھا جائے گا کہ فلاں فلاں امامیہ راویوں کا تم نے کیا شرع
 نہ کیا؟ مجھ سے یہی پوچھا جائے گا کہ تم نے قرآن و حدیث کا اتلوع کیوں نہ کیا؟ البتہ رسول و اس وقت میرے سامنے
 نہیں ہیں کوئی سے حدیث کی تصحیح کر سوں مگر قرآن ہے۔ خدا کتابنا یضلع علیکم بالحق و السلام حق من اجابہ

لہ جو نیک عمل کنی کہ ہے، اچھے کے لیے ہے۔ نہ انھیں کو اپنی کوشش کا پلے کا ستہ بخش اپنے کسب و عمل میں لگا
 ہے ان کے کام کو بدل دینا چاہتے ہیں۔ جس سے ملاحظہ ہو کہ یہ جگہ گمراہی کے عمل ہی کے لیے ہیں اور
 قہر سے عمل قہر سے اپنے حق سے متعلق ہے۔ سب سے پہلے کیا جائے گا۔

(علامہ مرحوم کی سوانح کے ذیل میں علامہ عبدالرشید عباس خاں دی ناکم تعلیمات ندوة العلماء دکن دکن کا مضمون مابینہ مذکورہ
 کراچی مارچ ۱۹۵۷ء میں ملاحظہ فرمائیں۔)

اشٹارک

وہ آیات قرآنی جن کے حوالے اس کتاب میں دیئے گئے ہیں

صفحہ	آیت	سورۃ	آیت	صفحہ	آیت	سورۃ
۳۷	۳۲	النساء	۱۰	۲۵	۹	البقرۃ
{ ۳۶ }	۲۰			۴۱	۲۸	
{ ۳۸ }				۱۰۰	۱۱۰	
۹	۱۱۱			۲۷	۱۳۹	
۲۹	۱۱۴			۲۵	۱۴۱	
۴۳	۱۵۰			۱۱۸	۱۴۸	
{ ۴۲ }	۱۵۱			۲۸	۲۰۰	
{ ۴۳ }				۲۸	۲۰۱	
۴۲	۱۷۵			۲۸	۲۰۲	
۷۰	۸	۵ المائدہ		۲۹		
۲۰	۲۶			۷۲	۲۸۴	
۲۰	۷۲			۲۷	۲۸۶	
۴۲	۱۰۲			۳۰	۲۵	۳ المومن
۴۱	۱۱۹			۳۵	۳۰	
۸۲	۲۷	۲ الانعام		۱۰۰	۸۹	
۴۱	۵۲			۹۹	۱۳۶	
۸۴	۶۰			۳۵	۱۶۱	
{ ۴۴ }	۷۰			۷۱	۱۶۲	
{ ۸۴ }				۷۷	۱۸۲	
۶۸	۱۰۶			۱۰۱	۱۸	۴ النساء
۴۵	۱۲۰			۱۰۲	۳۱	

صفحة	آيت	رقم	السورة	صفحة	آيت	رقم	السورة
٩٤	٣٢	٣٠	النحل	٩٩	١٢٤	٦	الأنعام
٩٥	٩٣			١٠٠	١٢٩		
٩٦	٩٤ - ٩٦			١٠١	١٣٢		
٥٩	٩٤			١٠٢			
١٠٠	١١٤			١٠٣	١٥٩		
{ ٤٤ }	١٩	١٤	الاسراء	١٠٤	١٦٣		
{ ٩٥ }				١٠٥	٣	٤	الاعراف
١٣٢	٢٧			١٠٦	١٢٤		
١٠٩	٢٩	١٨	الكهف	١٠٧	٨٢	٩	التوبة
٥٢	١١٠			١٠٨	١١٣		
٤٤	١٥	٢٠	طه	١٠٩	١٢١		
٤٤	٩٢	٢١	الانبيا	١١٠			
٤٤	١٠	٢٢	الحج	١١١	٨	١٠	يونس
{ ٥٢ }	٦٢	٢٣	المؤمنون	١١٢	١٢		
{ ٤٢ }				١١٣	٢٣		
٨١	١٠٠ - ٩٩			١١٤	٢٤		
{ ٥٢ }	١٠٠			١١٥	٥١		
٨١				١١٦			
٤٣	٢٢	٢٤	النور	١١٧	١١١	١١	زور
{ ٥٩ }	٢٨			١١٨	١٢٣		
{ ٩٥ }				١١٩	٣١	١٢	ابراهيم
٦٤	٦٢			١٢٠	٢٢		
{ ١٢٢ }	٢٣	٢٥	الفرقان	١٢١	٩٣	٩٢	١٥
{ ١٢٣ }				١٢٢	٢٥		١٦
١٠٢	٤١	٤٠		١٢٣	٢٨		
٥٤	٩٠	٢٤	النمل	١٢٤			

صفحة	آيت	نمبر	السورة	صفحة	آيت	نمبر	السورة
٩٢	٤٢ — ٤٨	٢٣	الزخرف	٩٥	٩٠	٢٤	العلق
٥٥	٤٢			٥١	٦	٢٩	التكوير
٦٠	١٥	٢٥	الحجرات	٩٢	٦ — ٧		
{ ٥٦ }	٢٨			٩٢	٥٨		
{ ٦٢ }				٩٤	١٥	٣١	تقوان
٤٣	٢٩			٩٤	٢٣		
٩١	١٢ — ١٣	٢٦	الاحقاف	٩	٢٣		
٩١	١٦			٨٢	١٢	٣٢	السجدة
٩٠	١٩			٩١	١٢		
٩١	٢٠			٩٣	١٤ — ١٩		
٣١	٢٣	٢٤	محمد	١٢١	٦	٣٣	الاحزاب
٩٩	٢٥			٣٢	٢١		
٤٢	١٨	٥٠	ق	٣٣	٤٢		
{ ٦٢ }	١٦	٥٢	الطور	٥٢	٢٥	٣٢	سبا
{ ٨٩ }				١٠	١٨	٣٥	فاطر
٨٨	٢١ — ١٤			{ ٩٣ }	٥٢	٣٦	يسن
٨٨	٢١			{ ١١٨ }			
٦٠	٢١	٥٣	الجم	٤٢	٦٥		
{ ٩ }	٣٨			{ ٥٣ }	٣٩	٣٤	الصافات
{ ١٥١ }				{ ٩٢ }			
٤٢	٣١ — ٣٩			٩٤	٤	٣٩	الزمر
				٥٠	٦٤		
٣١	٢٢	٥٢	القم	١٠٥	٦٠	٢٠	غافر
٥٢	٦٠	٥٥	الرحمن	١٠٢	٦٥		
٨٤	١٠	٥٦	الواقع	٩٤	٥٠	٣١	فصلت
٨٤	٢٣			٦١	٢٢	٢٢	الشورى

السورة	نمبر	آيت	صفحة	السورة	نمبر	آيت	صفحة
الواقعة	٥٦	٢٣	٨٤	توح	٤١	٢٨	١٠٦
المحذية	٥٤	٣	٦٩	الفرزل	٤٢	٢٠	٤٨
الحجادة	٥٨	٦	٦٦	المدثر	٤٣	٢٨	٨٩
		٤	٦٤	الفرسلات	٤٤	٣٢ - ٣١	٨٥
المعشر	٥٩	١٠	١٤			٣٢ - ٣١	٥٥
		١٨	٨٦	النباء	٤٨	٣٦ - ٣١	٩٠
التغابن	٦٣	٢	٤١			٣٠	٤٨
		٣	٤٢	الطائعات	٤٩	٣٩ - ٣٤	١٣٢
		٨	٤١			٣١ - ٣٠	٣٢
التحریم	٦٦	٤	٥٣	علبس	٨٠	٣٤ - ٣٣	٢٦
الملک	٦٤	٢	٦٠	الافطار	٨٢	١٢ - ١١	٤٣
الحاقة	٦٩	٢٣	٤٨	الحجر	٨٩	٣٣ - ٣٢	٨١
		٢٨ - ٢٥	٥٢	الليل	٩٢	٢١ - ٢٠	٢٩
				البنيه	٩٨	٥	٢٩